CHONCH
WAR EDITION

Reg. No. C. 1853



آپ اپنا فرض ادا کیجیے!

تحقیقی مضامین کا مرقع

فی پرچہ

HOW DO YOU LIKE IT

AFTER HAVING READ

THIS ISSUE FROM COVER TO COVER,

TELL US, WHAT DO YOU THINK OF IT?

YOUR

CRITICISM WILL GUIDE US IN FUTURE

YOUR

APPRECIATION WILL ENCOURAGE US IN

BRINGING OUT MANY MORE NUMBERS

LIKE THIS ONE.

PLEASE SEND YOUR VIEWS TO

CHONCH WEEKLY

31, LOWER CHITPORE ROAD,

CALCUTTA.

PHONE:
B.B. 2952

GRAM:
"CHONCH" CAL

چوپنچ کا جنگ نمبر



فرمانِ عالیہ!

ادارت علیا دفتر چونچ یعنی ما بدولت کے گھونسلۂ مبارک سے آج بتاریخ ۳۰- نومبر ۱۹۴۰ء عین مطالعۂ صحیفۂ والاشان یعنی چونچ کے جنگ نمبر کے دوران میں ما بدولت کے دستخط خاص و مہر عالی سے جاری ہوا

جنگ اپنی خوفناک ہولناکیوں اور مہیب آثار و نتائج کے ساتھ نہ صرف یورپ بلکہ دنیا کے ایک خطہ کو متاثر کر رہی ہے۔ بری بحری و فضائی معرکہ آرائیوں کی تباہ کاریاں بنی نوع انسان کے لئے مصیبت کبریٰ بنی ہوئی ہیں۔ دنیا کے قدیم ترین نظام جمہوریت پر ہٹلریت اور نازیت کے خونخوار و خون آشام درندے ٹوٹ پڑے ہیں۔ ساری دنیا کرب و اضطراب کے بستر پر کروٹیں بدل رہی ہے، فضا حوصلہ شکن اور حوادث ہوش ربا ہیں، لیکن ما بدولت کا عزم صمیم چٹان کی طرح مضبوط اور فولاد کی طرح سخت ہے۔ جس طرح علمبردار جمہوریت برطانیۂ عظمیٰ دنیا کو نازیت کے مظالم سے محفوظ رکھنے کا عزم راسخ کر کے میدان جنگ میں اپنی قابل تحسین ثابت قدمی و پامردی سے دشمنوں کو شدید نقصانات کے ساتھ پسپائی پر مجبور کر رہی ہے۔ ما بدولت کا عزم راسخ تھا کہ اردو صحافتی دنیا میں انقلاب پیدا کیا جائے، اب انقلاب جس کی نظیر دنیائے صحافت اردو نے ابھی تک نہ دیکھی ہو یعنی چونچ کا جنگ نمبر ایسے عظیم الشان پیمانہ پر شائع کیا جائے کہ دشمنان اردو صحافت کو بھی اس کے معیار کی بلندی و محاسن ظاہری و باطنی کا اعتراف ناگزیر ہو۔

اس خدائے حی و قیوم کے افضال بے پایاں

کا شکریہ ہم کس زبان سے ادا کریں کہ اس نے ہماری اس اولوالعزمی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا اور آج چونچ کا جنگ نمبر جملہ محاسن صوری و معنوی کے ساتھ عالم تخیل سے عالم وجود میں جلوہ گر ہو کر دنیائے صحافت اردو میں آفتاب بن کر درخشاں ہے۔

اس کے بعد ہم ان تمام محبان باصفا و ارباب مودت و وفا کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی معاونت و مساعی جمیلہ کے بغیر یہ عظیم الشان کارنامہ تشنۂ تکمیل رہتا۔ علی الخصوص

وزارت بنگال

جس کے ہر دلعزیز اراکین والا تمکین نے اپنے اپنے حوصلہ افزا پیامات و خطوط سے ہماری ہمت افزائی کی جسکے بغیر ہماری یہ اولوالعزمی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی

اخبارات و جرائد

جنہوں نے چونچ کے جنگ نمبر کے اشتہارات اپنے گرانقدر صحائف میں ثبت کر کے اور اس پر اپنی زریں آراء لکھ کر معاصرانہ معاونت و ہمدردی کا اظہار کیا

ادباء و شعراء

جن کے گراں پایۂ مضامین و افکار عالیہ چونچ کے جنگ نمبر کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں

کارکنان دفتر

جنہوں نے شب و روز محنت شاقہ کر کے باوجود میری عدم موجودگی کے چونچ کے جنگ نمبر کی ترتیب و تدوین میں انتہائی جانفشانی و مستعدی و اپنی اہلیت و صلاحیت کا ثبوت بہم پہنچایا۔



تمام معاونین کی اس معاونت و ہمدردی پر ما بدولت شاہانہ وقار کے ساتھ اظہار مسرت کرتے ہیں اور پھر ایک مخلص دوست کی طرح تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ دل دوستاں شاد و خانۂ دشمن برباد

شہنشاہ ظرافت (مختار الدولہ چونچ الہند)

(عنایت دہلوی)



DELICIOUS

Lily

BISCUITS

روز بروز

لی لی بسکت و بارلی کی فروخت

میں اضافہ ہو رہا ہے

کیونکہ

لی لی بسکت و بارلی نہ صرف عوام

پسند ہے بلکہ ارزاں بھی ہے



LILY BISCUIT Co.

CALCUTTA BOMBAY

MANUFACTURERS OF THE FAMOUS "LILY BRAND" BARLEY

جب آپ اس مسئلہ پر غور کریں کہ برطانیہ ایک چھوٹا سا ملک ہے
اور ایک بڑے ملک یا ایک قوی قوم سے معرکہ آرائی کر رہا ہے تو
اس مسئلہ پر پھر غور فرمائیے

کیونکہ برطانیہ صرف نام ہے اجتماع اقوام کے سرگروہ کا
—— وہ دول مشترکہ جو اس وقت آزادی کے لئے مصروف
پیکار ہیں۔

اسلئے صرف یورپ کے نقشہ سے کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا
دنیا کا نقشہ البتہ معنی خیز ہے۔

چوچی کا جنگ نمبر، اسلئے ان باشندگان عالم کے نام سے
معنون کیا جاتا ہے جو میدان جنگ میں، غلہ پیدا کرنے والے
کھیتوں میں اور صنعتی مرکزوں میں شریک کار ہیں۔

ہاں! یہ اشتراک عمل —— یہ اتحاد —— بالآخر
فتح سے ہمکنار ثابت ہوگا۔

When you think of Britain as a small country battling against a vast continent or a mighty power—think again.

For, Britain is only the spearhead of a group of nations a common wealth of nations now at war again, for freedom.

For Truth--

Look at the map of the world. It shows the might of the common-wealth of nations. Sum up the daily news of the world. It proves the complete collaboration of these nations.

Chonch War Edition is, therefore, dedicated to those peoples of the world who are partners in the battle fields in the fields where food is grown -or in the industrial enterprises.

Yes! This partnership our unity must result in victory.



CHONCH WAR EDITION

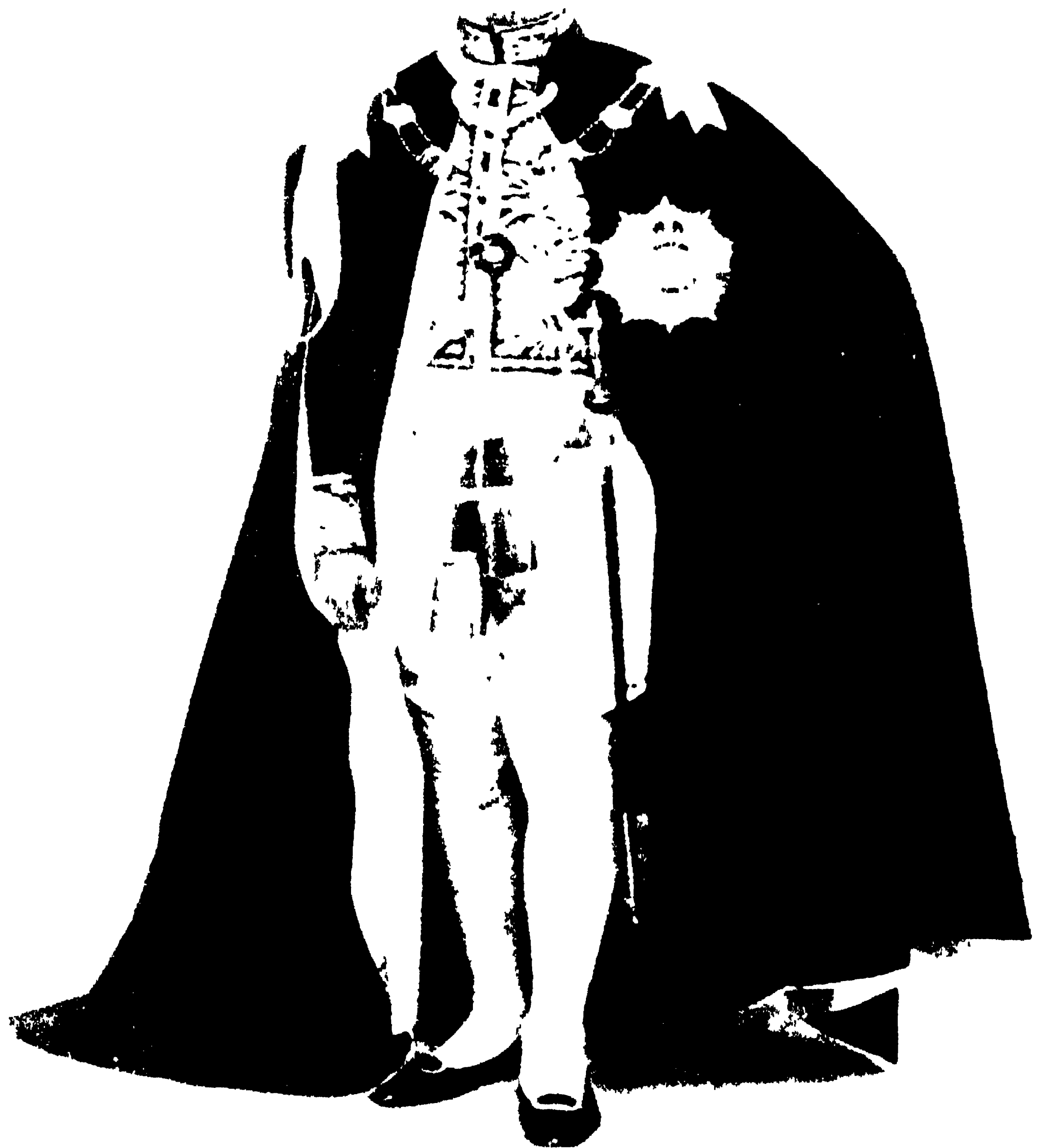
H. M. THE KING
GOD BLESS HIM



Chonch W a Edition

MARQUIS OF LINLITHGOW

HIS EXCELLENCY THE VICEROY AND GOVERNOR GENERAL OF INDIA —



THE GOVERNOR OF BENGAL
HIS EXCELLENCY SIR JHON ARTHUR HERBERT, G.C.I.E.

عالی جناب گورنر صاحب بہادر
بنگال

۱۱

دُعا

اے تمام قوتوں سے بڑی قوت والے، خدائے واحد ذوالجلال، کبیر المتعال جسکی عظمت و کبریائی کا اعتراف فرعون کو بھی دریائے نیل میں ڈوبتے وقت میں کرنا پڑتا ہے جس کے ادنیٰ اشارے پر مچھر سا بے حقیقت جانور نمرود کی سرکشی کو اُس کے دماغ سے باہر نکال دیتا ہے اور جس کی قہاریت و جباریت کے بحر طوفاں خیز میں تمام دنیا کا بری و بحری و فضائی بیڑہ آن کی آن میں غرق بحر فنا ہو سکتا ہے

تیری عظمت و جبروت سے بے پروا ہو کر یورپ کے فرعون وقت ہٹلر نے ایک تہلکہ برپا کر دیا ہے۔ تیرے کمزور بندوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہا ہے۔ اس سرکش مغرور فرعون وقت کو اسی طرح تباہ و برباد کر دے جس طرح نمرود و شداد و ہامان و فرعون اور دنیا کے دیگر سرکشوں کو تو نے تباہ کیا تھا ہٹلر اور اس کی شیطانی فوج کو اسی طرح ملیامیٹ کر دے جسطرح نپولین اور اس کی فوج کو تو نے ٹرافلگر اور واٹرلو میں تباہ و برباد کیا تھا۔ بہار و کوئٹہ اور ٹرکی و رومانیہ کے زلزلے میں تو نے اپنے قہر و غضب کی ایک جھلک جسطرح دکھائی تھی اسی طرح تیرا صاعقۂ غضب ہٹلر اور اسکی شیطانی فوج پر نازل ہو

اے خالق کائنات! اے احکم الحاکمین! اس جنگ میں برطانیہ عظمیٰ کو ہٹلر کے مقابلہ میں عظیم الشان فتح عطا کر، کیونکہ جمہوریت کی واحد علمبردار سلطنت برطانیہ ہی ہے اسکو ہر قسم کی قوت و طاقت سے مسلح کر دے تاکہ ہٹلر کے سر کو تیرے حکم سے فی الفور کچل دے۔

اے تمام کائنات کی حفاظت کرنیوالے! ہم باشندگان ہند کمزور و غیر مسلح، بے بس و مجبور ہیں۔ ہمارے پاس نہ توپیں ہیں نہ بندوقیں، نہ ٹینکیاں ہیں نہ طیارے، نہ اسلحہ سازی کے کارخانے، نہ جرمنوں کی طرح ہم کو جھوٹے پروپاگنڈے کا فن آتا ہے۔ فنون جنگ و حرب سے بھی ہم واقف نہیں، ہم پر رحم فرما اور سارے ہندوستان کو ہٹلر کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھ! علی الخصوص ہز ایکسلینسی لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند مع اراکین کونسل اور تمام گورنران صوبہ جات بنگال، بہار و آسام و صوبہ متحدہ و پنجاب و صوبہ سرحد و سندھ و بمبئی و مدراس و صوبہ متوسط وغیرہ و اراکین وزارت بنگال و سندھ و پنجاب و آسام و تمام والیان ریاست و تمام زمینداران و کاشتکاران و مزدوران و دیگر پیشہ وران و تمام اخبار و جرائد کے ایڈیٹران مع اسٹاف و اراکین دفتر "جو یج" و جنگ نمبر کے معاونین کرام و خریداران و ہاکران ایجنٹان اور اس کے مطالعہ کنندگان اور اس کی جھلک کو دور سے دیکھنے والوں اور اس کی تعریف کرنے والوں اور سننے والوں پر۔

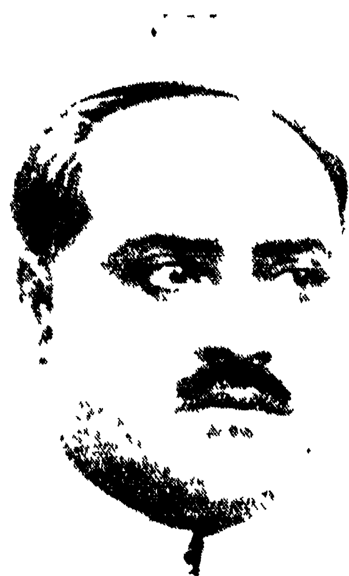
اپنی رحمت کاملہ کا سایہ قائم رکھ۔ تاکہ ہٹلر کے فتنہ و فساد سے محفوظ رہ کر سارا ہندوستان سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ راحت و آرام کا سانس لیتا ہوا مسرت و اطمینان کے ترانے الاپتا ہوا نظر آئے۔ آمین ثم آمین۔

(عنایت دہلوی)



THE HON.
MR. A. K. FAZLUL HUQ

The Hon. Ministers
OF
Bengal.



THE HON.
KHAWJA SIR NAZIMUDDIN



THE HON.
MR. H. S. SUHRAWARDY



THE HON.
MR. PRASANNA DEB RAIKUT



THE HON.
SIR B. P. SINGH ROY



THE HON.
MR. TAMIZUDDIN KHAN



THE HON.
MAHARAJA S. NANDY OF KASIMBAZAR



THE HON
MR. M. [illegible] MULLICK



THE HON.
NAWAB KHAWJA HABIBULLA
BR OF DACCA



THE HON
NAWAB MUSHARRAF HUSSAIN
KHAN BHRD.



Dear Sir,

I am very glad to note the aims of the proposed War Edition of the "Chonch". There is a real need, at the present time, for varnacular papers to place before the reading public the true significance of the present war and the ultimate consequences to the people of India. Vernacular journalism can set itself no wortheir task than impressing this on the minds of the public and showing what the real aims and objects of the respective Powers are.

I wish you every success.

Yours sincerely,

Minister in-charge Home Dept.

The Editor,
The "Chonch",
31, Lower Chitpore Road,
Calcutta.



To

The Editor,
The Chonch.

Dear Sir,

I have read with great interest your letter of the 11th September, containing a resume of your objects and purposes in bringing out a war Edition.

I must congratulate you on your timely enterprise. The necessity of acquainting every section of public opinion with the issues involved in the present war and its possible repercussions on India is of the utmost urgency. The battle for Britain, every Indian should realise, is not limited by the geographical boundaries that the phrase implies. It is, in the final analysis, desperate battle of goodness and decency, of freedom and toleration, and the most precious possessions of mankind against the powers of evil and darkness. In this struggle no right thinking Indian should have the slightest doubt in choosing his side.

Any attempt, therefore, to clarify the issues which unhappily, have been obscured for Indians by a variety of causes, deserves sympathy and encouragement. I should be happy to contribute to your effort; and I take this opportunity of wishing you every success in your present venture.

Miniter in-charge Finance Dept.



To

The Editor,

"The Chonch"

Dear Sir,

I understand you propose to issue a special edition of your paper indicating the real situation that has been brought about as a result of this unfortunate war since the 3rd September 1939 last. I consider it to be immensely necessary that you as a true representative of public opinion be good enough to let the public know through the medium of your vernacular columns not only the true situation but also what we, as citizens of the British Indian Empire should do as a matter of duty both moral and legal. I only hope that this right endeavour of yours will not only be appeciated but will also meet with success in dispelling various sorts of misapprehensions that are still lingering in the minds of the ignorant masses. I shall indeed be very happy to see the special copy of your paper published in time. You have my very best wish.

With kind regards,

I remain,
Truly yours,

[signature]

Minister in-charge Co-Operative & Rural in Debtedness.



To

The Editor,
The Chonch.

I understand that it is proposed to publish a special issue of the Chonch with a view to explaining to the public the aims and objects of Nazi Germany in the present war and its repercussions on the economic and political future of India. Dissemination of information regarding war and clerification of the issues involved in this world struggle are essential and urgently necessary. The general masses of the country can be more effectively approached through the columns of vernacular news papers. I am glad to lernt that the Chonch has taken up this important duty and I congratulate the paper on its endeavour and wish it every success.

[signature]

Minister in-charge Revenue Dept.

Khan Bahadur G. A. Dossani.

My Dear Mr. Inayat,

I am very pleased to hear that you intend taking out a war number of your paper in Urdu Language.

This is a very good idea as the masses, who mostly know Urdu language can come to know the motive of the British Government for this war as also the Empir's function on the side of the British in this Great War.

I wish you all the success.

Your sincerely,

G A Dossani

The Editor,
The Chonch.

Ria Bahadur Seth Sukhlall Karnani,

O. B. E., C. B. E.

Dear Mr. Inayat,

With much pleasure I note that you have decided to issue a Special War Edition. Vernacular Journals are real medium for impressing upon the minds of the public the real significance of this unfortunate War and removing their misapprehensions, if any. There is gread need of such publication. I know your personal ability and respectibility of your Paper since a long time. I am fully confident you will do great service by publishing this Special Edition and I wish your every success in your noble attempt.

Yours sincerely,

Sukhlall Karnani

The Editor,
The "Chonch".

29, Ripon Street,
CALCUTTA.

The Editor, "Chonch"
Calcutta.

Dear Sir,

From your letter of the 25th Sep. I have noted with interest that you are bringing out a special War-Edition of your paper "Chonch" shortly.

I think it will be a unique thing in the history of the Urdu papers in Calcutta, and you deserve congratulations from every right-thinking person for this timely enterprise.

I am sure there are yet very many people in India who only know that the war is going on, but they do not know what it is for. I trust your special War-Edition will throw enough light on the aims and objects of the war and let the readers of "Chonch" know that it is a battle for freedom and goodness of every human being. I must say it will be a true service to Government and the public if your War-Edition is compiled in a way that fully explain the Urdu-knowing Indians the real cause and the true significance of the present war, together with its effect on our country and its ultimate victorious end for the British Arms.

Your faithfully,

A. Raheem

C. I. E.



MR. INAYET DEHLAVI
Editor The Chonch Weekly
CALCUTTA.



قارئین کرام چوپنچ کی خدمت میں

ہمارا ایک نہایت ہی اہم خط

بخدمت شریف

قارئین کرام چوپنچ قدیم و جدید یعنی نئے و پرانے و خاص و عام یعنی وہ جو اس کے مستقل خریدار ہیں یا ہونے والے ہیں یا اس کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں۔ اور وہ جو صرف اس کے جنگ نمبر کی جھلک دیکھ کر اس کو خریدنے اور اس کے مطالعہ کے لئے مجبور ہوئے ہیں، سب کو اکٹھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ ونشکار ڈنڈوت و بندے وغیرہ وغیرہ ڈھیر کا ڈھیر پہنچے۔

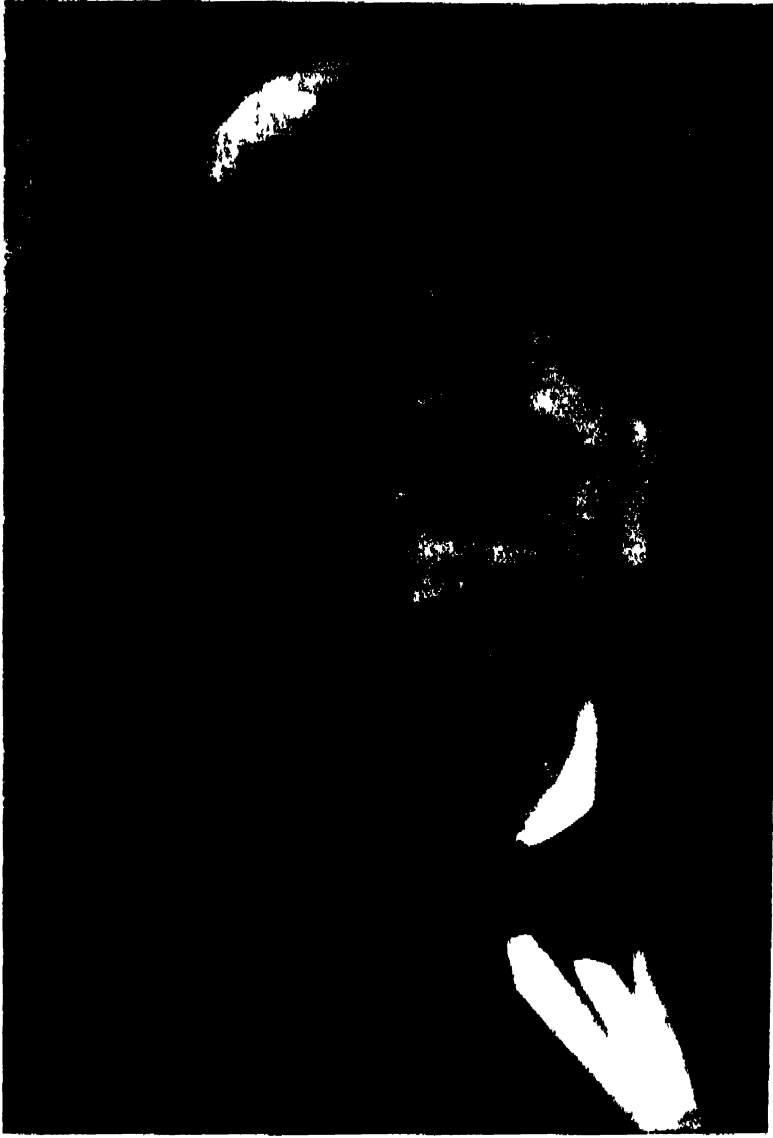
اما بعد :- چوپنچ کا جنگ نمبر ایک بے شمار خوبیوں اور ان گنت دلچسپیوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، اس کی صورت ملاحظہ فرماتے ہی آپ کو غالباً یقین آگیا ہوگا اور اگر یقین نہ آیا ہو تو اب یقین آنا چاہئے کہ موجودہ جنگ کس قدر اہم کس قدر خوفناک اور کتنی زبردست طریقے سے لڑی جا رہی ہے اور جمہوریت اور نازیت کی یہ خوفناک آویزش دنیائے تہذیب و تمدن کے لئے کیسا ہیبت ناک نظارہ بنی ہوئی ہے۔ امید و بیم کی کشمکش میں ساری دنیائے تہذیب گرفتار ہے۔ کیونکہ اگر خدا نخواستہ نازیت کو غلبہ ہوا تو پھر ہزاروں سال کا قدیم قصر تہذیب و تمدن منہدم ہو جائے گا اور ساری دنیا نازی وحشت و بربریت سے پامال ہو جائیگی۔ تمام واقعات آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ایسی حالت میں ملک و قوم کی محبت، جمہوریت کی شیفتگی، وطن کے خیال تحفظ، تہذیب و تمدن کے استحفاظ کا شدید تقاضا یہ ہے کہ آپ ہر ممکن طریقے سے حکومت برطانیہ کی امداد و اعانت کے لئے نہ صرف کمربستہ ہو جائیں بلکہ دامے، درمے، قدمے، قلمے جو خدمت آپ سے بن پڑے

جمہوریت کی واحد علمبردار حکومت برطانیہ کی امداد و عنایت کے لئے پیش کریں!

کیونکہ

برطانیہ کی اس وقت جانی و مالی و قلمی امداد **ہندوستان** اور خود اپنے جان و مال و عزت و آبرو و ہندوستانی تہذیب و تمدن، کلچر و زبان کی حفاظت کا دوسرا نام ہے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ایک **عظیم الشان** فریضہ کی انجام دہی سے قاصر رہیں گے اور دین و دنیا کے خسارہ میں پڑ جائیں گے۔ والسلام مع الاکرام

نیازکیش :- **عنایت دہلوی**


عبد الحمید

ماموں جنگ نمبر شائع کیجیے؟

میرے بھانجے عبدالحمید نے جب وقت مجھ سے کہا تو

میں نے جواب دیا تھا کہ

"میرے بس کا روگ نہیں ہے"۔!

اس

گفتگو کے بعد

جنگ نمبر کی تیاری شروع ہوئی تھی۔!!

میرے بھانجے عبدالحمید جن کو خدا کے فضل سے ساری دنیا کی سیاحت کا فخر حاصل ہے۔ مثلاً، مصر، ترکی، رومانیہ، یوگوسلاویہ، چیکوسلواکیہ (سابق) ہنگری، آسٹریا، جرمن، فرانس، اٹلی، انگلستان، امریکہ اور خاص کر ہالی وڈ، ہونولولو، جاپان، چین، انڈوچائنا، ملایا، برما، سیلون وغیرہ وغیرہ۔
اور انھوں نے فن اشتہار بازی میں یورپ کی بڑی بڑی نمائشوں میں اعزاز حاصل کیا ہے۔

آج ان کی کوششوں کا نمونہ یہ جنگ نمبر ہے۔ میرے خیال سے بہت کامیاب نمبر ہے۔ مگر ان کی مرضی اور ان کے معیار کے مطابق اب بھی نہیں ہے۔ (اس کا فیصلہ ناظرین "چونچ" پر ہے) اس جنگ نمبر کی کامیابی کا سہرا میرے نوجوان بھانجے کے سر ہے اور ان کے ساتھ مسٹر تراب آرٹسٹ اور محمد شریف صاحب (انچارج محکمہ کتابت) نے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا۔ ان دونوں صاحبان کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

اپنے بھانجے کا ماموں اور ناظرین "چونچ" کا خادم؛۔

عنایت دہلوی

کچھ اپنے متعلق

چونچ کا جنگ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے محاسن صوری و معنوی کے متعلق ہم خود کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی فرما سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارا بیان خود ستائی و خود ثنائی پر محمول نہ ہو تو ہم ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ہیں کہ اردو صحافتی دنیا میں کسی نے اپنا کوئی خاص نمبر اس اہتمام بلیغ کے ساتھ اب تک شائع نہیں کیا جس نے دشمنوں کو اس اعتراف حقیقت پر مجبور کر دیا ہے کہ اردو صحافتی دنیا بھی ایسے رسائل و جرائد شائع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جو بلاشبہ دنیا کی دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔

اس نمبر میں قارئین کرام کی توجہ کیلئے جاذب ترین شے غالبًا اشتہارات کا طریقۂ اشاعت ہوگا۔ ابھی تک یہ جاذب توجہ، دلچسپ و دلنشیں طریقے بروئے کار نہیں آئے جو انگریزی کے گرانقدر رسائل و جرائد کے ہم پایہ بلکہ بعض خصوصیات میں اُن سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ مضامین کے متعلق مضامین نگاروں کے نام ہی ضمانت ہیں۔ قارئین کرام کو ایک طویل فہرست نظر آئیگی جسمیں دنیا کے مشاہیر مفکرین، ادبا و شعرا کے اسمائے گرامی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اکثر گراں پایہ مضامین کے ترجمہ کا خاص اہتمام کیا گیا ہے جس کے لئے مستند مترجمین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ تصاویر کے سلسلہ میں کوشش بلیغ کی گئی ہے کہ نادر اور غیر مطبوعہ تصاویر فراہم کی جائیں اور ہر تصویر مضمون ہی سے متعلق ہو۔ مذکورہ بالا اہتمام بالشان کاموں کی انجام دہی جسقدر وقت طلب مشکلات افزا اور پریشان کن ہو سکتی ہے اس کا اندازہ قارئین کرام کو علی العموم اور اردو صحافت نگاری سے متعلق اصحاب کو علی الخصوص ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ حوصلہ شکن ماحول میں تقریبًا ایک امر محال بلکہ ناممکن کو ممکن بنانیکی کوشش میں وقت اور روپیہ کا جس مسرفانہ طریقہ سے خرچ کیا گیا ہے اس کا اندازہ قارئین کرام آسانی سے کر سکتے ہیں۔ الغرض چونچ کے جنگ نمبر کو انتہائی حد تک دلچسپ و دلفریب قیمتی معلومات کا گنجینہ اور گرانقدر افکار و خیالات کا خزینہ بنانے اور نیز اس "عروس جمیل" کو "لباس حریر" سے آراستہ و پیراستہ کرنیکی کوشش میں نامساعدت فضا و ناسازگاری ماحول کے حوصلہ شکن مناظر سے آنکھیں بند کر کے جس تندہی، مشقت و جانفشانی کا ثبوت ہمارے معاونین کرام و رفقائے عزیز نے دیا اس کا کماحقہ شکریہ ادا کرنے سے ہماری زبان قاصر ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ قارئین کرام کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

ابتک اردو صحافت کے متعلق دشمنان اردو نے یہ غلط فہمی پھیلا رکھی تھی کہ اس میں ترقی و اصلاح کی قطعًا گنجائش نہیں لیکن معاندین کے اس قول کی تکذیب کرنیکے لئے "چونچ" کا جنگ نمبر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہے، انکی آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے اور اس "مہر منوّر" کی کرنیں تیر کی طرح ان کے دلوں میں کھٹک رہی ہیں۔ اشتہارات کے سلسلہ میں ایک امر ضروری قابل تذکرہ ہے وہ یہ کہ اردو جرائد و رسائل غالبًا اپنی بے بضاعتی و کم مائگی کے سبب اشتہارات کو اپنی حیات و قیام کا واحد ذریعہ سمجھتے آئے ہیں لیکن "چونچ" کے جنگ نمبر کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ اردو رسائل و جرائد کا معیار اب اس بلندی پر پہنچا جا رہا ہے جہاں مشتہرین مجبور ہو کر اردو رسائل و جرائد سے اشاعت اشتہارات کی استدعا کرتے ہیں۔ "چونچ" نے اس اصول پر عمل پیرا ہو کر اردو صحافتی دنیا کی ذہنیت کو متغیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ خدا کرے اس کی یہ کوشش بارآور ہو۔

مضامین نگاری کے سلسلہ میں بھی ایک بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اردو جرائد و رسائل گو اپنی کثرت تعداد کے اعتبار سے ہندوستان کی صحافتی دنیا میں ایک نمایاں پوزیشن رکھتے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں بہت کم ایسے مضامین نظر آتے ہیں جو اپنی ادبی خوبیوں، ٹھوس علمی حقائق یا اعلیٰ ترین سیاسی افکار و بصائر کی بنا پر قابل توجہ ہوں۔ "چونچ" کے جنگ نمبر میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے کہ مضامین کے انتخاب میں کس قدر احتیاط و ژرف نگاہی سے کام لیا گیا ہے۔ حتی الوسع وہی مضامین اس جنگ نمبر میں شامل کئے گئے ہیں جو اپنی علمی تحقیقاتی عناصر یا اپنے ادبی محاسن کی وجہ سے کوئی نمایاں درجہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مضامین کو ہمکو اس لئے نظرانداز کرنا پڑا کہ وہ ہمارے قائم کردہ معیار پر پورے نہ اُترتے تھے۔

تصاویر میں بھی اس مذکورہ بالا اصول کی نگہداشت رکھی گئی ہے اور اب اس جنگ نمبر کو تصاویر کے اعتبار سے ایک قیمتی البم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ ہم نے اپنی کوششوں اور جانفشانیوں میں حتی الوسع کسی طرح کی کمی نہیں کی اور محنت و روپیہ کا بیدریغ خرچ صرف اس لئے کیا گیا کہ ایک نادر و نایاب جنگی معلومات کا گنجینہ علم و ادب کے جواہرات کو سمیٹے ہوئے قدر دانان علم و فن کے ہاتھوں تک پہنچ جائے۔ لیکن بمصداق "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" بہت ممکن ہے کہ سہو و نسیان نے اس مجلۂ علمیہ و ادبیہ کی ترتیب میں راہ پائی ہو اور کچھ خامیاں اس میں موجود ہوں جس کے متعلق ہم قارئین کرام سے متوقع ہیں کہ چشم پوشی سے کام لے کر معاف فرمائیں گے۔

غریب عنایت دہلوی

چونچ کلکتہ ۸۶

جنگ نمبر

حضرت علامہ فہامہ الملقب بنقار الدولہ ظرافت نواز جنگ بہادر المشہور بہ چونچ الہند والمعروف بہ اعجاب علیہ الرحمۃ کے پستول سائز ۱۰ٹن پن کی گولہ باری یا اس کی شمشیر قلم کی برش ملاحظہ فرمائیے کہ دشمنان کی خانہ خرابی یا مفسدہ پردازوں کے دل وجگر کی قطع و برید میں ایسی حیرت انگیز سرعت کا اظہار کرتی ہے کہ امن عالم کے دشمنوں کے جسم لرزاں اور ہوش پراں ہیں۔ اس لئے تمام امن پسند حامیان تمدن و تہذیب کو لازم ہے کہ ہمارے جنگی قلم کے حیرت انگیز کرتب اور کمال کو آنکھیں کھول کر ملاحظہ کریں اور اس کے بعد نعرہ لگائیں۔

برطانیہ پائندہ باد و زندہ باد!! ہٹلر و نازیت برباد!!!

نمبر ۴۳ — سنہ ۱۹۴۰ء ۶ — جلد ۱۵

ہٹلر کا آتشی خط

مابدولت عالیہ کے نام ———!

کل یعنی صرف ڈیڑھ برس کی بات ہے کہ مابدولت عالیہ دن بھر اپنے گھونسلۂ مبارک میں محنت و مشقت کرنیکے بعد جب اپنے دولتکدہ میں اپنی آرام گاہ میں بغرض آرام طلبی و رفع کلفت تشریف لیگئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہماری اس سہری پر جو ہمارے ہندوستانی جسم کو رات بھر اپنے آغوش میں لیکر غلامی کے طعنے دے دیکر اچھے اچھے خواب دکھاتا بھی اپنی توہین سمجھتی ہے اپنی چھاتی پر ایک زہریلا سانپ بٹھائے ہوئے ہے جو اپنا خوفناک پھن اٹھا کر کسی کو ڈسنے کا اپنے دل میں ارمان لئے بیٹھا ہے۔ اسکو دیکھتے ہی ہم خوف سے کانپنے اور تھرانے لگے۔ ہمیں ایسا معلوم ہونے لگا گویا ہماری آرام طلب دنیا میں کسی نے ہٹلر کا مجسمہ لگا دیا ہے۔ ایک سکنڈ کے لئے ہم نے آنکھیں بند کرکے کچھ سوچا اور فوراً آنکھیں کھول کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اتنی دیر میں ہمارے چہرہ پہ پسینہ تھا اور جسم میں لرزہ۔ پسینہ اس لئے تھا کہ ہائے ہم اس قدر بے بس اور ناقابل اعتبار آدمی ہیں کہ اپنے موذی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی تلوار بھی نہیں جسم میں لرزہ اس لئے کہ کیا دشمن ہمارے گھر میں ہے؟ اس کے سامنے ہم سوائے کانپنے و تھرتھرانے کے اس کا بگاڑ ہی کیا سکتے ہیں۔ بزدل ہمتوں کا یہ حربہ بھی جان بخشی اور بے عزتی سے جینے اور جان بچانے کے لئے اکثر کارگر ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے لرزنا ہی مناسب سمجھا۔ مگر اسکی دو چار پھنکاروں نے ہم کو جنگ کرنے کے لئے مجبور کیا۔ فوراً ہم نے اپنے مرحوم بزرگوں کی روحوں کو للکارا اور فریاد کی ———ہندوستان کے" ہم شہروں کے قبرستان سے دہشت ناک اور توہین آمیز لہجہ میں قہقہوں کی آواز آئی اور ایک روح نے ہم سے کہا ——— "جانتا ہے ہم کون ہیں۔؟ ہم دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کی کہ ہم ایسے کھوئے ہوئے ہیں کہ اپنے کو نہیں جانتے۔ ایسی حالت میں دوسروں کو کیا جان سکتے ہیں۔!!! آواز آئی ——— "ہم ہیں شیر افگن" ——— شیر افگن کا نام سننا تھا کہ ہمارے خون میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ اور ہمیں یاد آیا کہ ہم ان ہی میں سے ہیں۔ جنھوں نے ہاتھ سے شیروں کے جبڑے چیر ڈالے تھے۔ ہمیں اٹھ کر مقابلہ کرنیوالے موذی سانپ کو ہم نے غور سے دیکھا اور دریافت کیا کہ تو کس ہتھیار سے حملہ کریگا"؟ اس نے پھنکار مارتے ہوئے کہا "پھن سے" ہم نے حسرت بھری آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ اور ایک ٹھنڈا سانس لیا اور اس مسئلہ پر غور کیا کہ ہمارے پاس کیا ہے؟ توپ، بندوق، نہ پستول، نہ مشین گن، طیاروں اور بحری جنگی جہازوں کا کیا ذکر۔؟ تلوار کا لائسنس اور مشین گن کی تصویر بھی نہ تھی کہ اسکو دیکھ کر دل کو ڈھارس دیتے۔ ہمارا خامۂ ظرافت بار جسکی نوک سے ہم دشمنوں کے دل وجگر کو برماتے رہتے ہیں۔ وہ بھی لکھنے کی میز پر دفعہ ۱۴۴ کے خوف سے خون خشک نہیں بلکہ سیاہی خشک واقع ہوا تھا بالآخر خداوند کریم نے مدد کی اور کریدوں کو ڈھونڈنے سے بلا لائسنس ایک چھتری نکل آئی جس سے اس خوفناک موذی پر اگر



حملہ کیا جاتا تو چھتری یقیناً شکستہ ہوکر رہ جاتی اور سانپ کا کچھ نہ بگڑتا۔ یعنی ہندی کی ایک ضرب المثل بالکل الٹی ہوکر رہ جاتی۔ کہ سانپ بھی نہ مرتا اور چھتری بھی ٹوٹ جاتی۔ بالآخر چھتری کو جلد جلد کھولنے اور بند کرنیکی تدبیر ذہن میں آئی کہ شاید سانپ ہمارے اس پیرا شوٹ (افغانی جنگ والی چھتری) سے خوفزدہ ہوکر بھاگ جائے۔ اور تجربہ سے ثابت ہوا کہ ہماری تدبیر بجا اور موثر تھی۔ سانپ بھاگا اور مابدولت ایک خوفناک دشمن پر فتح یابی کے بعد اپنے بستر پر دراز ہوکر ایک ٹھیٹھ ہندوستانی شاعر کی طرح کروٹیں بدلنے لگے جس کا نقشہ ہمارے ہموطن داغ نے اپنی خالص دہلوی زبان میں یوں کھینچا ہے۔ ؎

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں ٭ جو جل اٹھتا ہے وہ پہلو تو یہ پہلو بدلتے ہیں

اور اس طرح نیند لانے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا گویا کمر کے پاس کوئی چیز چبھ رہی ہے۔ ہاتھ بڑھا کر جب اس کو ہٹانا چاہا تو سرخ رنگ کے آتشی قسم کا ایک لفافہ ہاتھ آیا۔ لفافہ کو پھاڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہٹلر نے مابدولت کے نام ایک مکتوب بھیجا ہے جو تمام و کمال قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے درج ذیل ہے۔

خط ملاحظہ ہو

اے چرخ ! تجھ کو ہرہٹلر ڈکٹیٹر جرمنی کا سلام و دعا کچھ نہ پہونچے کیونکہ اس وقت ہم خود خیریت سے نہیں ہیں ۔ اسلئے نہ صرف تیری بلکہ کسی ہندوستانی کی خیریت بھی نہیں چاہتے۔ اور صرف یہ اطلاع دینی چاہتے ہیں کہ فی الحال ہم نے اپنے ذمہ دنیا کے امن و امان کو تباہ کرنے، چھوٹی چھوٹی کمزور اقوام کو کچلنے اور پامال کرنے اور تہذیب و تمدن کو جاڑنے بلکہ ان کو دنیا سے یکسر ملیامیٹ کرنے کا کام لے لیا ہے ۔ اور اس عظیم الشان کارناموں کی انجام دہی اور ان کی بجا آوری کے لئے ہم نے اپنی شیطانی فوج کا ایک زبردست لشکر قریب کے چھوٹے سے آزاد ملک میں اتار دیا تاکہ غریب اور کمزور ممالک ہی سے اس شیطانی کام کی ابتدا کی جائے ۔ سوڈیٹن علاقہ کے جرمن باشندوں کو ہر طرح کا آرام و اطمینان نصیب تھا لیکن ہم نے یہ غل مچایا کہ جرمنوں کو سخت تکلیف دی جا رہی ہے اور یہی بانگ بے ہنگام بلند کرتی ہوئی ہماری شیطانی فوج سوڈیٹن لینڈ اور پورے چیکوسلاویا پر قبضہ کرلیا ۔ وہاں کے تمام کاروبار سلطنت پر قابض و متصرف ہوکر اس کے ذرائع وسائل دولت کو ہاتھ میں لے کر ہم نے پوری چیک قوم کو جرمنوں کی غلامی کرنے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ ہمارا اصول یہ ہے کہ کمزوروں کو دنیا میں آزاد تو بڑی بات ہے زندہ رہنے ہی کا کوئی حق حاصل نہیں ۔ ہمکو کسی اور سے نہیں صرف روس اور برطانیہ سے خطرہ تھا کہ کہیں یہ دونوں ہمارے کاموں میں روڑے نہ اٹکائیں ۔ لیکن ہم نے اسٹالن سے سازباز کرکے اس کے بٹ کے تلے کی خاک چاٹ کر اس کو آمادہ کر لیا کہ پولینڈ کے معاملہ میں نصف نصف کے اصول پر عمل درآمد ہوگا ۔ لیکن مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ کے معاملہ میں بڑی دقت کا سامنا تھا۔ کیونکہ جمہوریت کا یہ زبردست علمبردار کسی قیمت پر راضی نہ ہوتا تھا اور ہم اس کی زبردست قوت سے ٹکراتے ہوئے بھی خوف سے تھراتے تھے کہ اس میں ہمارے سر کے شکستہ ہونے کا یقین تھا بالآخر ہم نے کمال بیحیائی و ڈھٹائی سے جھوٹ اور دروغ بیانی پر کمر باندھی اور چیمبرلین کو عرصہ تک مبتلائے فریب رکھا اور جب ان کی طرف سے کچھ عرصہ کے لئے اطمینان ہوگیا تو پھر ہم نے اپنے شیطانی مقصد کی تکمیل کے لئے پولینڈ کو تاکا اور اچانک اس غریب و کمزور قوم پر اس طرح جا پڑے جس طرح شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے سرحدی علاقہ کے جرمن باشندوں کے ظلم و ستم کی من گھڑت داستان تمام دنیا کو سنانی شروع کردی کیونکہ ہماری اور بے خطا تدبیر ہے ۔ حملہ سے قبل پولینڈ کی جرمن آبادی سے سازباز کرکے اس کو بغاوت پر آمادہ کر ہی دیا تھا اور ساتھ ہی ہماری شیطانی معتدہ پرداز فوج بھاری بھاری توپوں ٹنکوں مشین گنوں اور بمبار طیاروں اور دیگر آلات حرب سے مسلح ہوکر یلغار کرتی ہوئی پولینڈ پر چڑھ دوڑی پولینڈ کا چھوٹا سا ملک اور اس کی کمزور غیر مسلح آبادی ہماری شیطانی فوج کے فوری حملہ کا کیا مقابلہ کرتی جو پولش قوم کی غفلت اور بے خبری میں کیا گیا تھا ۔ اس نے دو ہفتے کے اندر ہی ہتھیار ڈال دیئے اور ہم نے عام حکم دیدیا کہ ہر اس پولش کو فی الفور گولی سے اڑا دیا جائے جس میں فوجی سپاہی بننے کی تھوڑی سی بھی صلاحیت موجود ہو تاکہ بغاوت کا خطرہ بالکل ہی مٹ جائے ۔ پولینڈ والوں پر دھاک بٹھانے کے لئے ہم نے عام حکم دیدیا کہ بلا وجہ و بلا سبب قصبات و دیہات، شہروں اور کارخانوں پر بمباری و گولہ باری کرکے مکانات کو منہدم اور سارے شہر کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا جائے ۔ آدمیوں کو بلاتخصیص مرد و عورت و بچے و بوڑھے کے قتل کیا جائے۔ ان کے املاک و جائداد کو آگ لگادی جائے ۔ چنانچہ ہمکو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہماری شیطانی فوج نے چند دنوں میں سارے پولینڈ کو پوری طرح تباہ و برباد کرکے اس قابل کردیا کہ اس میں گدھے کے ہل چلائے جائیں اور اگر گدھے نہ مل سکیں تو ہندوستانیوں کو ہل میں جوتا جائے ۔ جوانوں اور بوڑھوں کو یا قتل کردیا گیا یا ان کو جرمن سپاہیوں کی ذلیل ترین خدمات کرنے پر ہنٹروں سے پیٹ پیٹ کر مجبور کیا گیا۔ پولش عورتوں کو جرمن سپاہیوں نے اپنی آرام دہی کیلئے بید اور ہنٹر کی مار اور تازیانے کی ضرب سے بالکل ٹھیک کر دیا اور چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ پولش عورتوں کو جرمن سپاہیوں نے حاملہ کر دیا ۔ ہم نے اپنے سپاہیوں کی اس جوانمردی کا ڈھنڈورا تمام دنیا میں پیٹ دیا اگرچہ ساری دنیا نے ہم پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ کی لیکن ہم نے دنیا والوں کی لعنت و ملامت کا غم غلط کرنے کے لئے حکم دیا کہ پولینڈ کی فتح پر عام جشن مسرت پورے جرمنی میں بڑی دھوم دھام سے منائی جائے ۔

پولینڈ کو شکنجۂ ظلم میں جس وقت ہم کھینچ رہے تھے تو ہم کو پھر اسی برطانیہ سے خطرہ تھا کہ کہیں پولینڈ کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا نہ ہو ۔ لیکن ہم نے پھر مسٹر چیمبرلین کو اپنی پرفریب گفتگو سے کچھ عرصہ کے لئے باز رکھا کہ وہ ہماری راہ میں روڑے نہ اٹکائیں ۔

اور پھر ہم نے ناروے کو اپنی شیطانی فوج کا جولان گاہ بنانے کے خیال سے، حسب عادت، بلا وجہ و بلا سبب ڈیڑھ بدمعاش سپاہیوں کی ایک زبردست فوج توپوں، ٹنکوں مشین گنوں اور دیگر آلات مہلکہ سے آراستہ تھی اس چھوٹے سے ملک پر تاخت و تاراج لوٹ و غارتگری کے لئے بھیجدیا اور ساتھ ہی ہمارے طیاروں نے ناروے کے شہروں، قصبات اور دیہاتوں پر بار بار پرواز کرکے بیگناہ شہریوں پر بمباری کرکے مردوں عورتوں بوڑھوں بچوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا ۔ آگ لگانے والے بم مکانات اور غلہ کے ذخائر پر گرائے تاکہ ساری آبادی فاقہ کش ہوکر رہ جائے مکانات کا انہدام اور آبادی کا قتل عام بڑی پھرتی اور مستعدی سے شروع ہوگیا ۔

ہمارا ظلم و ستم اب اتنا بڑھ گیا تھا کہ برطانیہ عظمیٰ کو (جس سے ہم ہمیشہ خوفزدہ رہے ہیں اور ہنوز اسی کے خوف سے تھرا رہے ہیں) زیادہ تاب باقی نہ رہی اور اس کو ہمارے خلاف مجبوراً اعلان جنگ کرنا ہی پڑا ۔ ناروے کی امداد کے لئے برطانی فوج پہنچی اور یقیناً ہماری فوج اس سے مقابلہ کرکے بری طرح شکست کھاتی لیکن حسن اتفاق سے برطانی فوج کے پہونچنے میں دیر ہوئی اور اس وقت تک ہم نے

ملک ناروے کا قلع قمع کر دیا تھا۔ اس کی حکومت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ سارے ملک میں جرمن سپاہیوں کی ٹولیاں پھر رہی تھیں۔ ناروے کے خوبصورت شہروں، قصبات کو ایسا مسمار کیا گیا تھا کہ بہار اور کوئٹہ کے زلزلہ سے مسمار شدہ علاقے مقابلۃً اس سے بہتر ہوں گے۔ باشندگان ناروے کو ہم نے جرمن سپاہیوں اور افسروں کی خدمتگذاری کیلئے کوڑوں سے پیٹ پیٹ کر تربیت یافتہ بنا دیا۔ باغوں اور کھیتوں میں آگ لگا دی غلہ و خوراک کے ذخیرے برباد کر دیئے اور سارے ملک میں ہم نے اپنی ہٹلریت کا سکہ بٹھلا دیا۔ کیونکہ اب ہم کو بلجیم پر حملہ کرنا اس لئے ضروری تھا کہ اب برطانیہ سے جنگ ٹھن گئی تھی اور برطانیہ کے دوست فرانس نے بھی ہمارے خلاف اعلان جنگ کیا تھا اس لئے فرانس کو سزا دینے کے لئے ہم کو بلجیم کی راہ سے اپنی فوج بھیجانا ضرور تھا۔ بلجیم نے جب ہماری شیطانی فوج کو اپنے ملک کے اندر گھسنے اور راستہ دینے کی اجازت نہ دی تو اس کا یہ انکار ہم کو بہانہ ہو گیا اور ہم نے فی الفور بلجیم کو اس طرح اپنے مظالم بے پناہ کا نشانہ بنایا جس طرح پولینڈ ناروے اور چیکوسلاویا میں کیا تھا۔ بلجیم کی ملکہ کو ہم نے اغوا کرنے کی شدید کوشش کی لیکن وہ بڑی ہوشیاری سے بھاگ کر برطانیہ چلی گئی۔

بلجیم کا قصہ پاک کرنے کے بعد ہم کو ڈنکرک کے میدان جنگ کی طرف پیش قدمی ضرور تھی، کیونکہ وہاں برطانی و فرانسی فوج نے متحد ہو کر ایک بڑا زبردست دمدمہ تیار کیا تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ اتنی زبردست فوج کا مقابلہ ہم سے نہیں ہو سکتا، اور ہماری شیطانی فوج اگر اس سے معرکہ آرا ہوئی تو ایک ایک جرمن سپاہی کی ہڈیاں و پسلیاں ٹکلی جائیں گی۔ اگر ہم اس برطانی و فرانسی متحدہ فوج سے لڑتے تو ۱۹۱۴ء والی گذشتہ جنگ عظیم کی طرح نہ صرف جرمن سپاہیوں بلکہ پوری جرمن قوم کو ایسی خوفناک و ذلیل ترین شکست اٹھانی پڑتی کہ نہ صرف ہم بلکہ پوری جرمن قوم صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جاتی۔ ہم نے ڈنکرک کے میدان کو چھوڑ کر دوسری طرف تاکہ کسی اور طرف سے فرانس کے اندر ہماری فوج گھس پڑے لیکن پورے مشرقی سرحد فرانس پر میجنو لائن ایک ناقابل تسخیر قلعہ کی طرح قائم تھی۔

جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو ہم نے اپنی قدیم چالبازیوں یعنی جھوٹ، فریب، دغا، جاسوسی اور سازش کا جال فرانس پر پھینکا اور ہم کو یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ فرانس ہمارے پر فریب جال میں گرفتار ہو گیا۔ اگرچہ اس اثنا میں اطالیہ ہمارے ساتھ ہو گیا تھا لیکن چہ پدی، چہ پدی کا شوربہ! وہ کیا لڑتا اور کیا جنگ کرتا وہ تو خود ہماری امداد و اعانت کا آسرا لگائے ہے۔ بہرکیف ہم نے فرانس میں اپنے دغا و فریب کے حربہ کا استعمال کیا اور ریناں حکومت کے چند اراکین کو زبردست رشوتیں آئندہ حکومت میں اختیارات اور اقتدار دینے کا لالچ دیکر ان میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ حکومت ریناں مستعفی ہو گئی اب مطلع صاف تھا اور ہمارا کارندہ اور رشوت خوار فریب خوردہ مارشل پیتان برسر اقتدار ہوا، اس کی وزارت قائم ہوئی اور اس نے ہم سے فوراً صلح کی درخواست کی جیسی کہ اس کو ہدایت کی گئی تھی چنانچہ ہم نے بھی نہایت کڑی شرطوں پر صلح منظور کی۔ اور فرانس کی تمام بری، بحری و فضائی قوت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ فرانسی فوج کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا۔ فرانسی کارخانہ اسلحہ سازی کو جرمن آلات جنگ تیار کرنے کا حکم دیا اور نصف فرانس یعنی پورے شمالی حصہ کو تا قیام جنگ اپنے قبضہ میں رکھا کیونکہ یہ علاقہ دار النشاط پیرس دنیا کا سب سے خوبصورت شہر ہے اور جرمن سپاہیوں کی رنگینیٔ مزاج اور ولولۂ شباب کی پیاس بجھانے کے لئے پیرس کو اپنے قبضہ میں رکھنا ضرور تھا۔

صلح ہونے کے کچھ قبل ہمارے تین سو طیاروں نے پیرس پر ایسی شدید بمباری بھی کی کہ دنیا کا یہ خوبصورت شہر کھنڈروں اور سؤروں کا اصطبل بن جاتا لیکن صلح ہو جانے سے ہمارے حکم کی پوری تعمیل مجبوراً نہ ہو سکی جس کا ہم کو افسوس ہوا۔ اگرچہ یہ دیکھ کر میرا کلیجہ ٹھنڈا بھی ہوا کہ ہزاروں بے گناہ شہری بوڑھے جوان بچے عورتیں مریض و تندرست ہمارے طیاروں کی بمباری سے ہلاک و مجروح ہوئے اور بے شمار مکانات کو منہدم کیا گیا اور غلہ و خوراک کے ذخیروں میں آگ لگا دی گئی۔ فرانس سے صلح ہونے کے بعد ہی اس فرانسی فوج نے جو برطانی فوج کے ساتھ مل کر ڈنکرک میں ہمارا راستہ روکے کھڑی تھی فی الفور ہتھیار رکھ دیئے اور برطانی فوج اب تن تنہا رہ گئی اس لئے بڑی عجلت سے وہ اپنے وطن برطانیہ واپس گئی۔ ہمکو افسوس ہے کہ اس برطانی فوج کو نقصان نہ پہنچا سکے کیونکہ اس کا سپہ سالار بڑا ہوشیار و آزمودہ کار جنرل تھا ساری فوج کو صاف بچا کر میدان جنگ سے نکال لے گیا اور ہم منہ تاکتے رہ گئے۔

نصف فرانس پر براہ راست اور نصف فرانس پر بذریعہ مارشل پیتان ہم نے حکمرانی شروع کی اور وہاں کے تمام ذرائع و وسائل دولت و اسلحۂ جنگ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن افسوس ہے کہ فرانس کے بحری بیڑہ پر ہم قابض نہ ہو سکے کیونکہ برطانیہ نے ہمارے ارادہ کو تاڑ لیا اور کل فرانسی بحری جہازوں پر قبضہ کر کے ہمکو بیوقوف بنا کر رکھ دیا۔ اس طرح غصہ میں دُم کٹے سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا کر ہم نے برطانیہ پر بڑے زور و شور سے فضائی حملے شروع کر دیئے۔ ہمارا خیال تھا کہ اہل برطانیہ ہماری بمباری سے مرعوب و خوفزدہ ہو کر فرانس کی طرح ہم سے صلح کے طالب ہوں گے لیکن ہماری بدقسمتی سے برطانیہ میں نظم و نسق حکومت میں تغیر ہو گیا مسٹر چیمبرلین کی مسٹر چرچل جیسا آزمودہ کار بہادر وزیر اعظم مقرر ہوا مسٹر چرچل نے بڑے بڑے تجربہ کار وزیروں کو اپنی امداد و اعانت کے لئے مقرر کیا اندرون ملک برطانیہ زبردست دفاعی انتظامات کئے تاکہ ہمارے طیاروں کی بمباری بے اثر ہو جائے اور دوسری طرف سلطنت برطانیہ کو باہم مربوط و متحد کر کے ایک زبردست محاذ جنگ ہمارے خلاف قائم کر دیا ہے کنیڈا، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ ہندوستان ہر جگہ سے ہمارے خلاف فوجیں، سامان جنگ، غلہ و رسد، امنڈے چلے آتے ہیں اور ہم سخت بدحواس ہیں کہ اس موقعہ پر کدھر کی چوٹ کھائیں اور کدھر کی بچائیں۔ علاوہ بریں امریکہ بھی اسلحہ جنگ اور روپیہ سے بڑی زبردست امداد برطانیہ کو بھیج رہا ہے۔ اب ہمکو معلوم ہوا کہ برطانیہ سے جنگ کرنے میں ہم نے کتنی بڑی حماقت اور بیوقوفی کا ثبوت دیا ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا کی اصول پر ہم فی الحال عمل کر رہے ہیں

لو اے چرچل سن لے اور ہندوستانیوں کو سنا دے کہ ہم نہایت ظالم و خونخوار انسان ہیں جو اس دنیا میں صرف تباہیاں پیدا کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں لیکن برطانیہ ہمارے ارادے کو پورا نہیں ہونے دیتا۔"

خط ختم کرکے بعالم وحشت جب ہماری نیند ٹوٹی تو دیکھا کہ اپنا فونٹین پن ہاتھ میں لئے ہم "جنگ نمبر" کی تیاری میں مصروف ہیں۔

چونچیدنیات

گاندھی جی کی تحریک ستیاگرہ

گاندھی جی کا دماغ نت نئی اپچ کے لئے بین الاقوامی شہرت حاصل کرچکا ہے، اگر یہ جدت طرازیاں کسی مفید نتائج کو اپنے دامن میں لئے ہوئے نمودار ہوا کرتیں تو گاندھی جی کی دماغی واخلاقی قابلیتوں وصلاحیتوں کا اعتراف ان کے کٹر سے کٹر دشمنوں کو کرنا بھی ناگزیر ہوتا۔ لیکن ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ گاندھی جی کے دماغ سے جو نئی بات ہر کچھ وقفہ کے بعد پیدا ہوتی رہتی ہے اس میں سراسر نقصانات ہی کے پہلو موجود رہتے ہیں اور اس لئے ملک و قوم کو اس سے نفع پہونچنے کے بجائے ضرر ہی پہونچتا ہے اور اس نقطۂ نظر سے گاندھی جی کے دماغ کو اگر فرسودہ و ناکارہ قرار دیا جائے تو غالباً گاندھیائٹ طبقہ کو بھی اس رائے سے اتفاق کرنا ہوگا۔ ماہرین طب کا خیال ہے کہ انسانی دماغ کے پرزے کثرت کار کی وجہ سے ستر اسی سال کی عمر میں بالعموم گھس گھسا کر خراب ہو جاتے ہیں اور وہ ٹھکانے سے اپنے فرائض منصبی انجام نہیں دے سکتے۔ گاندھی جی کا دماغ بھی اب پچہتر سال کا پرانا ہو چکا ہے اس لئے وہ ایسی عجیب وغریب ترکیبیں اختراع کرتا رہتا ہے جس میں مضحکہ خیزی کا عنصر غالب رہتا ہے۔

چنانچہ موجودہ جنگ کی خوفناک نوعیت اور اس کے ہولناک اثرات ونتائج کو پیش نظر رکھئے اور ساتھ ہی گاندھی جی کی یہ حرکت ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے آزادیٔ تقریر کی بانگ بے ہنگام بلند کرکے تحریک ستیاگرہ شروع کی ہے جو انفرادی طور پر ہو رہی ہے۔ اس دفعہ کی گاندھوی ستیاگرہ کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اکابر کانگریسی لیڈران انفرادی طور پر اپنے علاقہ کے مجسٹریٹوں کو قبل سے اطلاع دے کر ستیاگرہ شروع کرتے ہیں جو صرف خلاف جنگ نعرہ لگانے تک محدود ہوتی ہے جس کے بعد وہ قانون تحفظ ہند کے ماتحت گرفتار ہو کر سزائے قید و جرمانہ وغیرہ کے مستوجب عدالت سے قرار دیئے جاتے ہیں۔

ابھی تک اچھی طرح کوئی سمجھ نہیں سکا کہ اس قسم کی تحریک ستیاگرہ سے کیا فوائد محرک یا ان کے پیروؤں کے پیش نظر ہیں اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش مختلف اشخاص نے اپنے اپنے مذاق و فہم کے مطابق کی ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس معمہ کا سب سے بہترین حل یہ ہے کہ گاندھی جی کو کچھ عرصہ سے کانگریس کیمپ میں متعدد خرابیوں کے سرائت ہونے کا نہ صرف خطرہ بلکہ یقین ہو گیا تھا، یہاں تک کہ بعض مضامین جو اخبار "ہریجن" میں نکلے ہیں گاندھی جی نے کھلم کھلا صاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ کانگریس کیمپ میں برائیاں اور خرابیاں پھیل گئی ہیں بالفاظ دیگر کانگریس پر برے اور خراب لوگوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور یہی اس پر اقتدار قائم رکھے ہوئے ہیں۔ گاندھی جی کی نیت صرف یہ ہے کہ کانگریس کیمپ میں جو خراب اور برے لوگ گھس پڑے ہیں ان کو وہاں سے نکال باہر کیا جائے تاکہ اچھے اور بہتر لوگوں کی پیشوائی کے لئے کانگریسی آغوش کشادہ ہو جائے۔

کانگریس کی اصلاح کی ترکیب توفی الواقع بہت ہی معقول ہے کیونکہ اس تحریک ستیاگرہ سے اور کچھ فائدہ ہو یا نہ ہو مگر وہ سارے کانگریسی گرو گھنٹال جو کانگریس پر قابض ہو کر اپنے آپ کو ہندوستان کے سینکڑوں فرقوں کے حقوق کا واحد اجارہ دار سمجھتے ہیں وہ سیدھے جیل چلے جائیں گے، اور پھر کانگریس وسیع النظر، سمجھدار اور ہوشیار محبان وطن کو خاموش دعوت دیتی نظر آئیگی کہ وہ آئیں اور اس پر اپنا قبضہ جمائیں۔

گاندھی جی کے دماغ کی داد دینی ضرور ہے جس پر یہ ہندوستانی مثل صادق آتی ہے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اور اس لئے گاندھی جی کی اس تحریک کو ایک اصلاحی اور بغایت مفید تحریک کہہ سکتے ہیں کیونکہ اگر کارگر ثابت ہوئی تو ملک و قوم کا اس سے منتفع ہونا ضروری ہے۔

اطالی یونانی جنگ

اطالیہ نے یونان پر غالباً یہ سمجھ کر بلا وجہ و بلا سبب چڑھائی کی تھی کہ چھوٹا سا ملک ہے اس کو چند ہی روز میں لقمہ تر بنا کر فرو حلق کر لیا جائے گا لیکن مسولینی کو نہایت تلخ تجربہ ہوا کیونکہ یونان کا چھوٹا سا ملک ہڈی کا وہ ٹکڑا ثابت ہوا جو گلے میں جاکر اٹک جائے اور ایسا اٹکے کہ دم گھٹنے کا نہ صرف خطرہ بلکہ یقین ہو۔

ابتدا کے حملے کے وقت مسولینی نے بڑی دون کی لی تھی کہ یونان کیا ہے ایک ہی حملہ میں اس کا بھرکس نکال دوں گا۔ لیکن واقعات مابعد نے مسولینی کی ڈینگ کو گوز شتر سے بھی زیادہ بے وقعت ثابت کیا۔ اور موجودہ حالت یونانی اطالی جنگ کی یہ ہے کہ یونانی فوجیں ہر طرف فتوحات حاصل کرتی ہوئی بحر مواج کی طرح بڑھتی جا رہی ہیں اور اطالی فوجیں دُم دبا کر فرار ہو رہی ہیں بلکہ اس انتشار و بدحواسی سے بھاگتی ہیں کہ ان کو سر و پا کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

یونانیوں نے کورٹیزا کو پوری طرح دوبارہ فتح کر لیا اور پورے علاقہ سے چن چن کر اطالی سپاہیوں کو بھگا دیا یا گرفتار کرکے ان کو ذلت کا مزا چکھنے پر مجبور کیا۔ اطالی سامان جنگ بھی کثیر تعداد میں یونانیوں کے ہاتھ آیا ہے اور اب البانیا کے علاقہ سے اطالی فوج کو بھاگنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

الغرض یونانی اطالی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے یعنی مسولینی کو ایسی بری ہزیمت ہوگی کہ وہ آئندہ جنگ کے نام سے کان پر ہاتھ رکھتا ہوا نظر آئے گا۔ بلکہ کیا عجب ہے کہ بقول وزیر اعظم یونان کے مسولینی کی قوت و اقتدار کا ہی سرے سے خاتمہ ہو جائے اور فسطائیت کی گرفت سے اطالی قوم آزاد ہو۔

مسولینی نے یونان پر اس زعم میں حملہ کیا تھا کہ جس طرح حبش کو چند سال قبل مفتوح کیا گیا ہے اسی طرح یونان کا حشر بھی ہوگا، کیونکہ چھوٹا سا ملک ہے وہ اطالی فوج کے مقابلہ کی کیا تاب لائے گا؟ لیکن یونان نے اس معرکہ میں اپنی جرأت و شجاعت کا ایسا حیرت انگیز کارنامہ پیش کیا کہ ساری دنیا خراج تحسین ادا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

یونان اور اطالیہ کے تعلقات بھی تاریخ کی روشنی میں عجب پُر لطف مناظر پیش کرتے ہیں۔ قدیم یونانی قوم نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ کے ایک بڑے حصہ کو مفتوح کیا تھا۔ اور اطالیہ کا ایک بڑا حصہ یونانیوں کے زیرنگین تھا۔ اس کے علاوہ یونانیوں نے

اپنے علم وحکمت وفلسفہ سے مہذب دنیا کے ایک بڑے حصہ کو صدیوں تک ذہنی غلامی میں مبتلا رکھا۔

زمانہ نے پلٹا کھایا اور جب رومی (موجودہ اطالی) قوم کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا تو یونان پر رومی سلطنت کا پرچم اقبال لہراتا نظر آیا لیکن مورخین نے غلط نہیں لکھا کہ یونان اگرچہ رومی تلوار سے مفتوح ہو گیا تھا لیکن اس نے روما کو ذہنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ یعنی یونانی تہذیب وتمدن وعلم حکمت وفلسفہ کی ترویج روما میں اسی کے بعد شروع ہوگئی۔

زمانے نے پھر ورق الٹا اور اسلامی فتوحات کے سیلاب میں سلطنت روما غرق بحر فنا ہوگئی۔ یونان پر اسلامی پرچم اقبال عرصہ تک لہراتا رہا۔ سلطنت ٹرکی میں یونان ایک صوبہ کی حیثیت سے صدیوں تک شامل رہا۔ لیکن یونانیوں کے سینہ میں جذبۂ آزادی کا طوفان برپا ہوا اور اس نے غیر ملکی حکومت کی غلامی کی زنجیروں کو آناً فاناً توڑ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد سے یونان برابر آزاد رہا اور آج تک آزاد ہے۔

مسولینی کے سر میں جولیس سیزر بننے کا سودا سمایا ہوا ہے اور اسی لئے وہ یونان پر حملہ آور ہوا تھا لیکن یونانی بھی سکندر اعظم کے وارث و اقارب ہیں اور تاریخ کا فیصلہ یہی ہے کہ جولیس سیزر سے سکندر اعظم بحیثیت فاتح کہیں زیادہ اعلیٰ وافضل ہے۔

مخلوط وزارتیں بنانے کی کوششیں

کانگریسیوں نے جب سے وزارتیں چھوڑی ہیں اس وقت سے یہ مسئلہ برابر زیر بحث آ رہا ہے کہ کانگریسیوں کو دوبارہ وزارتیں قبول کرنی چاہئیں یا نہیں؟ کانگریسی لیڈروں میں ایک جماعت ایسے لیڈروں کی موجود ہے جس کا خیال ہے کہ کانگریسی وزیروں نے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے کر بڑی بھاری قسم کی جو بیجا نہ حماقت کی ان کو ہرگز نہ چاہئے تھا کہ اس لقمۂ تر کو اتنی آسانی سے اگل دیتے لیکن اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیا چگ گئیں کھیت۔ ہائے افسوس اس لئے ضروری ہے کہ اس غلطی کی تلافی فی الفور کی جائے جس کی یہ صورت ہے کہ جس قیمت پر ہو وزارتوں کی زریں کرسیوں پر دوبارہ براجمان ہونے کی کوششیں کی جائیں۔ چنانچہ بعض کانگریسی لیڈروں کا شوق وزارت تو اس حد تک بڑھا کہ انہوں نے نہ صرف خالص بلکہ مخالص قسم کی مخلوط وزارت بنانے کی تگ ودو شروع کر دی اور ہنوز وہ اپنے اس مبارک ارادہ میں سرگرم کار ہیں اگرچہ بعض کو کانگریسی ہائی کمانڈ نے ڈانٹ ڈپٹ بتائی بعض کو کانگریس سے نکالا بھی گیا لیکن آپ جانتے ہیں وزارت کا نشہ ایسا نہیں کہ ایسی ہلکی ترشی سے اتار دیا جائے۔

اب بعض صوبوں میں بڑی زبردست قسم کی کوششیں ہو رہی ہیں کہ جس طرح ہو مخلوط وزارت بنا دیا جائے اور مسٹر ایم۔ این رائے مشہور انقلابی کی خواہش ہے کہ جس طرح ہو مسلم لیگ سے مل کر ہو یا کسی اور پارٹی سے مخلوط وزارتیں ہر صوبہ میں قائم ہونی ضرور ہیں

مسٹر رائے کی یہ کوشش کامیاب ہوگی یا نہیں اس کے متعلق تو ہمارا خیال ہے کہ یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ کانگریسی وزارت کے زمانہ میں کانگریسی ممبران اسمبلی کی خوفناک ذہنیت نے دیگر پارٹی والوں سے جو سلوک کیا تھا اس کا زخم ہنوز لوگوں کے دل پر ہرا ہے اور دیگر پارٹی والے بھی ایسے بے عزت نہیں ہوئے کہ وہ ان کانگریسیوں کے ساتھ مل کر وزارتیں مرتب کریں جنہوں نے صرف چند روز قبل اپنے طرز عمل سے اقلیتوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔

کسی زمانہ میں مسٹر ایم۔ این رائے انقلابی پارٹی سے سروکار رکھتے تھے پھر کانگریس میں داخل ہوئے۔ وہاں سے نکالے گئے تو علیحدہ پارٹی بنانے کی فکر کی اس میں ناکامی ہوئی تو اب ساری پارٹیوں کو متحد کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ نہ معلوم اس تگ ودو سے مسٹر ایم۔ این رائے کا مقصد اصلی کیا ہے؟ نتیجہ تو معلوم ہی ہے کہ ان کی کوششیں باد ہوائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن مسٹر ایم۔ این رائے اپنے اصلی عندیہ کا اظہار بھی کر دیتے تو معاملہ کچھ زیادہ صاف ہو جاتا۔

جاپانی بونے کے سر پر چانٹے

بالآخر جاپانی بونے کے سر پر جنرل چنگ کے شک نے چند چانٹے اس زور سے رسید کئے کہ جاپانی بونا اب سر سہلا رہا ہے۔ غالباً سوچ رہا ہے کہ بے تحاشہ سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے فرار ہو جائے یا حسب معمول چینی بہادروں کے لات وگھونسے، اور زنانٹے دار تھپیڑوں کو کھا کر اپنی بہادری کا جھیاتی سے اعلان تمام دنیا میں کرتا رہے۔

جنگ چین وجاپان گزشتہ تین سال سے قائم ہے اور اس عرصہ میں جاپان نے بے اندازہ مالی وجانی نقصانات اٹھائے ذہنی تکلیف اور دماغی کوفت اس پر مستزاد تھی لیکن جب کسی فرد یا کسی قوم کے سر میں سودائے برتری وفوقیت سما جائے تو اس کو نیم مجنوں نہیں بلکہ زبردست قسم کا مخبوط الحواس ہی سمجھنا چاہئے۔ جاپانی بونے کے سر میں بھی اسی قسم کا سودا سمایا اور اس کو اپنی قوت وطاقت کا بالکل ہی غلط اندازہ ہو گیا۔ اس نے اپنی قوت کی دھاک چینیوں کے قلوب پر بٹھلانی چاہی کیونکہ بظاہر وہ ایک کمزور وغیر مسلح قوم تھی لیکن جاپانی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ ؎

بیک ساعت بیک لحظہ بیک دم
دگرگوں می شود احوال عالم

قدرت نے ابھی کمزور چینیوں میں ایک زبردست جنرل پیدا کر دیا جس کا نام آج جاپانی سپاہیوں کے لئے ایک ہوا بنا ہوا ہے۔ اس بہادر جنرل کا نام جنرل چنگ کے شک ہے جس نے اپنی بے مثل جرأت وبہادری اپنی بے نظیر قوت تنظیم ورہبری قوم سے کمزور چینیوں کو ایک قوی حریف کے مقابلہ میں نہ صرف میدان جنگ میں اتار دیا بلکہ اس خوبی سے معرکہ آرائی کی کہ جاپانیوں کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے۔ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور اب موجودہ حالت یہ ہے کہ وہ بے تحاشہ ساحل سمندر کی طرف بھاگ رہے ہیں یا چینیوں کے ہاتھوں بری طرح پٹ رہے ہیں۔ حکومت جاپان اب اچھی طرح سمجھ گئی ہے کہ دنیا میں کمزوروں کو بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور جب کمزور بھی زندہ رہنے پر تل جاتے ہیں تو پھر قوی حریف کو بھی ان کے سامنے سپر ڈالتے ہی بنتی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر واقعہ بھی قابل شنید ہے وہ یہ کہ جاپان نے بڑی امنگوں سے مسولینی اور ہٹلر کے ساتھ ہو کر دول ثلاثہ کے معاہدہ پر دستخط کئے لیکن اس کے حلیف ہٹلر نے عین موقعہ پر اس کو دھوکہ دیا اور جنرل چنگ کے شک کی قائم کردہ حکومت کو باضابطہ تسلیم کر لیا۔ یہ زبردست گھونسہ جاپان کے دل پر پڑا اور دنیا کی بیوفائی اور دوستوں کی کج ادائی کا اس کو ایسا صدمہ ہوا کہ بقرائن غالب بہت جلد چین سے وہ بوریا بستر سمیٹ کر فرار ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ کمزور قومیں اگر متحد ہو کر قوی سے قوی دشمن کا مقابلہ کریں تو وہ یقیناً اس کو زیر کر سکتی ہیں۔

هٹلر کی .....!

(از:- ایڈیٹر)

سنائی ریڈیو نے آج اک تقریر ہٹلر کی
خرابی کا نمونہ بن گئی تعمیر ہٹلر کی

اسی نے خون کا دریا بہایا خون پی پی کے
نہ ہو کیوں خاک مغرب اب گریبانگیر ہٹلر کی

مصیبت بنکے اٹھا تھا پھنسا ہی خود مصیبت میں
خدا کی شان الٹی ہوگئی تدبیر ہٹلر کی

عرب کیا ترک بھی خنجر بکف میدا میں آتے ہیں
بس اب کچھ دیر میں بیدم ہی یہ شمشیر ہٹلر کی

اب اسلامی ممالک میں گلے گی دال کیا اسکی
کہ مغرب ہی میں کچی رہ گئی جب کھیر ہٹلر کی

تعجب کیا مسولینی بھی ڈوبے بحر احمر میں
نکمی ہو چلی جب کشتیٔ تدبیر ہٹلر کی

عبث آزاد ملکوں کو غلام اپنا بناتا ہے
کہیں ہٹلر کی گردن میں ہو زنجیر ہٹلر کی

مرے چرچل کی تقریریں زمانے میں چل نکلیں
رہے نتھنوں میں ہٹلر کے بس اب تقریر ہٹلر کی

ادھر ترکی بڑھیں گے غیرت اسلام کے ہاتھوں
ادھر گھٹتی چلے گی دمبدم توقیر ہٹلر کی

اب اسکی جان کو رونے لگے ہیں جاں نثار اسکی
گریباں گیر نکلی فوج کشور گیر ہٹلر کی

عنایت آج نقاش سیاست بنکے نکلا ہے
قلم دست تفکر میں ہے یا تصویر ہٹلر کی

خطوطی ڈربہ

معظمی چونچ صاحب آداب عرض ہے، چار آنے
کے پوسٹ اسٹامپ اس لئے روانہ کر رہا ہوں
کہ جنگ نمبر میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں
اور چار آنے کا خیال رہے۔

سوال:- ہٹلر یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ
برٹش کی وہ زبردست طاقت ہے جس نے ۱۹۱۸ء
میں سابق قیصر جرمنی کو چنے چبوا دیئے تھے اور
نہایت شاندار طریقہ سے شکست دی تھی، قیصر کی
بچھو کے ڈنک کی طرح اٹھی ہوئی مونچھوں کو جھکوادیا
تھا۔ یہ تمام باتیں جانتے ہوئے ہٹلر کس طرح الجھ پڑا

نیاز مند
سلطان فیاض پنجاب

حضرت چونچ:- بچھو ڈنک مارتے ہوئے یہ ضرور
جانتا ہے کہ میں جس کو ڈنک مارتا ہوں اس کو تھوڑی
سی تکلیف ضرور ہوگی مگر وہ اپنے زعم میں یہ بھول
جاتا ہے کہ میں جس کو ڈنک مار رہا ہوں وہ مجھے
اس طرح کچل دے گا کہ دنیا میں اسکا وجود ہی نہیں
رہے گا۔ یہی قصہ ہٹلر کا ہے

جناب منقار الدولہ صاحب تسلیمات عرض ہے
دو آنے کے دو ٹکٹ وصول فرماتے ہی میرے سوال
کا جواب جنگ نمبر میں عنایت فرمایئے

سوال:- موجودہ جنگ میں کس کو شکست اور
کس کو فتح ہوگی؟

فقط، آپ کا ایک خریدار

حضرت چونچ:- اس جنگ میں اس کو فتح ہوگی
جس کے ساتھ غریب ہندوستانیوں کی دعائیں ہیں۔

مولانا چونچ الہند صاحب، چونچکم
جنگ نمبر میں صرف جنگ کے متعلق سوالات
کئے جانے کا آپ کا اعلان ہے اس لئے نقد دو آنے
اور جنگ کے متعلق سوال کر رہا ہوں جواب جنگ نمبر
ہی ملنا چاہئے۔

سوال:- مسولینی اور ہٹلر میں کچھ رشتہ داری ہے
یا آپس میں دوست ہیں؟

راقم جواد حسین جمشید پور

حضرت چونچ:- جرمنی میں رشتہ داری سے
کیا واسطہ جہاں کنواری لڑکیوں سے بچے تولد کرا کر
بچوں کو سرکاری اولاد سمجھا جاتا ہو۔ دونوں گناہ کے
ساتھی ضرور ہیں۔

مائی ڈیر ایڈیٹر چونچ، گڈ مارننگ!
جنگ نمبر میں شائع کرانے کے لئے جنگ کے
متعلق سوال کر رہا ہوں اور نقد دو آنے لفافے میں
رکھ کر اپنے ملازم کے ہاتھ لفافہ روانہ کر رہا ہوں
جواب جنگ نمبر کے خطوطی ڈربہ میں ملنا چاہئے۔

سوال:- یہ خبر کہاں تک سچ ہے کہ ہٹلر کو عورتوں
سے نفرت ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کیوں؟

فقط
محمد شفیع کانپوری

حضرت چونچ:- یہ خبر جرمنی سے لے کر ہندوستان
تک مشہور اس طرح ہے کہ سچائی سے بھی آگے
بڑھ گئی ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب صرف جرمنی
عورتیں دے سکتی ہیں۔

محترمی عنایت صاحب دہلوی مدیر چونچ
السلام علیکم ــــ مزاج مبارک۔ جنگ نمبر اللہ
کرے آپ کا بہت ہی کامیاب ہو۔ ایک سوال کے
لئے پانچ آنے خرچ کر رہا ہوں۔ خدا کے واسطے
سوال جنگ نمبر میں چھاپئے گا۔

سوال:- ہٹلر نے چارلی چیپلن جیسی مونچھیں
کیوں رکھ رکھی ہیں؟

راقم ایک فلم زدہ

حضرت چونچ:- ہٹلر کو اپنی شکست کا یقین
ہے جیسے ہی اس کو شکست ہوئی فوراً یہ وہ حرکتیں
شروع کر دے گا جو خاموش فلموں میں چارلی چیپلن
کیا کرتا تھا۔

مولانا چونچ الہند صاحب۔ خطوطی ڈربہ میں آپ
ہر سوال کا جواب مذاق میں دیتے ہیں ذرا میرے
سوال کا جواب مذاق سے آپ دیں تب میں جانوں
مگر "وار نمبر" میں۔ اسی لئے دو آنے روانہ کرتا ہوں

سوال:- اگر نسیم اور نگین کو جنگ پر بھیجا جائے
اور ہٹلر ان کو پکڑ لے تو یہ دونوں کیا کریں گی؟

راقم المعروف ایک چونچ پڑھا

حضرت چونچ:- نسیم یہ کہیں گی کہ جناب میں
سرگو میں ۳۵ سو کا اگریمنٹ کر چکی ہوں اور نگین
کہیں گی کہ میں نے منروا سے دو ہزار ایک روپیہ
تنخواہ مانگی ہے اور اب میرا خیال بھی ۳۵ سو ایک
روپے کا ہے ــــ دونوں کی یہ رقمیں سن کر
دونوں کو ہوائی جہاز میں بٹھا کر ہندوستان واپس
کر دے گا۔

مائی ڈیر ایڈیٹر چونچ، گڈ مورننگ!
ڈیونٹ مائی لوٹ آنا نہ فوری جواب آف
مائی لیٹر ان خطوطی ڈربہ آف جنگ نمبر ــــ
مائی آنسر یعنی میرا سوال۔

سوال:- نپولین اور ہٹلر میں کیا فرق ہے؟

مائی نیم
اے۔ ایچ۔ کین A.H.CANU

حضرت چونچ:- ویل تم اپنا جواب سننے
مانگتا ہے تو سنو:-
نپولین شکست کھا کر مرچکا ہے اور ہٹلر اس کے
نقش قدم پر چلنے کے بعد برائے نام زندہ ہے۔

جناب چونچ مہاراج صاحب!
بندگی۔ ایک کانگریسی بھی دو آنے روانہ کر رہا ہے
جواب مذاقیہ نہ دیجئے گا۔

سوال:- میں آپ کا اخبار برابر پڑھتا ہوں
آپ مسلم لیگ کے حامی ہیں اس لئے آپ کا فرض ہے
کہ آپ مسلم لیگیوں کو سول نافرمانی کے فوائد سمجھایئے
آپ کا ہندوستانیوں پر احسان ہوگا۔

ایک کانگریسی

حضرت چونچ:- اچھا فی الحال آپ تو جیل جایئے
ہم مسلم لیگیوں کو بتا دیں گے کہ آپ کہاں ہیں۔



"ہم دنیا کے فاتح ہوں گے؟"

یہی خیال گذشتہ جنگ عظیم میں مارشل ہنڈنبرگ کے دماغ میں پیدا ہوا تھا جس کا نتیجہ دنیا کو معلوم ہے۔ آج ہٹلر بھی اسی خود فریبی میں مبتلا ہے جس کے نتیجہ کا انتظار ہے

یہ کوئی نئی بات نہیں

یہ نہ سمجھو کہ جرمنی نے پہلی بار ڈنمارک پر حملہ کیا ہے۔ بسمارک نے ڈین کے لوگوں پر ۱۸۶۴ء میں حملہ کیا تھا۔ جرمنوں اور ڈینش باشندوں کے مابین تعلقات کی تاریخ۔ وحشت اور بربریت کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ اور ختم ہوتی ہے۔

منگل ۸ر اپریل ۱۹۴۰ء کی رات سے ۹ر اپریل ۱۹۴۰ء تک جرمنی نے ڈنمارک پر ہلہ بول دیا۔ حملے

میں اس قدر سرعت اور تیزی سے کام لیا گیا۔ جس سے یہ صاف نمایاں تھا کہ اس کی تیاری بہت دنوں پیشتر سے

کی جا چکی تھی اور ہر تفصیل پر نہایت ہوشیاری، احتیاط اور غور کے ساتھ نگاہ ڈالی گئی تھی۔ جرمنوں کا حملہ

شروع ہوتے ہی ان کے مدمقابل کوئی نہیں رہا۔ اور انہوں نے بسرعت تمام کوپن ہیگن پر جو ڈنمارک کا جاذب نگاہ و دلکش دارالحکومت ہے، قبضہ کر لیا۔ ساتھ ہی اس کے ان لوگوں نے تمام بڑے بڑے اور مرکزی شاہراہوں، نیز ریلوے مستقروں پر بھی تسلط حاصل کر لیا۔ منگل ۹۔ اپریل کی صبح تک ان کا قبضہ اتنا مکمل اور موثر ہو گیا کہ شاہ ڈنمارک اور اس کے سوشیلسٹ وزیر اعظم کو ایک اعلان جاری کرنا پڑا جس میں لوگوں سے کہا گیا کہ دشمنوں کا حملہ بیحد موثر ہوا ہے، اور بحالت موجودہ ان لوگوں کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

لوگوں پر اس قدر حیرت اور سراسیمگی طاری ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کو پہلے احساس تک نہ ہو سکا کہ انہیں کس قدر نقصانات سے سابقہ پڑا ہے۔ لیکن اس امر کے نمایاں شواہد و ثبوت موجود ہیں کہ جرمن ان لوگوں کو اس کا یقین دلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں کہ ان کا کس قدر نقصان ہوا ہے۔ اور وہ کس تباہی کی تاریکی میں پہونچ چکے ہیں۔ جرمن وقت کے ہر لمحہ کو اس کام کے لئے استعمال کر رہے ہیں اور ایسی صورتیں مہیا کر رہے ہیں کہ باشندوں کو اپنے نقصانات کا احساس ہو جائے اور وہ سمجھ سکیں کہ ان لوگوں نے جرمنوں کے مقابلے میں کتنا نقصان اور زیادہ اٹھایا ہے۔ نازی پریس سنسر شپ، نظر بندی کے کیمپوں کی دھمکیاں، گسٹاپو (خفیہ پولیس) اور اس طرح کے دیگر آلات وا وذار ہٹلر کے گروہ کے لوگ اس وقت استعمال کرتے ہیں جب وہ کسی نئے ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں، چنانچہ ان تمام چیزوں کا استعمال یہاں بھی ابتدا ہی سے کیا گیا۔ اور اب ڈنمارک کے حریت پسند، مسرور باشندے ہٹلر کے پنجۂ اجل میں سختی کے ساتھ پھنس گئے ہیں اور پھڑپھڑا رہے ہیں یہ پہلی بار نہیں ہے، بلکہ تیسری بار ہے، ہاں تیسری بار، ایک سو برس، ایک صدی کی مدت کے دوران میں ڈنمارک تیسری بار اپنے آپ کو جرمنی کے ساتھ برسر جنگ پا رہا ہے۔ یہ نہیں کہ ہٹلر نے اس کے خلاف اعلان جنگ ضروری سمجھا، بلکہ یہ کہ یہ ایک قسم کی پر تکلف کارروائی ہے جو آج کل نشۂ طاقت میں مخمور ہو جانے والی حکومتیں سر راہے کر گزرتی ہیں، ایسی کارروائیوں کے لئے بھلا اعلان جنگ کی کیا ضرورت، اعلان جنگ تو اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی نئی بات ہو اس میں تو کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اگر ہٹلر نے ڈنمارک پر چڑھائی کر دی۔ یہ ایک خوش طبعی تھی، ایک دل لگی، ایک مذاق۔ اور ظاہر ہے کہ مذاق کرنے کے لیے اعلان نہیں کیا جاتا اگر اعلان کر دیا گیا تو پھر وہ مذاق ہی کیا رہا چنانچہ پولینڈ، فن لینڈ، چین، ابی سینیا اور اسپین پر کوئی اعلان جنگ نہیں کیا گیا۔

لیکن اس کے باوجود موجودہ جرمن حملہ ایک جنگ ہے اور اس کا موازنہ ان دو ماسبق جنگوں سے کیا جانا ضروری ہے جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں۔ ایک ۱۸۴۸ء میں اور دوسری ۱۸۶۴ء میں اور اس لئے ان جنگوں کی بابت اچھی طرح معلومات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس جنگ سے سابق کی دو جنگوں کا ذرا موازنہ کر لیا جائے، اور اگر شیریں لفاظی سے مفہوم ادا ہو سکتا ہو تو یہ کہہ لیا جائے کہ جرمن اور ڈینش میں ایک سو برس کے تعلقات پر ذرا غائر نگاہ ڈال لی جائے۔

۱۸۴۸ء کی جنگ کا سبب، سلیزوگ ہولسٹین کا نام نہاد سوال تھا، جو "مشرقی سوالوں" "پولش سوالوں" اور دیگر "سوالوں" کی طرح بین الاقوامی احاطے میں آ گیا۔ اور صدیوں تک اپنا اثر جمائے رہا یہ واقعہ بھی تاریخ کے طالب علم کے لئے مایوس کن اور سیاست دانوں کے لئے موجب شادمانی یا کشیدہ طبعی کا سبب ہوا۔ سلزوگ ہولسٹین سوال نے انیسویں صدی میں ایک متشددانہ صورت اختیار کر لی۔ لیکن اس کی بنیاد کی طرف اگر نگاہ ڈالی جائے تو آپ کو سنہ ۱۴۶۰ء کی طرف واپس جانا پڑے گا اس کی ابتدا اور بنیاد اسی سنہ سے شروع ہوتی ہے، یہ معاملہ اس قدر خاندانی آلودگیوں اور پیچیدگیوں سے مملو ہے کہ محض اس کا خاکہ ہی یہاں پیش کیا جا سکتا ہے۔

سنہ ۱۴۵۹ء سے شاہ ڈنمارک ڈیوک آف سلیزوگ اور ڈیوک آف ہولسٹین بھی بدل گیا تھا۔ سنہ ۱۴۶۰ء میں ڈینش کراؤن کا ایک چارٹر (یعنی سلطنت ڈینش کا فرمان) نکلا اور اس کی رو سے ہر دو ڈچیوں (یعنی نوابی یا تعلقہ داری) کو غیر منقسم بنا دیا گیا۔ یعنی اس فرمان کی رو سے ہر دو علاقوں کی نوابی یا تعلقہ داری سلطنت ڈنمارک میں اس طرح مدغم ہو گئی اور کھپ گئی کہ بعد میں اگر ان کو الگ کرنے کی کوشش کی جائے تو ناممکن ہو جائے، بالفاظ دیگر ان کو قطعاً ناقابل تقسیم بنا دیا گیا۔

ہولسٹین کی آبادی .... اگرچہ اس قوم سے نہیں ہے لیکن پھر بھی جرمن ہے اور سیلزوگ کی آبادی اکثریت کے لحاظ سے ڈینش، ان دونوں علاقوں کی آبادیوں نے سیاسی لحاظ سے متحد رہنا چاہا۔ علاوہ ازیں وہ لوگ ڈنمارک کے ساتھ مشترکہ دستور اساسی اور مشترکہ تعلقات کے شدید مخالف تھے، اور وہ لوگ الوئیک لا پر چلتے تھے۔ جس کی رو سے تخت نشینی مردوں ہی تک محدود رہتی تھی۔ جانشینی صرف مردوں کے لئے تھی عورتیں اس کی حقدار نہیں تھیں، یہ وہ اصول تھا جسے ڈنمارک کے باشندوں نے زمانہ دراز سے قبول کر رکھا تھا، اور اس کے خلاف عمل کرنا نہیں چاہتے تھے۔

سنہ ۱۸۱۵ء میں ہولسٹین کو جرمن کنفڈریشن (وفاق جرمن) میں شامل کر لیا گیا۔ اور شاہ ڈنمارک بحیثیت ایک ڈیوک کے اس کا نمائندہ قرار پایا، لیکن سیلزوگ کو (جس کا ڈیوک بھی شاہ ڈنمارک تھا) اس طرح شامل نہیں کیا گیا ان پیچیدگیوں کا نقشہ پیش کرنے کے لئے جو بعد میں نمودار ہوئے ایک طویل دفتر کی ضرورت لاحق ہو گی۔ لیکن ضروری اور اہم نیز مرکزی نقطہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۴۸ء سے سیلزوگ ہولسٹین سوال درحقیقت نازک صورت اختیار کر گیا۔ اور یونین یعنی متحدہ وفاق کے طرفداروں و جرمنی کے مابین تصادم مواج پر پہونچ گیا، جو ڈینش قانون کے ماتحت علیحدگی کے خلاف تھے ماہ مارچ میں ہر دو ڈچیوں یعنی تعلقوں میں کشیدگی ہو کر جارحانہ جنگی ہوئی، اور اپریل میں پروشین فوجیں معہ دیگر جرمن ریاستوں کے فوجی دستوں کے ہولسٹین پر حملہ آور ہو گئیں۔ پھر بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ لیکن سوئیڈن کی مداخلت کی وجہ سے ۲۔ جولائی ۱۸۴۸ء کو تین ماہ کے لئے عارضی صلح کا انتظام ہو گیا ۲۶۔ اگست کو اس عارضی صلحنامے کی تجدید کی گئی۔ اور آئندہ سات ماہ کے لئے اس کا دائرہ وسیع کر دیا گیا۔ لیکن فروری ۱۸۴۹ء میں ہر دو کے مابین مخالفت اور جنگ کے دروازے پھر کھلے۔ اور اس دوران میں کبھی جرمنوں کو کامیابی ہوتی اور کبھی ڈین لوگ کامران نظر آتے۔ متعدد دیگر حکومتیں ہر دو کے مابین صلح کرانے کی کوششیں کرنے لگیں، اور برطانیہ عظمیٰ روس و سوئیڈن سبھوں نے کوشش کی کہ کسی طرح دونوں میں مصالحت ہو جائے۔ مگر لندن میں جنبن پروشین سفیر جرمن قوم پرستوں کے نقطۂ نگاہ سے اس قدر متفق اور ان کے ساتھ اس قدر زبردست ہمدردی رکھتا تھا کہ وہ ہر قسم کی گفت و شنید کی راہ میں

بڑی رکاوٹ اور بڑا سدراہ ثابت ہوا۔ اس لئے برطانیہ نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اس کے ذریعہ سے کام نہیں کریگا۔ بلکہ برلن میں برطانوی سفیر کے ذریعہ سے اس کام کو انجام دے گا

اگرچہ صلحنامہ پر قطعی طور پر ۲۔ جولائی ۱۸۵۰ء کو دستخط ثبت کئے گئے۔ لیکن دستوری یا خاندانی معاملات میں سے کسی ایک کو طے کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ حقیقت میں اس جنگ کی پیش خیمہ حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا۔

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ پہلی جنگ میں پروشیا کو شکست اور ڈنمارک کو فتح حاصل ہوئی۔

صلح نامۂ برلن کے دو برس بعد تمام متعلقہ پارٹیوں کی ایک کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی، اور ڈینش سوال کے کم از کم ایک حصہ کو طے کرنے کی کوشش کی گئی۔ ۸۔ مئی ۱۸۵۲ء کو لندن میں برطانیہ عظمیٰ، فرانس، پروشیا، آسٹریا، روس، اور سوئیڈن کے مابین ایک معاہدہ پر دستخط کئے گئے جس کی رو سے پورے ڈنمارک پر معہ ڈچیوں کے حکومت کا حق سیلزوگ ہولسٹین، سونڈر برگ، گلوکس برگ کو بخش دیا گیا۔ یو لاولد فریڈرک ہفتم کا بھتیجا تھا۔ فریڈرک ہفتم اس وقت تخت ہی پر تھا۔

اس معاہدہ کا نام "دی پروٹوکول آف لندن" تھا۔ اور جب شاہزادہ کرسٹین ۱۸۶۳ء میں تخت نشین ہوا، تو وہ "پروٹوکول بادشاہ" کے نام سے مشہور رہا، وہ مرحوم ملکہ الکزنڈرا شاہ ایڈورڈ ہفتم کی محبوب زوجہ کا باپ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۲ء کے "لندن پروٹوکول" نے اس مشہور "سوال" کو بالکل طے نہیں کیا۔ اور اس نے یورپ کو روز افزوں پریشان و پرجوش کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ معاملہ نازک سے نازک تر ہوتا گیا۔

اس لئے ۱۸۶۳ء میں برطانیہ نے پھر اس معاملے میں مداخلت کی، اور اس قضیہ کو قطعی طور پر طے کر دینے کی کوشش کی اور فرانس کے ساتھ کئی ایک ڈپلومیٹک کارروائیاں کیں، جس کا بدل آج ہر دو ممالک نے "راضی رکھنے" کی پالیسی پر عمل کر کے دیا، جس کا سرا معاہدۂ میونخ ۱۹۳۸ء تک جا کر ملتا ہے، یہاں تک کہ ایک اسپیشل مشن بھی وہاں روانہ کیا گیا۔ یعنی لارڈ روڈہاؤس کو وہاں بھیجا گیا، اور ڈینش کو یہ مضبوط ترین ترغیب دی گئی کہ اگر گفت و شنید ناکام ہوئی تو اس حالت میں برطانیہ ڈنمارک کا ساتھ دیگا۔ اور اگر پروشیا والوں نے ناممکن حملہ کر کے ڈنمارک کی آزادی کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش کی تو برطانیہ اس کی مدافعت و محافظت کریگا۔ لیکن اب پروشیا والوں کی طرف ایک ایسا آدمی تھا جسے آسانی سے برطانیہ کے دلفریب دھوکوں میں نہیں پھنسایا جا سکتا تھا۔ بسمارک جواب جرمنی میں طاقتور ترین شخصیت تھا۔ اس نے دل میں کیا ارادہ کر لیا کہ وہ ان ڈچیوں کو یعنی نوابی تعلقوں کو حاصل کر کے رہیگا جیسا کہ وہ اپنی مشہور یادداشت میں لکھتا ہے۔

"۔۔ ابتدا ہی سے میں نے اس کے الحاق کی آرزو کو دل میں پرورش کرنا شروع کیا۔"

جب پیرس اور لندن میں شاطرانہ حکمت عملیوں، اور سیاسی چالبازیوں کے ادوار ختم ہو گئے اور جس قدر حکمت عملیوں سے کام لیا جا سکتا تھا، لیا جا چکا تو بسمارک نے ڈینس کے لوگوں کو ایک الٹی میٹم دیا کہ ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر وہ اپنا انتظام ان ڈچیوں سے الگ کر لیں اور اس سے دست بردار ہو جائیں۔ اُسے کسی نہ کسی طرح اس کا یقین تھا کہ ڈینس لوگ اس کے مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے، اور یہ کہ برطانیہ اور فرانس دونوں اس سے ترک تعلق کر لیں گے۔ یہی واقعہ ہے جو درحقیقت اس وقت وقوع میں آیا تھا، آسٹرو پروشین یعنی اسٹریا و پروشیا کی مخلوط فوجوں نے سیلزوگ پر حملہ کیا اور برطانیہ ہنوز فرانس سے استفسار کر رہا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے (فرانس کا جواب پر زور نہیں تھا) بلکہ تجویز پیش کی گئی کہ ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جائے، بسمارک نے اپنی ظفر مندیاں بڑھانا شروع کیں وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ ڈینس والوں کو کامل طور پر مغلوب و مفتوح کر کے اپنی من مانی شرائط صلح ان سے منوالیں، اس دفعہ اس نے نہایت احتیاط و ہوشیاری سے فرانس اور برطانیہ کے مداخلوں کو دور ہی رکھا اور اس میں دخیل ہونے نہیں دیا، اور جس طور کا تصفیہ وہ چاہتا تھا، کرا لیا۔ شاہ ڈنمارک کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ ہر دو ڈچیوں کے دعوؤں سے دست بردار ہو جائے اور شاہ پروشیا و شہنشاہ اسٹریا کے حق میں اپنا حق واپس لے لے۔

برطانیہ نے اس دوران میں جو افسوسناک حصہ لیا تھا اسے ہاؤس آف کامن کے مباحثہ میں ۴۔ جولائی ۱۸۶۴ء کو لایا گیا ان حالات کو ان امور کے ساتھ جو ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۹ء میں گزرے بالکل موزوں طور پر منطبق کیا جا سکتا ہے یہ واقعہ ہے کہ ڈینش باشندوں نے اس واقعہ کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔

اگرچہ پروشیا نے ہر دو ڈچیوں کو حق نمایندگی دینے کا وعدہ کیا تھا، اور اس کا وعدہ دیا تھا کہ حتی الامکان ان کو ڈینش حکومت کے ماتحت رکھا جائے گا۔ بشرطیکہ اس سلسلہ میں وہ اپنی خواہش کا اظہار کریں، لیکن وہ حق رائے دہندگی ان کو کبھی نہیں دیا گیا

لیکن اس کے باوجود مدتوں تک جرمن اور ڈین پرامن طور پر رہے، اور تجارتی و تمدنی تعلقات بہت جلد ایک دوسرے سے قریب تر آگئے، اور دونوں کے تعلقات میں بڑی ہم آہنگی آگئی۔

اور ۱۸۹۸ء میں شاہ ڈنمارک نے ایک جرمن شہزادی سے شادی کر لی۔

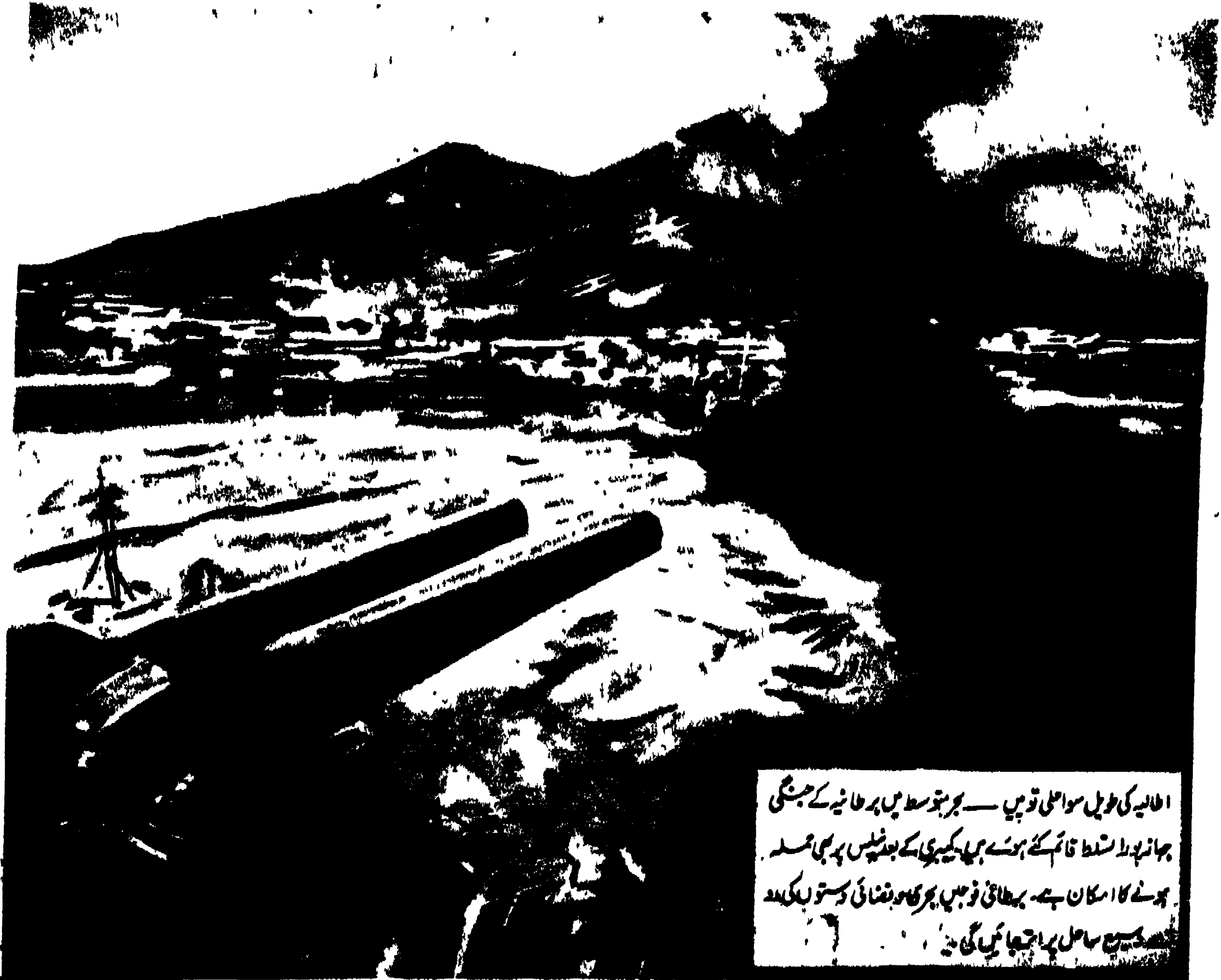
عالمگیر جنگ ۱۹۱۴-۱۸ء کے دوران میں ڈنمارک نے کسی نہ کسی طرح اپنے کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کی اور جنگ کے آخر میں وہ حق رائے دہندگی جس کا وعدہ تو کیا گیا تھا مگر اب تک اُسے عملی جامہ پہنانے میں تاخیر سے کام لیا گیا تھا۔ اب اس کا وجود عمل میں آیا، وہ بھی مجلس اقوام کے تحت ہوا۔ اور اس کا ایک کافی حصہ مثلاً شمالی سیلزوگ ڈنمارک کو واپس کر دیا گیا۔ ایسا ۱۹۲۱ء میں ہوا۔

اس کے بعد سے جو اہم کارروائی ہوئی وہ ۱۹۳۱ء کے بعد برطانیہ کی موافقت میں تجارتی تائید تھی۔ کیونکہ عہد ماضی میں ہمیشہ ڈنمارک نے جرمنی سے برآمد کیا تھا، اور برطانیہ سے درآمد کیا تھا، اور سیاسی طور پر ڈنمارک پر پوری طرح تخفیف اسلحہ کی پابندی لازمی ہو گئی تھی۔

ہٹلر جب برسر اقتدار ہوا تو پوزیشن میں پھر پیچیدہ نزاکت پیدا ہو گئی، کیونکہ ڈنمارک نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ مسلسل اور متواتر سیاسی و اقتصادی استفادہ گیریوں کا شکار بنا ہوا ہے۔ مئی ۱۹۳۹ء میں جرمنی نے ڈنمارک سے عدم جارحانہ حملہ کا ایک معاہدہ کیا۔ لیکن جب ہٹلر نے پُرامن ناقابل دفاع ڈنمارک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تمام معاہدے ایک ہی رات میں فراموش کر دیئے گئے اور اب اس وقت یورپ کا ایک بہترین جمہوری ملک ہٹلر کے آہنی چنگل میں ہے۔

صرف آزادی ہی نہیں بلکہ جرمنی کا خونخوار درندہ غریب کی جان و آبرو لینے کے بعد بھی ان کے ہر قسم کے ذرائع کو اپنے غاصبانہ قبضے میں کرتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے ملک کی تمام دولت جرمنی کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے ان کے مویشی پکڑ پکڑ کر جرمنی روانہ کئے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ آزادی کھو کر وہ عجیب مصیبت میں مبتلا ہیں۔

جب برطانیہ یورپ پر حملہ کریگا



اطالیہ کی طویل سواحلی توپیں ـــــ بحر متوسط میں برطانیہ کے جنگی جہاز پورا تسلط قائم کئے ہوئے ہیں۔ کیمبری کے بعد نیلس پر بھی حملہ ہونے کا امکان ہے۔ برطانی فوجیں بحری و فضائی دستوں کی مدد سے وسیع ساحل پر اتر جائیں گی۔

حکومت برطانیہ کے وزیر اعظم اور حکومت کے دیگر اعلیٰ عہدیداروں نے اس امر کی کئی مرتبہ وضاحت کی ہے کہ وقت آنے پر برطانیہ محوری دول پر حملہ کریگا (اس وقت برطانیہ اپنی حفاظت کے طور پر محوری دول کے حملوں کو روک رہا ہے) چنانچہ ہم اپنے بحری بیڑے بے پناہ فضائی طاقت اور اپنی بری افواج کے بل بوتے پر یورپ پر حملہ کریں گے اور [illegible]

نابود کر دیں گے۔ مضمون زیر نظر سے ظاہر ہو جائیگا کہ جزائر برطانیہ پر اس سے پہلے بھی حملے ہوتے رہے ہیں مگر فتح برطانیہ کی ہی ہوئی۔ اور موجودہ جنگ میں بھی فتح آخرکار برطانیہ کو ہی نصیب ہوگی۔

گذشتہ چند سالوں سے فوجی نامہ نگار اور مصنفین برطانیہ پر حملے کے سلسلے میں مضامین لکھ لکھ کر [illegible] رہے ہیں۔ اور اس [illegible]

بے شک وشبہ نہیں کہ یورپ کے ممالک ہمیشہ سے جزائر برطانیہ پر حملہ آور ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ جس زمانے اہل روما جزائر برطانیہ پر قابض تھے۔ اس زمانے میں بھی ناروے اور [illegible] کے حملہ آوروں کی روک تھام کیلئے ساحل انگلستان پر کسی قسم کے دفاعی استحکامات نہ تھے۔ مگر اس زمانے سے لیکر جدید تاریخ کے ٹھیک [illegible] زمانے تک جزائر برطانیہ پر حملہ کرنے کے [illegible]

از:- جارج سلوکومب



برطانوی فوج کا ہراول دستہ وہ جدید سوار دستہ ہے جسے "ٹینک" کہا جاتا ہے
پرتالیوں کی دہشت انگیز اور ہولناک پیشقدمیوں کا نہایت ثابت قدمی سے
مقابلہ کرنے میں کامیاب ثابت ہوا ہے۔ برطانوی ٹینک چار مختلف نوعیتوں
کے ہیں، بھاری کروزر، ہلکے کروزر، ہلکے اور دشمن پیادہ دستے اور
تصویر میں آرٹسٹ نے موقعہ ملا کر ذہنیت کے ٹینک کا تخیل پیش کیا ہے جو
[illegible]

اقدام کئے گئے۔ وہ سب ناکام ثابت ہوئے۔ اور آخرکار خود حملہ آوروں کو شکست کھا کر تباہی و ہلاکت سے دو چار ہونا پڑا۔ کسی جابر ظالم حملہ آور کے حملوں کو روکنے کے لئے ایک جزیرہ کا سب سے زیادہ موثر حربہ اس کی بحری قوت ہے۔

مگر باوجود حقیقت الامر کے ایک طویل زمانے تک ہماری بحری قوت [illegible] ساحلوں پر حملہ آوروں کے خلاف پورے طور پر موثر ثابت نہیں ہوئی۔ ملکہ الزبتھ کا زمانہ اور ہسپانیہ بحری بیڑے کی شکست اس امر کا کامل ثبوت ہے۔ موجودہ جنگ کو درکنار رکھتے ہوئے صرف نپولین ہی کے زمانے میں جزائر برطانیہ پر حملہ کا احتمال بہت شدید ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم کے دوران میں بھی برطانوی امارت بحر نے [illegible] [illegible] مشرقی ساحل پر دشمن کے [illegible] سے چشم پوشی نہ کی۔ اور اب جب کہ فوجی دستوں اور ٹینکوں کو فضائی طاقت کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ تو یہ امر اور بھی زیادہ دشوار اور مشکل ہو گیا ہے۔ کہ یورپ سے برطانیہ پر حملوں کا سلسلہ ہی ختم کر دیا جائے مگر ہماری تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ موقعہ آیا ہے کہ جب ہماری بحری طاقت کو دوسرے بحری بیڑوں پر فوقیت حاصل ہے۔ وہاں ہماری فضائی قوت بھی عنقریب فضائی [illegible]



عمل درآمد شروع کر دیں تو سب کچھ کرنا ہمارے دست قدرت میں ہے۔ ہم اطالیہ کو اس طرح مرعوب کر سکتے ہیں کہ ہٹلر کو مجبوراً فرانس اور شیشی ممالک میں اپنے فوجی ڈویژن واپس بلانا پڑیں گے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسا کہ ۱۹۱۷ء میں جرمنی نے آسٹریا کو امداد روانہ کی تھی۔

مگر جرمنی پر ضرب لگانے کیلئے ہمیں اصلی مواقع مشرق قریب میں حاصل ہیں۔ یہ کام سالونیکا میں لائڈ جارج اور ارسٹائڈ برائنڈ ہی کا تھا۔ کہ انھوں نے ایسی افواج تیار کیں اور ان افواج نے ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ نتیجے کے طور پر ۱۹۱۸ء میں مرکزی طاقتوں کو شکست کھانا پڑی۔ جبکہ اتحادی افواج بلقان سے شمال اور مغرب کیجانب بڑھیں تو سب سے پہلے جرمنی کا حامی بلغاریہ سرنگوں ہوا۔ اس کے بعد جرمنی افواج متعینہ رومانیہ نے ہتھیار رکھے۔ اس کے بعد ہنگری اور آسٹریا کی باری آئی۔ چنانچہ ابھی اسی قسم کی افواج کو تیار کیا جا رہا ہے۔ مگر اب کی مرتبہ سالونیکا میں نہیں، بلکہ مشرق وسطیٰ میں یہ کام جاری ہے۔ اب یہ افواج دشمن پر وار کرنے کیلئے تیار اور آمادہ ہیں۔ اس کیساتھ ان افواج کو ایک زبردست اور اعلیٰ ترین بحری بیڑے اور زبردست فضائی قوت کی حمایت حاصل ہے۔ ترکی میں بھی افواج کے بھاری اجتماعات ہو رہے ہیں۔ یہ افواج صرف حکم پانیکی منتظر ہیں بحیرہ اسود میں روسی اپنے جنگی جہازات اور افواج جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ ترکی اور روسی افواج فلسطین میں وہی مقاصد رکھتی ہیں۔ جیسے کہ ہماری افواج۔ ان ممالک کی افواج دوش بدوش بلقان میں داخل ہونگی۔ جرمنی پر نہ دور سے ہی بلکہ قریب سے بھی شدید حملہ کیا جائے گا۔ ایک دن ایسا آئیگا کہ برطانوی افواج دریائے ڈینیوب کی وادی کیساتھ وائنا کی طرف پیشقدمی کرینگی۔ برطانیہ کی افواج دریائے رائن کی وادی پر چھا جائینگی۔ اور شاید اُن کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد برطانوی افواج بڑے بڑے شہروں اور میونچ کی طرف بڑھیں گی الغرض یہ کہ جرمنی پر یورپ کے راستے ایک بے پناہ حملہ ہوگا۔ اور برطانوی افواج مظفر و کامران ہوں گی۔



جنگ

سپاہی اور شاعر

از:-

ابراہیم ہوش

جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے بین الاقوامی امن و آشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خاکدان عالم کا ذرہ ذرہ شرر انگیز ہوکر ریاض دھر کو جلا کر راکھ کرنے لگا، اقوام عالم نے انسانیت کا لباس اتار کر بربریت و وحشت، خونخواری، و خونریزی، جبر و تشدد، خون آشامی و ہلاکت آفرینی کی پوشاک پہن لی، نغمہ و سرود کی جگہ تلواروں کی جھنکاروں توپوں کی گرج، اور گولیوں کی سن سن نے لے لی، فضائے آسمانی پر طیور کے زمزموں کی بجائے طیاروں کی دل دہلا دینے والی سامعہ خراش صدائیں بسیط عالم کو تباہی و بربادی کی دھمکیاں دینے لگیں ــــ اور ــــ انسان اپنی زندگی سے بیزار و مایوس نظر آنے لگا۔

کیا قیامت قریب آگئی ہے؟ خدا کا وعدہ پورا ہوچکا ہے؟

فسطائیت و نازی ازم۔ کیا دجال کے خروج کا پتہ دے رہی ہیں؟

شاعر:- بیوقوف انسانو! کیوں ایک دوسرے کا خون پانی کی طرح بہا رہے ہو، خدا کے جانشینو! کیوں خدا کے رحیم و رحمان جیسے نام کو دھبہ لگا رہے ہو! مسیح کے نام لیواؤ! کیا عیسائیت کی یہی تعلیم ہے۔ وہ جس کی تعلیم کی بنیاد ہی عدم تشدد، رحم، اور صلح پر ہو۔ کیا اس نے تمہیں یہی سکھایا ہے؟

سپاہی:- تو شاعر ہے۔ ملہم ربانی، رموز حیات کا محقق۔ فطرت کے سربستہ رازوں کا کاشف، روح کی چین، اضطراب کا پیکر، سکون کا مجسمہ، محبت کا مرقع! اخلاق کا معلم، امن کا پیامبر، تمناؤں کا خدا وفاؤں کا بندہ............

شاعر:- بس بس، اپنی زبان بند کر، میں اپنی تعریف میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔

سپاہی:- نہیں، یہ تیری تعریف نہیں، بلکہ یہ تیری صفتیں ہیں۔ لیکن آنکھیں کھول کر دیکھ آج دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟

شاعر:- وہی جس سے قرب قیامت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔

سپاہی:- اور تو کچھ نہیں کرسکتا۔

شاعر:- کچھ نہیں کرسکتا۔ کیا شاعر کو خدا کی مشیت میں بھی دخل ہے؟ خدا کی یہی مرضی ہے کہ اب ایک جدید نظام عالم وجود میں آئے۔

سپاہی:- لیکن یہ جنگ، یہ جنگ اجانتا ہے تو، اس کا بانی کون ہے؟

شاعر:- کون؟

سپاہی:- تو؟

شاعر:- میں؟

سپاہی:- ہاں، ہاں، تو؟

شاعر:- وہ کیسے؟

سپاہی:- شاعر کی زبان الہامی زبان مانی گئی ہے، تو نے قدیم رنگ شاعری سے بغاوت کرکے جو جدید رنگ اختیار کیا ہے، اسی نے اقوام عالم کے دماغ و جذبات میں یہ ہیجان پیدا کردیا ہے، جس کا مظاہرہ اور انجام آج تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ قدیم شاعری کا کمال حسن کاری تھا، اس میں قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں نہیں ہوا کرتی تھیں پہلے شاعری محض "ذوق حسن" کو بڑھایا کرتی تھی، مگر آج ذوق حسن، ذوق فکر، اور ذوق عمل، کو تیری شاعری نہ صرف آسودہ کررہی ہے بلکہ حرکت میں لے آرہی ہے، انسان ذوق حسن سے متاثر ہوکر دنیا مافیہا سے بے پروا ہوجایا کرتا تھا۔ قدیم شاعری انسان کو سکون و راحت، عقل و خرد کی تعلیم دیتی تھی، مگر آج، ہاں آج، تو جس کو جدید شاعری کہتا ہے وہ اضطراب مسلسل کی ایک غیر مختتم داستان ہے، ایک لامتناہی کہانی ہے، سکون و جمود کی بجائے۔ اب رگوں میں حرکت، تحریک اور عمل کا خون دوڑنے لگا ہے، انسان کی نظر آگے بڑھ رہی ہے، خروج

و زوال کی داستانوں نے اسے آگے بڑھنے پر آمادہ کر دیا ہے۔ اور ایک قوم دوسری قوم سے سبقت لیجانے کی کوشش کر رہی ہے، آج تیری شاعری نے خیال حسن، اور حسن عمل کو چولی دامن کی طرح ساتھ کر دیا ہے۔ اور اب ادبیات بے غرض و غایت ہوتے ہوئے بھی میلاناتی ہونے لگے ہیں۔ تونے اپنی شاعری میں "روح عصر" پیدا کر لی ہے۔ تونے زمان و مکان سے بغاوت نہیں کی، اقتصادی حالات سے متاثر ہو کر، تو خود زمانے کے رنگ میں رنگ گیا۔ تونے قوموں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ اس لئے کہ تو اپنے کو بین الاقوامی شاعر کہتا ہے اور دیکھ کہ ہر قوم کے بڑھنے کا نتیجہ آج تصادم کی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ تونے قوموں کو قناعت کی تعلیم نہ دیکر انسانی امن پر بڑا ظلم کیا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے گوشے گوشے میں بدامنی اور خلفشار برپا ہے۔

شاعر:- تو بک کیا رہا ہے؟ میں قطعی تیرا مطلب نہیں سمجھ سکا۔!

سپاہی:- تجاہل عارفانہ برتنے والے شاعر۔ تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ میں ایک سپاہی ہوں تو بتا نہیں کہ میں نے ملک و قوم کی خاطر جان قربان کر دینے کا حلف اٹھایا ہے۔ تو واقف نہیں کہ میری ہی قوت و طاقت پر قومی سلامتی، اور تیرا تحفظ موقوف ہے۔ مگر یہ تو بتلا مجھے سپاہی کس نے بنایا۔ میرے دل میں سپاہی بننے کا جذبہ کیوں پیدا ہوا؟ خون آشامی اور ہلاکت آفرینی کا خیال میری فطرت کیوں بن گیا؟

شاعر:- تو اپنے ماحول اور خاندانی روایات کی بنا پر سپاہی بنا ہوگا۔ نہیں تو اقتصادی بدحالی نے تجھے سپاہی بننے پر مجبور کر دیا ہوگا۔

سپاہی:- ہرگز نہیں تیرے اشعار نے مجھے سپاہی بنایا۔ ان اشعار نے جن میں تونے قوموں کے عروج و زوال کا نقشہ کھینچا ہے۔ ترقی و تنزل کی داستان بیان کی ہے۔ سکون آشنا دماغوں کو حرکت و تحریک کی تعلیم دیکر ان میں ہیجان و اہتزاز پیدا کر دیا ہے۔ قوموں کا موازنہ کر کے، دوسروں سے سبقت لیجانے کی ترغیب دی ہے۔ تفوق و برتری، عظمت، و جلالت، کا راگ الاپ کر سربلند ہونے پر ابھارا ہے۔ تیری شاعری نے سروں میں خودی کا سودا، اور دلوں میں فوقیت کا جنون پیدا کر دیا ہے۔ تونے غرور و تفاخر کا درس دے کر قوموں کو متصادم ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں بھی انسان ہوں۔ دل رکھتا ہوں، اور دل میں جذبات کا بحر بے پایاں، میں نے تیری شاعری سنی۔ میرا دل اس سے متاثر ہو گیا۔ میرے دل میں بھی خودی و سرفرازی کے جذبات نے انگڑائیاں لینی شروع کر دیں۔ اور میں نے عظمت کی اس منزل تک پہونچنے کا ارادہ کر لیا۔ جس سے انسان تمام دنیا میں خوف و دہشت، عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ اور اس منزل تک پہونچنے کی راہ جنگ ہے۔ جنگ جس میں ہم اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو مغلوب، مفتوح، اور مقہور کر کے ان سے اپنی عظمت، بزرگی، تفوق، اور برتری کا لوہا منوالیں۔ بس اسی خیال نے مجھے سپاہی بننے پر مجبور کر دیا۔

شاعر:- اچھا پھر؟

سپاہی:- اسی طرح تمام دنیا کے لئے قیاس کر لے۔ اور آج اسی تلاش عظمت نے تمام عالم انسانیت کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کر رکھا ہے۔

شاعر:- تو تو کیا چاہتا ہے؟

سپاہی:- میں اس جنگ سے تنگ آ گیا ہوں اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی خونریزی مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ ہلاکت اور تباہی کا یہ منظر اب نظروں میں خستگی و درماندگی پیدا کرنے لگا ہے۔ نگاہیں یہ نظارہ دیکھتے دیکھتے اکتا گئی ہیں۔ روح مضطرب ہے۔ دل بے چین ہے۔ دماغ پریشان، اور سکون مفقود ہے۔ تو اپنی شاعری میں سے "روح عصر" نکال ڈال، اور اپنی سرمدی لے، حسن کاری کے جذبات سے دنیا کو پھر عہد قدیم کی طرف لوٹا دے۔

شاعر:- یعنی؟

سپاہی:- یعنی حسن و جمال کی داستان چھیڑ، جنگ و جدل، جدّ و جہد، کشمکش، اضطراب تفوق و برتری، عظمت و جلالت، عروج و زوال، فکر و عمل، حرکت و تحریک، کی تعلیم نہ دے بلکہ سکون و اطمانیت کی، جمود و اطمینان کی، عیش و راحت کی۔ تاکہ ہم تیرے نغموں کے ترنم میں گم ہو جائیں، اپنی ہستی کو فراموش کر جائیں، دنیا، و اس کے متعلقات تمدن، اور اس کے لوازمات سے کوئی غرض اور کوئی مطلب نہ رکھیں۔ انسان ایک دوسرے کے ہمدرد ہو جائیں۔ خونریزی و ہلاکت انگیزی سے باز آ جائیں حسن سے لطف اندوز ہوں، چشم کیف بار سے مست ہوں۔ اپنے شانوں پر کسی کے گیسوؤں کو پریشان کریں۔ اور دن رات بیٹھے رہیں۔ تصور جاناں کئے ہوئے۔

چشم بتاں کا سحر سلامت رہے نظیر
محفوظ ہیں مصیبت درد وطن سے ہم

شاعر:- یعنی تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس دور میں "الف لیلیٰ" اور "داستان امیر حمزہ" جیسی کتابیں تصنیف کروں اور یہی تفریح طبع کا سامان بہم پہونچاؤں۔

سپاہی:- الف لیلیٰ، تو خیر لیکن، "داستان امیر حمزہ" جیسی تصنیف ہرگز نہیں۔ کیوں کہ وہ بھی تو جنگ و جدل کی داستانوں سے مملو ہے۔

شاعر:- تو پھر کیسی تصنیف؟

سپاہی:- بس بس، جیسی میر کی، سودا کی اور جیسی داغ اور امیر کی،

شاعر:- مگر تو شاید بے خبر ہے، ایک ایسا معلم پیدا ہو گیا ہے جو تیری حسب خواہ تعلیم تمام دنیا کو دے رہا ہے۔

سپاہی:- وہ کون؟

شاعر:- گاندھی؟

سپاہی:- اس کی تعلیم کیا ہے؟

شاعر:- عدم تشدد، سکون، محبت۔ دوسروں کے جبر و تشدد کو شربت کے گھونٹ سمجھ کر پی لینا، اپنی مدافعت اور حفاظت سے بے پروا ہو جانا، دوسروں کی زبردستی کے آگے جھک جانا، غیرت اور حمیت کے جذبات کو فنا کر ڈالنا۔ عاجزی، انکساری سے کام لینا۔ احساس کمتری کو اپنے اندر فروغ دینا۔

سپاہی:- مگر یہ تو منافی فطرت انسانی اصول ہیں

شاعر:- ممکن ہے۔ مگر آج آدم کی ۴۰ کروڑ اولاد اسی عقیدہ کی حامل ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا میں اس عقیدہ کو فروغ دیکر رہیگی۔

سپاہی:- ظلم کرنا پاپ ہے، ظلم سہنا مہا پاپ ہے

شاعر:- اور یہی فطرت کا اصول ہے، جب تک دنیا میں بھیڑیں موجود ہیں۔ انھیں کھانے والے بھیڑئے ضرور پیدا ہوتے رہیں گے۔ شاعر اپنے زمان و مکان سے بغاوت نہیں کر سکتا۔



بربادی کے بعد...؟

...... ہٹلر کیا کرے گا؟ خودکشی، جرمنی سے فرار ہوگا یا پاگل ہو جائے گا؟ چہرے پری جو چہرے کے خدو خال کے متعلق یورپ کا ایک مشہور ماہر ہے اس کا جواب یوں دیتا ہے:-

شکست کھانے کے بعد ہٹلر کیا کرے گا؟ شاید اس سوال کا جواب دینا ناممکن نظر آئے تاہم میں ایک آدمی کے خدو خال کا اندازہ کرکے آپ کو بتلا سکتا ہوں کہ کسی شخص کے حالات آئندہ چل کر کیا ہو سکتے ہیں؟ ایک ماہر ہٹلر کے مزاج، نظریہ اور اہم افعال کے متعلق اس کے چہرے سے فوراً معلوم کر سکتا ہے۔ ہٹلر کی حرکات و سکنات کا طرز وہی ہے جو ہم سب کا ہے۔ یعنی خدو خال کی طاقت سے ہر ایک انسانی جسم کی جلد تو تیں بر سر کار رہیں۔

ہٹلر کے خدوخال کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے:-

(۱) پیشانی کا جھکاؤ اور اس کی چوڑائی سے ہٹلر کی دماغی قوت اور خیالات کی یکجہتی کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) چھوٹی بھویں۔ اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ ہٹلر کس امر میں اپنی قوت خیال کو مجتمع کر سکتا ہے۔

(۳) سیدھی اور عقابی نظر طاقت، جذبہ اور قوت کی مظہر ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے ملحد ہونے کی نشانی ہیں۔ نیز آنکھوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہٹلر کس قدر بے رحم ہے۔

۴۔ آنکھوں کے درمیان ناک کے اوپر ایک خط۔ اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ ہٹلر کمان کرنے کی قابلیت کا حامل ہے۔ مگر ساتھ ہی حکومت کرنے کی خواہش بھی ظاہر ہوتی ہے۔

۵۔ باہر کی جانب مڑی ہوئی ناک۔ اس نشان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہٹلر دوسروں پر خوشگوار یا ناخوشگوار موجودگی کا اظہار کر دیتا ہے۔

۶۔ باریک اور پتلی مونچھیں ہٹلر کی خود غرضی اور ہمدردی کے جذبے کا فقدان ظاہر کرتی ہیں۔

۷۔ کان:۔ ہٹلر کے کان ظاہر کرتے ہیں کہ ہٹلر سرد

برطانیہ عظمیٰ کیوں جنگ کر رہا ہے!

از:- ہیرلڈ نفسلن

انگریز دو رخ رکھتے ہیں

اہل برطانیہ بحیثیت مجموعی مختلف نظریات اور عقائد رکھتے ہیں۔ برطانوی ایک حد تک نرم طبیعت کے واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے صرف انتہائی ضرورت کے وقت ہی اس قوم کے لوگ ناخوشگوار اقدام کرتے ہیں۔ مگر جس وقت ان کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس اقدام کے بغیر چارہ نہیں۔ تو پھر یہ اقدام صحیح اقدام کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کوئی برطانوی اس وقت تک صحیح معنوں میں خوشی محسوس نہ کرے گا۔ جب تک کہ اسکی عملی اور اخلاقی دونوں قوتیں حرکت میں نہ آجائیں۔ اسلئے عام طور پر انگریزوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دو رخ رکھتے ہیں۔

اس عافیت کوش اور پرامن قوم کو صرف دو باتوں ہی سے خطرناک اقدام پر آمادہ کیا جاسکتا ہے یا تو خوف اور یا خطرہ۔ برطانیہ اس وقت تک جنگ پر آمادہ نہیں ہوتا۔ جب تک اسے ذاتی طور پر خطرہ اور خوف محسوس نہ ہو رہا ہو۔ ۱۹۳۳ء سے رڈولف ہٹلر برطانیہ کے ان دونوں جذبات میں سے کھیلتا رہا ہے۔

مگر برطانیہ نے صرف اس وقت جنگ کی ٹھان لی جب ہٹلر ۱۵ مارچ کے معاہدہ میونخ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پراگ میں داخل ہوا۔

۱۵ مارچ تک نصف برطانیہ بغیر دھمکی کے ناراض تھا۔ اور نصف برطانیہ بغیر ناراض ہوئے چوکنا ہو رہا تھا۔ مگر ہٹلر نے ۱۵ اگست کو جو مہم شروع کر دی اس کے پیش نظر برطانیہ کے یہ دونوں حصے متحد ہوگئے۔

میں پہلے خطرہ کی تشریح کروں گا۔ کیونکہ ہٹلر کے اس اقدام سے ہمارے جذبات کا عملی پہلو بیدار ہوا تھا۔

("بربادی کے بعد" کا بقیہ مضمون)

سماع کا دلدادہ ہے اور صرف گانا ہی اس کی جابر طبیعت میں کچھ نرمی پیدا کرے تو کرے ورنہ اس کی طبیعت کا پگھلنا محال ہے۔

ان تمام نشانیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہٹلر کی عادات ایسی ہیں کہ ان کو کوئی فرد ولبشر انفرادی طور پر پسند نہیں کرسکتا۔

ہٹلر غیر معمولی عادتوں کا حامل ہے۔ ہٹلر کی قسم کے آدمی اکثر دیکھے جاتے ہیں گو سیاسی دنیا میں ایسے آدمی کم ہیں۔ ہٹلر کا دماغ چند امور کے لحاظ سے غیر معمولی بڑا ہے۔ اس کے مقابلے میں عام آدمیوں کے دماغ بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ جب تک ہٹلر زندہ رہیگا اس کا ایک قدم پیچھے ہٹنا دشوار ہے اس کے دل دماغ کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس کے لئے پیچھے ہٹنا دشوار ہے کسی امر کے متعلق سمجھوتہ کرتے وقت بھی ہٹلر صرف حالات کے متعلق گہرے غور وخوض میں مشغول ہوتا ہے۔ اس کی تمام قوت اس امر پر مرکوز ہوتی ہے کہ کس طرح اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر ہٹلر کے لئے اتحادیوں کو شکست دینا ممکن ہوتا تو وہ دوسرے ممالک پر حملہ کرنیکی تیاریوں میں مشغول ہوتا۔ ہٹلر کی دماغی تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس کے لئے خاموش رہنا دشوار ہے اگر سلطنت برطانیہ اور تمام یورپ کا فاتح بھی قرار دیا جاتا تو وہ اس کے بعد گرین لینڈ، آئس لینڈ اور قطب شمالی کو فتح کرنے کی ٹھان لیتا۔ ہٹلر نے اپنی گذشتہ فتوحات کی جو وجوہات پیش کی ہیں۔ اور جو کچھ ہٹلر سے سرزد ہوتا ہے اس کی تبدیلی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہٹلر کے حید اعصاب کو مکمل طور پر تبدیل کردیا جائے اور یا کوئی ایسا جادو ہو جو اس کے خیالات کی رو کو تبدیل کردے بہت ممکن ہے کہ اگر ہٹلر کو مناسب طور پر تعلیم دی جاتی اور شروع حالات سے اس کی نگہداشت بطریق احسن سرانجام دیا جاتا تو وہ عوام کا ایک ہردلعزیز راہنما بننے کے قابل ہوتا۔

شکست کھانے کے بعد جلاوطنی کی زندگی بسر نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی ہٹلر اس کے بعد تعطل اور عزت کی زندگی بسر کرسکتا ہے۔ بلاشک وشبہ شکست خوردہ ہونے کے بعد ہٹلر ان دو باتوں میں سے ایک پر عمل پیرا ہوگا:۔

۱۔ یا تو ہٹلر خودکشی کرلیگا (جسمانی طور پر ایسا کرنے کا مادہ ہٹلر میں موجود ہے)

۲۔ یا ہٹلر کی دماغی رو افراط کی حد تک جا پہنچے گی اور لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہٹلر پاگل ہوجائے گا۔

ہٹلر کے لئے ٹھیرنا یا پیچھے مڑ کر دیکھنا ممکن نہیں۔ ہٹلر جس تباہی کی طرف چلا جا رہا ہے اس سے اس کا واپس ملنا ناممکن نہیں۔

(ریڈ ڈیلی میل)

اس لئے میں اسے خود حفاظتی کے نام سے تعبیر کروں گا۔

تقریباً ڈھائی سو برس سے بھی کچھ زیادہ عرصے سے انگریزوں پر یہ امر روشن ہو چکا ہے۔ کہ ان کی سلامتی کا راز براعظم یورپ کی سلامتی میں مضمر ہے۔ چنانچہ برطانیہ کے بحری رسل و رسائل بھی کسی ایک سلطنت کے قبضے میں چلے جانے سے صرف اس صورت میں محفوظ رہ سکتے تھے کہ خود براعظم یورپ محفوظ رہے۔ یہی حفاظت خود اختیاری کا جذبہ ہے جس سے برطانیہ کو ہسپانیہ۔ ہالینڈ۔ لوئس شانزدہم بنولین اور ولیم ثانی سے لڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس حفاظت خود اختیاری کو مختلف اوقات میں مختلف نام دئے جاتے رہے ہیں۔ طاقتوں کا توازن یا "چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی حفاظت"۔ درحقیقت اس حفاظت خود اختیاری کا دوسرا نام تھا۔ یہ اصلیت ہے کہ اس بارے میں برطانیہ نے جتنے بھی اقدامات کئے وہ سب اپنی حفاظت کے لئے تھے۔

برطانیہ اپنی حفاظت کے لئے جنگ کرنے میں حق بجانب تھا۔ کیونکہ برطانیہ نے یہ قدم ایسی حالت میں اٹھایا جبکہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ برطانیہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جس کے باشندے خوراک کے لئے سمندر پار کی درآمد کے محتاج ہیں۔ گو جزیرہ برطانیہ براعظم یورپ سے صرف پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور وسیع برطانوی سلطنت کے مختلف حصوں سے صرف رسل و رسائل کے ذریعہ ملا ہوا ہے۔ مگر برطانیہ کو فتح کرنا آسان کام نہیں ہے۔

مگر آپ سوال کر سکتے ہیں کہ پھر اگر جرمن نے پراگ پر قبضہ کر لیا تھا۔ تو برطانیہ کو اس سے خطرہ کیوں محسوس ہوا؟ اس کا جواب نہایت سہل ہے۔ پراگ پر حملے کرنے سے پیشتر ہٹلر ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا۔ کہ اس کے مقاصد غاصبانہ نہیں ہے۔ صرف اپنے حقوق حاصل کرنے کا خواہشمند ہے مگر پراگ پر حملے کرنے کے لئے ہٹلر کے پاس کوئی معقول وجہ نہ تھی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ہٹلر کے اقدامات غاصبانہ ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا اس کے زیرنگیں ہو جائے۔ پراگ پر ہٹلر کے حملے کے بعد صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ اس کے بعد ڈنمارک اور ہالینڈ کی باری ہے۔ ہٹلر نے اپنے طرز عمل سے ظاہر کر دیا تھا۔ کہ وہ لوٹ مار کا خواہش مند ہے اور چونکہ برطانیہ اور فرانس کی سلطنتیں بڑا موٹا تازہ شکار نظر آتی تھیں۔ اس لئے صاف ظاہر تھا کہ ہٹلر کے حملوں کا رخ آخرکار اپنی دونوں سلطنتوں طرف ہو جائے گا۔ جرمن آبدوز کشتیاں خواہ ہالینڈ میں جمع کی گئی ہوں یا جرمن طیاروں کو ڈوور سے پچیس میل کے فاصلے پر اکٹھا کیا گیا ہو۔ دونوں صورتوں میں برطانیہ کو فوری ذاتی خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔

انگلینڈ میں بہت سے لوگ جنگ کے اس قدر مخالف ہیں۔ کہ ان کا خیال ہے۔ کہ جنگ کرنے کی بجائے بغیر مقابلے کے ہتھیار رکھ دینا بہتر ہے۔ اگر ہم کسی ہم پلہ سلطنت کے ساتھ برسرپیکار ہوتے تو میں اس نظریے کی حمایت کرتا اور برطانیہ کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھنے کی نسبت برطانیہ کو ایک چھوٹی سی سلطنت میں تبدیل ہوجاتے دیکھنا زیادہ پسند کرتا۔

مگر ہم ایسی تہذیب سے جنگ کر رہے ہیں جو ہماری تہذیب سے کمتر درجہ رکھتی ہے۔ یہ وجہ تھی جس کی بنا پر برطانیہ کا جذبہ حفاظت خود اختیاری، اخلاقی خودداری میں تبدیل ہو کر ناراضگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اہل برطانیہ صرف اسی حالت میں سب سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ ہوئے ہیں جب اخلاقی جذبے کی جگہ حفاظت خود اختیاری کا جذبہ کارفرما ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم اپنی سلامتی کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ ہم ایسی چیز کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ جو جان سے بھی زیادہ اہم اور عزیز ہے۔ ہم جنگ میں اس لئے شریک ہوئے کہ ہم اپنی حفاظت کرنے کے خواہشمند تھے۔

ہم تہیہ کر چکے ہیں کہ انسانیت کی بقا کے لئے ہم اس جنگ کو آخر تک جاری رکھیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے ان الفاظ سے بہت سے لوگ مسکرا پڑیں گے۔ ہم نے بسا اوقات اس نظریے کو بالائے طاق بھی رکھا ہے۔ مثال کے طور پر جنوبی افریقہ کی جنگ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم صرف اسی وقت ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ جب مجبور ہو جائیں چنانچہ اس پالیسی کا نتیجہ ہے کہ ہم ایک وسیع سلطنت کے مالک ہیں۔ اور یہ اصلیت ہے کہ ہم ایماندار، اور اخلاص کے حامی ہیں۔ چنانچہ ہماری ملکی اور خارجی پالیسی کی بنیادیں اسی نظریے کی شاہد ہیں۔ ممکن ہے ہمیں اس نظریے کے احیا میں کامیابی حاصل نہ ہوئی ہو۔ مگر ہم نے ان اصولوں پر کاربند ہونے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

جن لوگوں کو اس سے اتفاق نہ ہو۔ میں ان سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ اس مسئلے پر غور کریں کہ ۱۸۱۵۔ اور ۱۹۱۴ء کے درمیان برطانیہ کی سلطنت دنیا میں زبردست ترین سلطنت تھی۔ برطانیہ کے وسیع ذرائع اور سمندر پر قبضے کی وجہ سے برطانیہ کا فیصلہ آخری فیصلہ تھا۔ اور دنیا کی تمام چھوٹی چھوٹی اقوام برطانیہ ہی کو ثالث تسلیم کیا کرتی تھیں

مگر کچھ سالوں سے بمبار طیاروں اور چند دیگر وجوہات کی بنا پر برطانیہ کی طاقت قدرے روبہ انحطاط ہو گئی ہے۔ مگر کیا معترضین یورپ کی ایک بھی ایسی سلطنت کا نام بتا سکتے ہیں جسے ہمارے ہاتھوں سے طاقت نکل جانے کا رنج نہ ہو اور کیا کوئی ایسی سلطنت ہے جو اس امر کی خواہش مند نہ ہو یہ کہ ہم دوبارہ پھر وہی قوت حاصل کر لیں اور از سر نو تمام دنیا کے معاملات کے ثالث بن جائیں؟؟

اس طرح کیا دنیا کی ایک بھی سلطنت ایسی ہے جو جرمن کی جمع کردہ طاقت کا خیر مقدم کرتی ہو۔ یا نازی سسٹم کے ظلم و ستم سے خائف نہ ہو۔

صاف ظاہر ہے کہ جرمنی کے حکمرانوں کی نسبت ہم نے طاقت کے استعمال میں زیادہ انسانیت اور اعتدال پسندی کا ثبوت دیا۔ اس لئے برطانوی نظریہ جو عام طور پر بہت دھندلا نظر آتا ہے۔ انسانیت کے لئے نازیوں کے جاری کردہ "قیدی کیمپ" سے بہتر ہے۔

انسانی تاریخ ارتقا میں ترقی کے بہت سے مراحل بہت زیادہ ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یونانیوں نے معلوم کیا۔ کہ انسانی دل و دماغ کو مکمل آزادی حاصل ہونا چاہیئے۔ مگر نازی سرے سے انسانی دل و دماغ کی آزادی کے قائل ہی نہیں۔ رومیوں نے قانون وضع کئے نیز یہ لوگ معاہدات کا احترام کرتے تھے۔ مگر نازیوں کے قانون خود ساختہ ہیں۔ اور انہوں نے اب تک جتنے معاہدے کئے ان میں سے ایک کو بھی تار عنکبوت سے زیادہ کی حیثیت نہ دی۔ مسیح نے ضبط اور محبت کا پیغام دیا۔ مگر نازی مسیح کے ایسے ہی مخالف ہیں جیسے کہ یہودی۔ نازی انسانی اخلاص سے اسی طرح نفرت کرتے ہیں جیسے کہ دوسری اقوام گناہ سے۔ بہادری اور جوانمردی کے دور نے ہمیں یہ سکھایا کہ ہم ان لوگوں کی پیٹھ میں ٹھوکر نہ ماریں جو ہم سے کمزور ہیں ہٹلر کا قول ہے کہ کمزوروں کو جینے کا کوئی حق نہیں۔ فرانس نے اٹھارہویں صدی میں مذاق کی نفاست اور استدلال کو جنم دیا۔ ہٹلر نے مذاق کی نفاست کو پوسٹ کارڈ سے بھی کم حیثیت دی ہے۔ ہٹلر کا قول ہے کہ استدلال سلطنت کا دشمن ہے۔ ہم انگلستانی راستی اور صداقت کے حامل ہیں۔ مگر ہٹلر ان دونوں نظریوں کو دھوکا اور بیہودگی خیال کرتا ہے۔

مجھے حال ہی میں ایک ایسے شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جو نازیوں کے جاری کردہ "قیدی کیمپ" میں رہ چکا تھا اس شخص کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ برہنہ ہو کر پیٹ کے بل کمرے کے فرش پر آ جائے۔۔ اس کے علاوہ اس پر اور

طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے اور یہ عجیب شخص ان ناقابل بیان مظالم کے خلاف لب کشائی کرتا تھا تو اسے کوڑوں سے اس قدر پیٹا جاتا تھا۔ کہ یہ بے ہوش ہو جاتا تھا۔ عام طور پر نوجوانوں میں کسی حد تک ظلم و زیادتی کا جذبہ ہوتا ہے۔ مگر مہذب انسان کی تاریخ میں بڑوں نے چھوٹوں کو جبر و ظلم کی تلقین کی ہے؟ ہمارا ان سب امور سے کیا تعلق ہے۔ مجھکو صرف اتنا ہی کہنا ہے اگر انگلینڈ سرنگوں ہو جائے۔ تو تمام یورپ سرنگوں ہو جائے گا۔ ہمارے کندھوں پر بھاری ذمہ داری ہے میں کبھی کسی مادی فتح کے لئے اپنی اور اپنے بیٹوں کی جان کی قربانی پیش نہ کرونگا۔ لیکن میں غلط اور فتنہ پرداز نظرئے کی فتح روکنے کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دونگا کہا جا سکتا ہے کہ جنگ فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مگر یہ بیان صحیح نہیں، اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے تہذیبیں اسی وجہ سے تباہ ہو گئیں کہ انھیں جنگ میں شکست نصیب ہوئی تھی اگر ہٹلر اس جنگ میں فتحیاب ہو گیا تو وہ برطانوی سلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دے گا۔

جنگ خاص خاص امور کے متعلق آخری فیصلہ کر دیتی ہے۔ صرف غلط صلح ہی کچھ فیصلہ نہیں کر سکتی اسلئے ہمیں خاص طور پر محتاط رہنا چاہئے۔ کہ ہم جنگ کے آخر میں غلط صلح نہ کر بیٹھیں۔ ہمیں اپنے گذشتہ تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ وارسیلز میں جو سب سے بڑی غلطی کی گئی وہ یہ تھی۔ کہ خود حامیان صلح کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس قسم کی صلح کے خواہش مند ہیں۔ میں بھی برطانوی وفد کا ممبر تھا۔ مگر میں تمام واقعات کو نہایت اضطراب سے دیکھا کرتا تھا۔ دو اصول آپس میں ٹکراتے تھے۔ امریکی وفد کا خیال تھا کہ مختلف اقوام کے فیصلوں کا تصفیہ استدلال کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ فرانسیسیوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر اقوام استدلال پسند ہوں۔ تو پھر جنگوں کا سلسلہ ہی بند ہو جائے۔ اور معاہدات کی ضرورت ہی نہ محسوس ہو ان کو صاف نظر آ رہا تھا کہ جرمنی ایک نہ ایک دن مقابلہ میں آ جائیگا۔ چنانچہ انھوں نے رائن کا علاقہ طلب کیا۔ تاکہ مغربی یورپ اور جرمنی کے درمیان ناقابل عبور دیوار حائل کر دی جائے۔

ان دونوں اصولوں میں سے اگر ایک اصول پر بھی پوری طرح عمل درآمد کیا جاتا تو اس سے دائمی صلح کا مقصد حل ہو سکتا تھا۔ بنیادی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ سمجھوتہ کر لیا گیا۔ اس کی بجائے یا تو ایسی صلح ہوتی جس کو انصاف جائز قرار دیتا اور یا ایسی صلح ہوتی جس کی شرائط شمشیر کی نوک سے تسلیم کرائی جاتیں۔ چنانچہ جو شرائط صلح مرتب کی گئیں وہ اس حد تک بے انصافی پر مبنی تھیں کہ ان سے ناراضگی کی تخلیق ناگزیر تھی۔ اور ساتھ ہی یہ شرائط اتنی طاقتور بھی نہیں تھیں کہ ان سے ناراضگی کی روک تھام اور سد باب ہو سکے۔

علاوہ اس کے اور متعدد غلطیاں بھی تھیں مثال کے طور پر یہ معاہدہ بہت جلد کر لیا گیا اس کے برخلاف پہلے ایک ابتدائی معاہدہ مرتب کیا جانا چاہئے تھا اور پھر اس کے ایک سال بعد اصل معاہدہ عمل میں آتا کیونکہ اس عرصے میں بھڑکے ہوئے جذبات جن سے سکون پیدا ہو جاتا۔ اور معاہدہ زیادہ بہتر فضا میں مرتب کیا جا سکتا معاہدہ میں اخراجات جنگ اور تلافی جانات کے متعلق دفعات شامل کر کے فاش غلطی کا ارتکاب کیا گیا اس کے علاوہ سب سے زبردست غلطی یہ کی گئی کہ معاہدہ کے بحث و مباحثات میں غیر جانب دار ممالک اور دشمن کو بھی شامل کیا گیا۔ ایک بھاری کمی معاہدہ میں یہ تھی۔ کہ اس میں ناراضگی کا جذبہ پنہاں تھا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ معاہدے میں ان لوگوں کی سزا کے لئے ایک جنگی جرائم کی دفعہ مقرر کی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں پر جنگ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو ان کو سزائیں دی جائیں

ہمیں گذشتہ معاہدہ کی غلطیوں سے جو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اسے مندرجہ ذیل طریقہ میں ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

(۱) گفت و شنید صلح میں جو لوگ شریک ہوں ان کے مافی الضمیر کے متعلق معلوم ہو جانا چاہئے کہ وہ کس قسم کے نظام کا احیا چاہتے ہیں۔

(۲) دشمن سے ابتدائی معاہدہ طاقت کے ذریعہ تسلیم کرایا جائے۔ ان شرائط میں فوجوں کا واپس ہونا اور غیر مسلح کیا جانا شامل ہونا۔ آخری معاہدہ میں دشمن سے ایسے امور تسلیم کرائے جائیں جن پر دنیا کے آئندہ سیاسی اور اقتصادی نظام کی بنیادیں رکھی جائیں۔

(۳) شکست خوردہ دشمن کو صلح کانفرنس میں بذریعہ نمائندہ شامل کیا جائے۔ اور اسکی تجاویز پر مناسب غور کیا جائے کانفرنس کا اجلاس کسی غیر جانب ملک میں منعقد ہو کانفرنس کے سکریٹری بھی اس ملک کے معزز شہری باشندوں میں سے چنے جائیں۔

(۴) مختلف حکومتوں کے جو نمائندے کانفرنس میں شریک ہوں۔ ان کے دو وفد ہونے چاہئیں حکومت کی پارٹی اور مخالف پارٹی۔ تاکہ دونوں اطراف کا نظریہ معلوم ہو جائے

(۵) کانفرنس کی جملہ کارروائی کو پوری طرح مشتہر کیا جائے۔ باقی رہا ہمارے جنگی مقاصد کا معاملہ تو حکومت برطانیہ کو یہ حق ہونا چاہئے کہ جب تک جنگی حالات کے متعلق پورا پورا یقین نہ ہو جائے۔ اس پر صلح کی شرائط کا اطلاق نہ کیا جائے۔ مگر برطانیہ کو یہ اظہار کر دینا چاہئے کہ وہ دوسرے ممالک کا ایک انچ علاقہ بھی لینے کا خواہشمند نہیں۔ حکومت برطانیہ طریقہ تشدد کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اور ایسے نظام کے احیا کے لئے جد و جہد کر رہی ہے جس میں دنیا کے تمام صلح پسند ملکوں کو تعمیری امور میں مساویانہ حق دیا جائے گا۔

ایک وقت ایسا تھا کہ انگلینڈ سات مختلف ریاستوں میں منقسم تھا۔ اور ریاستوں میں باہمی رقابت بھی جاری رہتی تھی۔ انگلینڈ اسوقت نرمی، اور صلح پسند سلطنت قرار دیا گیا جب یہ علحدہ علحدہ ریاستیں ایک دوسرے سے مدغم ہو گئیں اور سب نے بحیثیت مجموعی ایک مضبوط سلطنت کو جنم دیا۔ یہ پورا یقین ہو چکا ہے کہ یورپ اس وقت خوشحال براعظم بن سکتا ہے۔ جب کہ موجودہ ریاستیں میں سے ہر ایک مجموعی فائدے کے لئے اپنی اپنی آزادی کے کچھ حصے قربان کر دے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہم جمعیۃ الاقوام سے بھی کوئی بہتر انتظام قائم کر کے دکھائیں۔ ہمیں ممالک متحدہ یورپ کا قیام کرنا چاہئے۔

ممالک متحدہ یورپ میں ہر ایک ریاست اپنے سابقہ طریقوں پر مقامی معاملات کا بندوبست کرے گی۔ ایسے نظام کے ماتحت بین الاقوامی تعلقات مرکزی طاقت کے ذریعہ سرانجام پائیں گے۔ ممالک متحدہ یورپ کے قیام کے لئے زیادہ قربانی کی ضرورت نہیں۔ اس نظام کے ماتحت بھی ہمارا طرز معیشت اسی طرح قائم رہیگا۔ مگر اس طرح ایک ایسی دنیا کا احیا ہو جائیگا جس میں ظلم لالچ، اور دھوکا بازی کی گنجائش نہ ہوگی۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟ یہ جنگ کسی ایک خاص شخص کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے غرور و تکبر کا نتیجہ ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر تشویش کے لئے گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ اس جنگ کے بعد جو صلح ہوتی اسکی حقیقت بھی ایک حادثہ کے مختلف پہلوؤں کی نمائش سے زیادہ نہ ہوتی۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ اس جنگ کے نتائج بہت دور رس ہونگے۔ اس لئے امید کرنی چاہئے کہ آخری سمجھوتہ بھی بہت دور رس ہوگا۔ میرا ان امور پر اعتقاد ہے۔ اس لئے میں مستقبل کے متعلق قدرے مغموم ہوں۔ مگر میرا عزم پختہ ہے اور اس میں ذرہ بھر خوف نہیں ہے۔

STALIN

WHO BETRAYED

TROTSKY



اسٹالن

انقلاب روس میں ٹراٹسکی کا ایک دوست

بیشتر مبصرین کا خیال ہے کہ ٹراٹسکی کے قتل میں اسٹالن کا بھی ہاتھ تھا

ٹراٹسکی

دنیا میں ایسے انسان بہت ہی کم گذرے ہیں۔ جو بیک وقت علم و فضل کے اعتبار سے یگانہ روزگار بھی ہوں۔ بہترین مضمون نویس اور افسانہ نگار بھی ہوں۔ اور ساتھ ہی ان کی رگوں میں انقلاب کا خون دوڑ رہا ہو۔

ان شاذ و نادر ہستیوں میں ٹراٹسکی بھی شامل ہے جو اعلیٰ درجہ کا مضمون نویس۔ زبردست ادیب۔ اور بہترین افسانہ نگار تھا وہ انقلاب کا مجسمہ تھا۔ جو تمام عمر سیاست کے خارزار سے الجھا اور جو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہوا بڑھتا رہا وہ صحرائے انقلاب کا دیوانہ تھا سکون و آزادی کی تلاش میں سر بکف ادھر سے ادھر مارا مارا پھرا۔

ٹراٹسکی کا اصلی نام لیون ڈیوڈ و وچ برونسٹین تھا۔ وہ کسی امیر کبیر گھرانے کا چشم و چراغ نہ تھا بلکہ ایک متوسط درجے کے یہودی خاندان کا ایک فرد تھا جس کی پیدائش ایلیز اوٹیگارڈ کے قریب ہوئی اور اوڈیسہ کے پال اور پیٹر کے اسکول اس کی ابتدائی تعلیم کا گہوارہ بنے۔

ابتدائی تعلیم کے اختتام کے بعد وہ اسی شہر کی یونیورسٹی میں تحصیل علم سے فارغ ہوا۔

وجہ تسمیہ۔

۱۸۹۸ء میں انقلاب پھیلانے کے الزام میں اس کو سب سے پہلی مرتبہ گرفتار کیا گیا اور کچھ دنوں کے بعد اس کو مشرقی سائبیریا کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ ابھی مشکل سے چار سال گذرے تھے۔ کہ اس نے ٹراٹسکی کے نام کا ایک جعلی پاسپورٹ بنایا اور چپکے سے انگلستان چلا گیا اب یہ لیون ڈیوڈ ٹراٹسکی تھا۔ اور عام طور پر اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس وقت وہ ایک کم عمر نوجوان تھا۔ مگر اپنی قابلیت اور ذہانت کی بدولت بہت جلد سوشل ڈیماکریٹ جماعت کا ممبر بن گیا۔ اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ اسی جماعت میں پلیکن آف اور لینن بھی شامل تھے۔

یہ سب کچھ ہوا۔ مگر ادبی دنیا اس سے بے خبر تھی لیکن یہ کمی اس نے روس کے ایک انقلابی اخبار اسکرہ (شعلہ) میں مضمون نگاری کر کے پوری کر دی ۱۹۰۵ء میں وہ روس واپس آیا۔ اور سینٹ پیٹرز برگ سویٹ ورکرز کا ممبر منتخب ہو گیا۔ یہ اس جلسہ کا صدر بنایا گیا۔ جس میں تمام سویٹ

انقلابی گرفتار کر لئے گئے۔ اور ساتھ ہی ٹراٹسکی بھی گرفتار ہو کر ٹوبلسوک روانہ کر دیا گیا۔ لیکن ٹراٹسکی خاموش بیٹھنے والا انسان نہ تھا وہ سائبیریا پہنچتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور وائنا جا کر قیام پذیر ہوا۔ یہاں وہ آربیٹر ولنگ اور پرودا میں کام کرتا رہا سنہ ۱۹۱۰ء میں اس نے سوشل ڈیماکریٹک کانگریس کے اجلاس منعقدہ کوپن ہیگن میں اپنے خیالات اور اپنی پوزیشن کا اظہار کیا۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں ٹراٹسکی جنگی نامہ نگار کی حیثیت سے قسطنطنیہ میں کام کرتا رہا سنہ ۱۹۱۴ء میں پیرس اور زیورچ میں ایک انقلابی پرچہ کی اشاعت نہایت سرگرمی سے کرتا رہا۔ جرمن زبان میں اس نے جنگ عظیم پر ایک کتاب لکھی اور گرفتار ہو کر ۷ مہینہ تک جیل میں بند رہا۔ اس نے اتحادیوں کے ملک میں بھی جنگ کی مخالفت کی اور آخر کار سنہ ۱۹۱۶ء میں فرانس سے نکال دیا گیا۔

جس وقت وہ ہسپانیہ کی سرحد پار کر رہا تھا۔ گرفتار کر لیا گیا۔ گر جب اس نے امریکہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو رہا ہو گیا۔ امریکہ میں اسنے ایک روسی انقلابی صحیفے کی اشاعت شروع کی

بالشویک انقلاب اور ٹراٹسکی

جب مارچ سنہ ۱۹۱۷ء میں انقلاب کی آندھیاں چلیں اور ملک روس کا بچہ بچہ شاہنشاہیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہوا تو ٹراٹسکی کے دوستوں اور اس کے رسالہ کے خریداروں کو اس کی یاد آئی۔ چندہ جمع کیا گیا تھا کہ روس بلایا جائے مگر عین موقعہ پر برطانوی حکام نے ہیلی فیکس میں اسکو نظر بند کر دیا۔ وہ وہاں اس وقت تک بند رہا جب تک کہ خود حکومت روس نے اس کی رہائی کی درخواست نہیں کی۔

ٹراٹسکی لینن کے بعد ہی پیٹروگریٹ پہونچا اس نے بالشویک جماعت سے راہ ورسم پیدا کی لیکن سنہ ۱۹۱۷ء تک وہ اس جماعت کا باقاعدہ رکن نہیں تھا۔ سنہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس میں لینن کے ساتھ حصہ نہیں لیا۔

ٹراٹسکی اس روسی وفد کا خاص رکن تھا جو صلح نامہ (BREST, LITOVSK-PEACE TRETY) میں شریک تھا۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انقلاب کا ایک روشن پہلو یہ بھی تھا کہ جرمن قوم میں روس کے خلاف جارحانہ اقدام پر قادر نہ رہی تھی ٹراٹسکی نے جرمن مطالبات کے جواب میں روس کی طرف سے اعلان شائع کیا کہ اب لڑائی ختم کی جاتی ہے اور روس کی جرار فوجیں اپنی اپنی چھاؤنیوں میں واپس چلی جائیں گی۔ لیکن اس کے بعد بھی جرمن فوجیں بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔

لینن کی مخالفت

لینن نے ٹراٹسکی کی رائے کی مخالفت کی کیونکہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا اور لینن جانتا تھا کہ جرمن نہایت آسانی کے ساتھ پیٹروگریٹ فتح کر سکتے ہیں۔ کافی مباحثہ کے بعد ٹراٹسکی نے اعلان کیا کہ وہ لینن کا ہم خیال ہے اور کثرت رائے کے سبب سے ایک پہلے سے بھی زیادہ سخت شرائط کے معاہدے پر دستخط کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ چیکرین کی جگہ ٹراٹسکی وزیر خارجہ مقرر ہوا۔ مخالفت شدید کے باوجود اس نے سرخپوشوں کی تنظیم کی اور ان کی ایک فوج بنانے کے لئے اکثر پرانے افسروں کو چنا۔ اس نے اس زبردست فوج کا استعمال باریل کے زبردست حادثے کے موقعہ پر کیا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں "مزدوروں کی فوج" کی تنظیم ہوئی جو محاذ جنگ پر جانے کے لئے نہیں تھی۔ جدید اقتصادی اسکیم کے اجراء سے قبل ٹراٹسکی صنعتی اصلاحات پر زور دیتا تھا۔ لیکن اس نے اس جدید اسکیم کو منظور کر لیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں جنگ پولینڈ کی اس نے مخالفت کی جس پر بعد میں لینن نے حکومت کی۔

اشتعال کا الزام

سنہ ۱۹۲۳ء کے موسم خزاں میں حامیان اولڈ گارڈ اس کی پالیسی سے مخالف ہو گئے اور ٹراٹسکی پر نوجوانوں کو مشتعل کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اسٹیلن اور زنوئف و فولو اور اس کے ساتھیوں نے اس کو خوب پیٹا۔ اس کے بہت سے دوست برطرف ہو گئے۔ اور خود ٹراٹسکی بھی لینن کی وفات کے بعد کوہ قاف کی طرف اپنا علاج کرانے چلا گیا۔

روسی انقلاب کے زمرہ میں لینن اور ٹراٹسکی کا نام ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ لیکن لینن کی وفات کے بعد یہ تنہا رہ گیا۔ انتہاپسندوں کے قانون کے مطابق وہ آدمی لیڈر بنایا جاتا تھا جو سب سے پرانا ہو اور اس کی قربانیاں بھی سب سے زیادہ ہوں۔ انتہاپسند جانتے تھے کہ ٹراٹسکی سنہ ۱۹۱۷ء میں اس جماعت میں شریک ہوا۔ لہذا اس کے خلاف سازش کی گئی۔ اور کوہ قاف سے واپسی کے بعد بجائے وزیر خارجہ کے اس کو محکمہ ترقیات کا انچارج بنا دیا گیا۔

ٹراٹسکی کی جلاوطنی

سنہ ۱۹۲۵ء میں اس نے اس عہدہ سے استعفا دیا پھر اس کو سنٹرل کنسیشن کمیٹی کا انچارج بنا دیا گیا سنہ ۱۹۲۷ء میں انتہاپسندوں نے اس کو اپنی جماعت سے الگ کر دیا۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں اس کو جلاوطنی کی سزا دی گئی اور وہ ورنئی (ترکستان) بھیجدیا گیا۔ اور سنہ ۱۹۲۹ء میں قسطنطنیہ روانہ کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں وہ ناروے رہنے لگا۔ اور سنہ ۱۹۳۷ء میں اس کا قیام میکسیکو میں ہوا۔

سنہ ۱۹۳۶ء میں اس پر اسٹیلن کے قتل کی سازش کا الزام لگایا گیا جس کی اس نے سخت تردید کی۔ اس نے انقلاب اور لینن پر کئی کتابیں لکھیں۔

میکسیکو میں ۲۱ اگست سنہ ۱۹۴۰ء کو جب کہ وہ ایمبولنس کی گاڑی میں سوار ہو کر اسپتال جارہا تھا فرینک جونسن نامی ایک یہودی نے کلہاڑے سے حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا۔ ٹراٹسکی کے خیال کے مطابق فرینک کسی خاموش جماعت کا رکن تھا۔

ٹراٹسکی کا قتل

ٹراٹسکی نے مرنے سے قبل کہا کہ مجھ پر سیاسی کشیدگی کی بنا پر حملہ کیا گیا ہے۔ مگر حملہ آور حملہ کے درمیان کہہ رہا تھا کہ انہوں نے میری ماں کو قید کیا ہے

آخری پیغام

ٹراٹسکی نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت کہا کہ فورتھ انٹرنیشنل یقیناً کامیاب ہو کر رہے گی۔ ہر شخص کو مردانہ وار بڑھنا چاہئے۔

ایّام جنگ میں کفایت شعاری کے لئے

-/15/-



3/8



1/15



4/15



Bata

CHONCH WAR EDITION

آگ کی بارش

(از، جمال صابری ایڈیٹر ہفتہ وار "شباب" علیگڈھ)

(۱)

قورم کے ظالم اور وحشی صفت ڈکٹیٹر فرساب کے زہر اگلنے کے ساتھ ہی کمزور اور پُرامن ملک قرجم کے مشہور اور خوبصورت شہر وارفا پر آگ برسنے لگی۔ فرساب کے ہوائی جہاز بادلوں کی طرح گرج گرج کر وارفا پر بمباری کر رہے تھے آسمان حیرت سے انسان کے تاریخی کارناموں کو دیکھ رہا تھا اور زمین پر ایک نئے قسم کی قیامت برپا تھی۔ وارفا کے بے گناہ باشندوں کو صرف اس لئے پیسا جا رہا تھا اور محض اسی خطا پر فنا کے گھاٹ اتارا جا رہا تھا کہ وہ وارفا میں کیوں آباد ہیں۔ خونی فرساب کے خونی ہوا باز دن بھر آنکھیں بند کر کے وارفا پر آگ برساتے رہے اور آخر وارفا کے ۷۵ فی صدی عالیشان اور مضبوط مکانات راکھ کے ڈھیروں میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ یہ ڈھیر صرف راکھ ہی کے نہ تھے بلکہ ان میں وارفا کے لاکھوں مردوں، عورتوں، اور معصوم بچوں کی ہڈیاں بھی شامل تھیں جن پر اب ننگ انسانیت فرساب کی حکومت تھی۔ قوم کے وحشیوں کی فوج پلیگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ بے پناہ آگ کی بارش سے وارفا کے جو بیکس ولاچار باشندے بچ گئے تھے انہوں نے مجبوراً فرساب کے سامنے سر جھکا دیا تھا ان مظالم کی خوشی میں قورم میں شادیانے بج رہے تھے۔ خدا کی کمزور مخلوق کو کچل کر فرساب اپنی موٹی موٹی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا گویا چند روز کے لئے شیطان فاتح تھا، ظلم مسرور، اور بربریت کامیاب۔ مگر حق و صداقت کی آواز اب بھی وارفا کی فضاؤں میں گونج رہی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرساب نے وارفا کے باشندوں کو مٹانے میں کوئی کمی نہ کی تھی مگر ان کی روح کو نہ کچل سکا تھا روح اب بھی دبی ہوئی لاشوں اور جلی ہوئی ہڈیوں کی زبان سے وارفا کی آزادی کا گیت گا رہی تھی۔

(۲)

"اے خدا تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے بنائے ہوئے خوبصورت کھلونے کس طرح توڑ توڑ کر پھینکے جا رہے ہیں!"

وارفا کی ایک برباد شدہ گلی سے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی یہ جوان آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز خوبصورت اور دراز قد مریم کی تھی جو اپنے چھ سالہ چھوٹے بھائی کی جلی ہوئی لاش کو سینہ سے لگائے ہوئے رو رو کر خدا سے اس طرح شکوہ کر رہی تھی۔

"اے زمین و آسمان کے بنانے والے! اے انسان کو عقل کی بیش بہا دولت عطا فرمانے والے!! اے ظالموں اور سرکشوں کو سزا دینے والے!!! بتا کہ وارفا کے باشندوں نے کیا قصور کیا تھا۔ میرے اس معصوم بھائی کی کیا خطا تھی۔ میرے ماں باپ کی نشانی مجھ سے کیوں چھین لی گئی۔ میرا وہ مکان کیوں برباد کر دیا گیا جو میرے باپ نے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے بنوایا تھا۔ میں اپنے بھائی کی لاش کو لے کر کہاں جاؤں۔ وارفا کے باشندوں پر دنیا تنگ کر دی گئی ہے۔

اے رحم و کرم والے خدا! کہتے ہیں کہ تو قہار بھی ہے۔ کیا تیرا قہر صرف نمرود، فرعون، شداد اور ضحاک کے لئے تھا۔ قورم کے ملعون حاکم کے لئے نہیں؟ اے قہار و جبار! میری فریاد سن لے مجھے فرساب کے لئے تیرے قہر کی ایک بجلی چاہیئے صرف ایک بجلی جو میرے بھائی کی طرح فرساب اور اس کی فوج کو بھی جلا کر راکھ کر دے"

یہ کہہ کر مریم نے اپنے بھائی کے منہ پر منہ رکھ دیا اور چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک انسان نما درندہ اس کے پاس کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے۔ مریم نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور چاہا کہ یہ درندہ آگے جا کر کسی اور غریب کا خون چوس لے۔ مگر میرے پاس سے چلا جائے۔

"یہ کیسا گیت گایا جا رہا ہے؟"

یہ الفاظ سن کر مریم نے پھر سر اٹھایا اور حیرت کے ساتھ قورم کے فوجی افسر کو دیکھا اور کہا:-

"تم کون ہو؟"

فوجی افسر نے جواب دیا:

"وارفا میں داخل ہونے والی فرساب کی فوج کا افسر اعلیٰ شائیل"

یہ جواب سن کر مریم نے حقارت کی نظر سے شائیل کو دیکھا اور خاموش ہو گئی۔ شائیل نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر کہا:-

"تم ابھی ابھی یہ کیسا گیت گا رہی تھیں؟"

مریم:- "گیت؟"

شائیل:- "ہاں تم گیت ہی گا رہی تھیں نا اور بالکل نیا گیت"

مریم:- (غور سے شائیل کو دیکھ کر) تم اس گیت سے واقف نہیں؟"

شائیل:- "نہیں، ہمارے قورم میں ایسے گیت کبھی نہیں گائے جاتے بلکہ (قہقہہ لگا کر) اس قسم کے ترانے گائے جاتے ہیں"

مریم:- (آنکھیں پھاڑ کر) "اُف!"

شائیل:- (مریم کے بالکل قریب آ کر) لڑکی! ہمارے یہاں جو گیت گائے جاتے ہیں اس کا نمونہ تو نے سنا؟"

مریم:- "سنا، مگر بیس سال ہوئے جب قورم میں بھی یہ گیت گائے گئے تھے تمہیں کچھ یاد ہے؟

شائیل:- "مجھے یاد نہیں میں ایسی لغو باتیں یاد نہیں رکھتا"

مریم:- "ممکن ہے تمہیں یہ گیت پھر گانے پڑیں

شائیل:- "(مسکرا کر) ناممکن......

مریم:- (بات کاٹ کر) ....کہ فرساب خدا سے جنگ کر سکے"

شائیل:- "ہم خدا کے نہیں بلکہ ان بیوقوفوں کے خلاف طاقت استعمال کر رہے ہیں جو ہمارے

سامنے سر نہیں جھکاتے"

مریم :- " مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ سر کے ساتھ دل بھی جھکے"

شائیل :- " قورم کا ہوائی سیلاب یہ کچھ نہیں جانتا وہ صرف یہ دکھانا چاہتا ہے کہ فرساب کے سامنے دنیا کا سر جھکا ہوا ہے"

مریم :- " خواب تو اچھا ہے تعبیر جو کچھ بھی ہو"

مریم کے اس جواب سے شائیل کے ماتھے پر شکن پڑ گئی اس نے اپنی آواز میں گرمی پیدا کرتے ہوئے کہا :-

" گستاخ لڑکی ! یہ خواب نہیں، عالم بیداری ہے دیکھ ! انسانوں کے ساتھ مکانات کے سر بھی فرساب کے سامنے جھکے ہوئے ہیں"

مریم :- (ٹوٹے ہوئے مکانات کی طرف دیکھ کر) " بیشک فرساب کچھ عرصہ تک کمزوروں کو فنا کر سکتا ہے مگر ان کے دلوں کو اپنے سامنے نہیں جھکا سکتا۔ ان کے پاکیزہ خیالات پر بھی قبضہ نہیں کر سکتا اور نہ ان کی بھیگی ہوئی آنکھوں میں سمانے کی جرأت کر سکتا ہے"

شائیل :- " ہم کسی کی آنکھوں میں سمانا نہیں چاہتے۔ ہمیں اس کی فرصت ہی نہیں ہے۔ ہم اپنے پروگرام کے مطابق آگے بڑھ رہے ہیں اور بڑھتے رہیں گے اور آخر ایک دن ساری دنیا پر ہماری حکومت ہوگی"

مریم :- (حیرت کے ساتھ) کیا ؟

شائیل :- (الفاظ پر زور دے کر) ساری دنیا پر ہماری حکومت ہوگی۔ سمجھی ؟

یہ سن کر مریم اپنے بھائی کی لاش کو زمین پر رکھ دیتی ہے اور کھڑی ہو جاتی ہے۔

مریم :- اگر تمہارے یہ ارادے ہیں تو تمہیں اب خدا سے ضرور جنگ کرنی ہوگی۔

شائیل :- ہم اپنے مقصد کے لئے ہر ایک سے جنگ کریں گے اور اس کی ہم تیاری کر چکے ہیں

مریم :- خدا سے جنگ کرنے کی تیاریاں ؟

شائیل :- ہر ایک سے

مریم :- (منہ بنا کر) اس وقت جبکہ جنگ ہو رہی ہو فوج کے افسروں کو زیادہ شراب نہ پینی چاہئے

شائیل :- (بلند آواز سے) لڑکی !

مریم :- (آواز بلند کر کے) وحشی فرساب کے ظالم افسر کے سامنے میں جھوٹ نہیں بول سکتی۔

شائیل :- یہ گستاخی

یہ کہہ کر شائیل نے مریم کو زور سے دھکا دیا۔ مریم اپنے بھائی کی لاش پر گر پڑی ابھی مریم سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ شائیل کی ٹھوکر مریم کے سر پر پڑی۔ سر سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ قورم کا بھیڑیا شائیل مریم کو خون میں نہاتا دیکھ کر خوش ہوا اور منہ سے سیٹی بجاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ مریم اپنا خون چلّو میں لے کر مسکرائی اور اس نے کہا :-

" کیا ہم غریب ہیں۔ کیا ہم لاچار اور بیکس ہیں کیا ہم یتیم ہیں۔ اور کیا ہم خدا کے بندے ہیں (کچھ ٹھہر کر) نہیں نہیں ہم نہ بیکس ہیں اور نہ یتیم اور نہ خدا کے بندے اگر ہم کچھ ہوتے (رک کر) تو ہمیں قورم کے درندے اس طرح برباد نہ کرتے۔ اتنی آزادی کے ساتھ خون کی ندیاں نہ بہاتے اور اس قدر وحشیانہ طریقہ سے ہماری ہڈیاں نہ چباتے۔

مریم کی آواز رک جاتی ہے مگر آنسوؤں کی زبان سے وہ سب کچھ کہہ دیتی ہے جو زبان سے ادا نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے معصوم رخساروں پر دریا بہتا نظر آتا ہے۔ اسی عالم میں مریم اپنے بھائی کی لاش کو گود میں اٹھا لیتی ہے اور کہتی ہے :-

" چل بھائی چل ! کہیں اور چل کر خدا کو تلاش کریں اور اپنی یہ حالت دکھائیں۔ اسے ہم ہر جگہ ڈھونڈیں گے۔ وہ ہمیں ضرور مل جائے گا اس سے ہم دریافت کریں گے کہ انسان آخر جانور کیوں بن گیا ہے، اسے بتانا ہوگا کہ معصوم بچوں نے کیا قصور کیا ہے کہ وہ بھی روندے جا رہے ہیں۔

اسی طرح اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہوئی مریم وہاں سے روانہ ہو گئی۔ بالکل دیوانی معلوم ہوتی تھی۔ راستہ میں کئی جگہ فرساب کے سپاہیوں نے مریم کو روکنا چاہا مگر اس نے کسی کی نہ سنی۔ وہ برابر بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ نگاہوں سے بچ بچ کر اس مقام پر آ گئی، جہاں سے دوسری دنیا شروع ہوتی ہے۔ خاموش، پرسکون اور عبرتناک۔

(۳)

مریم بمباری سے تباہ کئے ہوئے ایک قبرستان میں اس طرح داخل ہوئی جس طرح کوئی بچہ اپنا کھلونا ٹوٹ جانے کے بعد اپنے باپ کے پاس روتا ہوا آتا ہے۔ مریم کے ہاتھوں پر اس کے بھائی کی لاش ایک ٹوٹے ہوئے کھلونے کی طرح تھی جسے وہ کسی طرح جدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ کھلونا اس کی زندگی کا سہارا تھا اور خوبصورت سہارا۔ مریم روتی ہوئی، بلکتی ہوئی اپنے باپ کی قبر پر آئی۔ لاش کو ایک طرف رکھ دیا اور خود اس طرح قبر پر گر گئی جس طرح پھول بعض وقت گلچیں کے دامن میں گر جاتا ہے اس نے آنکھوں سے خون بہاتے ہوئے کہا :-

" افسوس ظالم فرساب کے بزدل ہوا بازوں نے قبر میں بھی آپ کو چین سے نہ سونے دیا قبرستان جیسی پُرامن جگہ کو بھی معاف نہ کیا اور شاید اس لئے کہ اگر یہ مرنے والے زندہ ہوتے تو اپنی اور اپنے وطن کی آزادی کے لئے فرساب کے خلاف ضرور جنگ کرتے۔ پاپا ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ قورم کے یہ خونخوار اور آپ کے بچوں پر کیسا ظلم ہو رہا ہے۔ بتایئے پاپا میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں دیکھئے آپ کا لاڈلا بیٹا آپ کے پاس پڑا ہے اسے بھی فرساب کے ڈاکوؤں نے معاف نہ کیا۔ معصوم بچہ بم کی لپیٹ میں آ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ آپ کے پڑوس میں رہنے والے غریب مزدور بھی مکانات کے نیچے دب گئے۔ شہر کو ویرانہ بنا دیا گیا پاپا ان کی روحیں کس سے فریاد کریں۔ ظالم مارتے ہیں اور رونے نہیں دیتے۔ ظالموں نے وہ کھلونا بھی توڑ دیا جس سے میں کھیلا کرتی تھی۔ اب دنیا میرے لئے جہنم سے بدتر ہے۔ میں زندہ رہنا نہیں چاہتی پاپا مجھے بھی اپنے پاس بلا لیجئے پاپا میں آپ کے پاس آکر آرام کی نیند سونا چاہتی ہوں پاپا پاپا !

یہ کہتے کہتے مریم بیہوش ہو گئی۔ اس بیہوشی کے عالم میں اس نے اپنے باپ کو دیکھا اور ساتھ ہی اس کی زبان سے یہ الفاظ سنے :-

" بیٹی مریم ! عیش و آرام بھی انسان کے لئے ہے اور مصیبتیں بھی انسان پر آتی ہیں۔ ظلم کی عمر کم ہوتی ہے۔ قورم کے وحشیوں کے مظالم چند روزہ ہیں قدرت کا ہاتھ فرساب کی طرف بڑھ چکا ہے۔ دنیا کی عظیم ترین سلطنت برطانیہ نے فرساب کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ بیٹی، وہ وقت قریب ہے کہ قدرت فرساب کی گردن توڑ کر رکھ دے گی۔ اٹھ ! تو بہادر باپ کی بیٹی ہے۔ تو نے جفاکش انسانوں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ہمت سے کام لے۔ میرے لاڈلے بچے کو میری قبر کے پاس دفن کر دے اور جا اپنے وطن کی آزادی کیلئے

فرساب کے خلاف جو کچھ کر سکتی ہے وہ کر۔ خدا تیری مدد کرے گا"

مریم اپنے باپ کے یہ الفاظ سن کر ایک دم چونک پڑی۔ اس نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر کچھ غور کرنے لگی۔ اب مریم کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے بلکہ غصہ تھا۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون زیادہ سرخ اور گرم ہو گیا تھا۔ اب وہ ایک بہادر سپاہی اور ایک مضبوط انسان کی بیٹی تھی وہ جلدی سے اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔ اس فرض کو ادا کرنے کے بعد وہ اپنے باپ کی قبر کے سامنے آنکھیں بند کرکے کھڑی ہو گئی۔ اس کے رخساروں پر پھر آنسو بہنے لگے۔ یہ آنسو غم کے نہ تھے بلکہ جرأت و استقلال کے آنسو تھے۔ چند منٹ کے بعد قبرستان کی روحوں نے اسے ہوا کے تیز جھونکے کی طرح جاتے ہوئے دیکھا مریم قبرستان سے نکل کر فرساب کو یاد کرتی ہوئی جنگل کی طرف روانہ ہو گئی اور بالکل اسی طرح جیسے کوئی بھوکی شیرنی اپنے شکار کی تلاش میں نکلتی ہے

(۴)

ظلم و استبداد کی بھی ایک حد ہوتی ہے فرساب کی فوجوں نے کمزوروں اور غریبوں پر اتنے مظالم کئے تھے کہ وہ تھک گئی تھیں۔ اور اس قدر کافی تعداد میں مکانات اور ان کے بسنے والوں کو تباہ و برباد کیا تھا کہ ان کی روحیں ان کے جسموں میں بسنے سے گھبرا رہی تھیں۔

موسم سرما شروع ہو چکا تھا۔ اب فرساب کے لئے جنگ کرنا دشوار اور دشوار تر ہو گیا تھا۔ سرطائن کی تازہ دم فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی چلی آ رہی تھیں مگر دنیا کا سب سے بڑا دھوکے باز اور مکار فرساب اب بھی دنیا کو تباہ کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

ایک صبح کے وقت فرساب اپنے خونی امدادوں کے ساتھ قورم کی ایک چھاؤنی میں فوج کا معائنہ کر رہا تھا کہ اس کے سامنے ایک لڑکی پیش کی گئی یہ لڑکی مریم تھی۔ فرساب نے مریم کو غور سے دیکھا اور کہا:۔

"تو کون ہے؟"

مریم:۔ بدقسمت شہر قرجم کی ایک یتیم لڑکی!

فرساب:۔ یتیم لڑکی! کیا تیرے باپ لڑائی میں مارے گئے؟

مریم:۔ میری طرح وہ بھی بدقسمت تھے کہ لڑائی سے پہلے ہی بیمار ہو کر مر گئے۔

فرساب:۔ (چونک کر) اس کا مطلب؟

مریم:۔ (اپنے کو سنبھال کر) مطلب یہی کہ اگر میرے پاپا زندہ ہوتے تو وہ بھی قورم کی فوجوں کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرتے۔

فرساب:۔ (مسکرا کر) شاباش

مریم:۔ شکریہ!

فرساب:۔ اچھا لڑکی تو چاہتی کیا ہے؟

مریم:۔ جنگ

فرساب:۔ کس سے؟

مریم:۔ اپنے دشمن سے

فرساب:۔ تیرا دشمن کون ہے؟

مریم:۔ جس نے میرا مکان بم سے تباہ کر دیا جس نے میرے چھوٹے بھائی کو جلا کر کوئلہ بنا دیا اور جس نے اس قبرستان پر بھی بمباری کر ڈالی جس میں میرے پاپا کی قبر ہے۔ زندوں کے ساتھ مرنے والوں کو بھی پیس ڈالا۔

فرساب:۔ وہ کون ہے؟

مریم:۔ چونک کر اور آنکھوں میں آنسوؤں کو روک کر) وہ ظالم ہے اور انسانیت کو بدنام کرنے والا شیطان!

فرساب:۔ جس نے تمہاری جیسی خوبصورت اور معصوم کو ستایا وہ واقعی شیطان ہے۔

مریم:۔ شیطان سے زیادہ ناپاک

فرساب:۔ بیشک وہ ایسا ہی ہے مگر یہ تو بتا لڑکی وہ کون ہے؟

مریم:۔ آپ جانتے ہیں اس ناپاک انسان کو

فرساب:۔ کیا میں جانتا ہوں؟

مریم:۔ جی ہاں آپ اسے جانتے ہیں

فرساب:۔ اس کا نام؟

مریم:۔ شائیل اور اس کا دوسرا فرساب۔

فرساب:۔ (حیرت کے ساتھ) فیلڈ مارشل شائیل اور میں۔

فرساب کی آنکھیں غصہ کی وجہ سے باہر نکل آئیں" کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سرطائن کے ہوائی جہاز تیروں کی طرح قورم کی طرف آئے اور گھٹا کی طرح چھا گئے آسمان سے پانی کی بجائے آگ کی بارش شروع ہو گئی فرساب اس بے پناہ حملے سے گھبرا گیا اور وہ پاگل کتے کی طرح بھونک بھونک کر جنگ کے احکام صادر کرنے لگا۔ فرساب کو مریم کا ذرا بھی خیال نہ رہا اسی حالت میں شائیل بھاگتا ہوا آیا اور فرساب سے تہہ خانے میں چھپ جانے کے لئے کہا۔ ابھی فرساب نے شائیل کے مشورہ کا جواب بھی نہ دیا تھا کہ ایک بم قریب ہی آ کر گرا اور دھماکے کے ساتھ ہی شائیل کے جسم کے ٹکڑے زمین پر پڑے ہوئے نظر آئے فرساب بھی زخمی ہوا اس پر بھی وہ وہاں سے بھاگا مگر زیادہ نہ بھاگ سکا۔ کیونکہ مریم کے پستول کی چھ گولیاں فرساب کے سینہ میں داخل ہو چکی تھیں اس کے ساتھ ہی فرساب کے سپاہی کی گولی مریم کو بھی ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کر چکی تھی۔

سرطائن کے بہادر ہوا باز قورم کی طیارہ شکن توپوں کی گولہ باری کے باوجود بارہ گھنٹے متواتر آگ برساتے رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے قورم کے تمام فوجی مقامات کو خاکستر کر دیا تھا سرطائن کا ہوائی حملہ کیا تھا ایک قہر الٰہی تھا جس نے قورم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ فرساب کی فوجوں نے مقابلہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر فرساب اور شائیل کے مارے جانے سے فوجوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ اب بہتر قسم کا لالچ دینے والے اور انسانوں کو جانور اور وحشی بنانے والے موجود نہ تھے اس لئے صبح ہونے سے پہلے ہی قورم کی فوجوں نے سرطائن کی حکومت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب صبح ہوئی تو چشم فلک نے حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ شہر قورم اور قورم کی ساری حکومت پر جس کا ڈکٹیٹر ساری دنیا پر قبضہ کرنے کے لئے گھر سے نکلا تھا سرطائن کی بہادر فوجوں کا قبضہ تھا۔ قورم میں سینکڑوں قسم کے چرچے ہو رہے تھے مگر سب سے زیادہ مریم کی بہادری کا چرچا تھا جس نے فرساب کا کام تمام کیا تھا۔

ظلم کی عمر کم ہوتی ہے۔ حکومت سرطائن ظلم اور بربریت کے خلاف میدان میں آئی۔ قدرت نے سرطائن کے بہادروں کے ہاتھ سے فرساب کے مظالم کا خاتمہ کرا دیا۔ دنیا قیامت تک سرطائن کی حکومت کے گیت گائے گی اور فرساب کا نام ہمیشہ کتوں اور بھیڑیوں کے ساتھ لیا جائے گا۔

❖

موجودہ جنگ کیوں ہو رہی ہے؟

(از:- جناب حکیم حسن احمد عباسی)

یہ یقین تھا کہ معاہدۂ وارسلز کے بعد بین الاقوامی معاملات کی پیچیدگیاں نہیں پیدا ہوں گی۔ لیکن معاہدہ کرنے والے یہ فراموش کر گئے تھے کہ اس سے قبل ہزاروں معاہدے جو اٹل معلوم ہوتے تھے نقش برآب ثابت ہوئے۔ سنہ ۱۶۶۵ء، سنہ ۱۷۱۳ء، سنہ ۱۷۴۸ء سنہ ۱۷۶۳ء اور سنہ ۱۸۱۵ء میں جو معاہدے ہوئے تھے وہ مشکل سے پچیس برس تک قائم رہے سنہ ۱۸۱۵ء سے سنہ ۱۹۱۴ء تک یعنی نپولین کی ہار کے بعد تقریباً پچاس مرتبہ یورپ کی سرحدوں میں تبدیلیاں ہوئیں لیکن انھی تبدیلیوں کا نتیجہ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں ظہور پذیر ہوا۔

جن لوگوں نے معاہدہ وارسیلز کو آخری سمجھا تھا وہ مستقبل کے متعلق اتنی ہی تاریکی میں تھے جتنے ان کے اسلاف۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ عظیم سے پہلے جس طرح یورپ کی قومیں تبدیلیاں کرنا چاہتی تھیں۔ اس سے کہیں زیادہ سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد ان تبدیلیوں کے لئے بے چین تھیں

آبادی کا تناسب۔ معاشی ضروریات۔ اقتصادی مشکلات۔ بیکاری کا مسئلہ اور اسی قسم کے دیگر لاینحل مسائل وارسیلز کے معاہدہ سے اور بھی پیچیدہ تر ہو گئے۔

ترک چاہتے تھے کہ یونانیوں سے اپنے مقبوضات دوبارہ حاصل کریں۔ پولینڈ والے لیتھونیا کے دارالسلطنت کو دوبارہ اپنا دارالسلطنت بنانا چاہتے تھے۔ لیتھونیا والے میمل پر دانت لگائے بیٹھے تھے۔ میمل اور ڈینزگ والے دوبارہ ریخ سے مل جانا چاہتے تھے۔ ہوڈیٹن جرمن۔ ہنگری والے اور پولینڈ والے جو ان علاقوں میں آباد تھے جو چیکوسلیویکیا، رومانیہ اور یوگوسلیویا کو دیدیئے گئے تھے، دوبارہ اپنی حکومتوں کو واپس جانا چاہتے تھے۔ جرمنی اپنے مقبوضات اور نوآبادیات کو واپس لینا چاہتا تھا اور اٹلی والے روما الکبریٰ کا خواب دیکھ رہے تھے۔ جاپانی اپنی تجارتی ترقی اور کوہ آتش فشاں علاقہ میں ضرورت سے زیادہ آبادی کے لئے جگہ کی تلاش میں تھے۔ بغرض چنگاریاں بھڑک رہی تھیں اور

نغمے بے چین تھے تاروں سے نکلنے کیلئے

کہ جرمنی کی سرزمین سے ایک رنگ ساز سپاہی اٹھا اور سخت ترین رکاوٹوں کے باوجود جرمنی میں برابر حیثیت حاصل کرتا گیا یہاں تک کہ آج وہ جرمنی کی اتنی بڑی شخصیت ہے کہ شاید اس سے پہلے جرمنی میں کوئی آدمی ایسا نہیں پیدا ہوا۔ ہٹلر جس سے آج ساری دنیا کانپ رہی ہے جو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور جس کے معمولی اشارے پر تمام جرمن اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، معاہدۂ وارسیلز کا نہایت ہی بھیانک نتیجہ ہے۔ ہٹلر کی ترقی کا راز یہی ہے کہ اس نے زخم خوردہ جرمنوں میں معاہدہ وارسیلز کو توڑنے کے جذبہ کو قوی تر کر دیا۔

آج دنیا میں کوئی شخص عوام کی نفسیات کو اس قدر نہیں سمجھتا، جتنا ہٹلر۔ اس کی زندگی شروع سے آخر تک پڑھ جایئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ وہ نہایت ہی چالاک اور ماہرفن اداکار رہے کیا بحیثیت ایک معمولی سپاہی کے، کیا بحیثیت کارپورل کے۔ کیا ریش کے ایک معمولی ممبر کے اور کیا بحیثیت چانسلر شپ کے امیدوار کے اس کی ہر ادا میں دلوں کو موہ لینے کے مقناطیسی اثرات ہیں قیدی کی حیثیت میں اس کے دماغ کی کارفرمائیوں کا نتیجہ وہ شاندار اسکیم ہے جس نے جرمنوں کے عقائد کو یک قلم بدلدیا۔ ان کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی خیالات میں اس درجہ تبدیلیاں ہو گئی ہیں کہ تاریخ میں کبھی ایسی نہیں ہوئیں۔

یہ کیسے ہوا اور کس طرح ہوا، ایک نہایت دلچسپ داستان ہے جس میں ایک نہایت ہی عیار اداکار کی ذہنی طاقتیں کارفرما ہیں۔ ہٹلر کے طریقے عجیب و غریب ہیں۔ اس کا پروپگنڈا لاجواب ہے وہ انسانی دماغ کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے میں ماہر ہے۔ اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ سب سے زیادہ موزوں وقت تقریر کرنے کا رات کا ہے کیونکہ اس وقت انسانی دماغ اثر قبول کرنے کے لئے بہت تیار رہتا ہے اور انسانی خودی کمزور ہو جاتی ہے۔

ہٹلر جس نظام حکومت کا داعی ہے وہ بھی جمہوریتوں کی بدعنوانیوں ملک گیری اور سرمایہ داری کا ردعمل ہے۔ اور جمہوریت سے کہیں زیادہ انسانیت کے لئے خطرناک ہے۔ یہاں نازیت اور جمہوریت کے فرق کو واضح کر دینا ضروری ہے۔

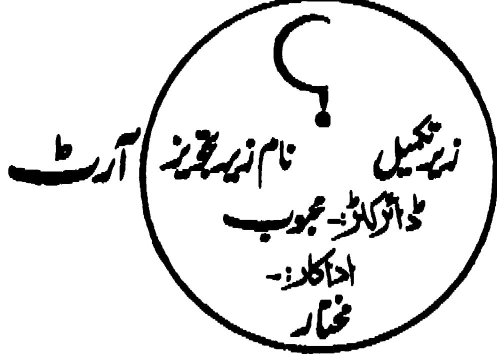
(۱) جہاں تک سرمایہ داری اور ملک گیری کا تعلق ہے نازیت اور جمہوریت ایک ہیں۔ مگر جمہوریت میں ایک قانون بننے میں ہزاروں دماغ صرف ہوتے ہیں اور امید کی جاسکتی ہے کہ قانون، انسانیت کے لئے فائدہ بخش ثابت ہو۔ دارالعوام سے دارالامرار اور دارالامرار سے بادشاہ کی اجازت تک ایک ایسا سلسلہ ہے کہ قانون بننے بنتے دیر بھی لگتی ہے اور اس میں خاطر خواہ ترمیم بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن نازیت میں ایک شخص کی زبان قانون ہے۔ اسی کی دماغی کیفیتوں پر تمام قوم کی زندگی کا مدار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ڈکٹیٹر انتہا ذہین آدمی ہو یا پاگل!

(۲) جمہوریت اور نازیت کا سرچشمہ ایک ہی ہے یعنی "قومیت" وہ قومیت جس میں بلا تمیز مذہب ملت صرف اپنی قوم کو دنیا کی سرداری اور امن کا ذمہ دار سمجھنا ضروری ہے۔ اور اپنے ملک کی برتری کی کوشش ان نظاموں کا اہم جزو ہے لیکن جمہوری نظام میں دوسرے ممالک کی آزادی کا برقرار رکھنا سیاسی، تجارتی اور معاشرتی

"عورت" جیسی شاندار تصویر پیش کرنیوالی کمپنی نیشنل اسٹیڈیوز لمیٹڈ کی چھ اور قابل فخر سوشل تصویریں

آرہی ہیں! آرہی ہیں!







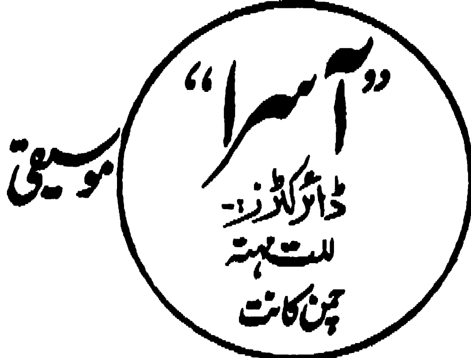
آپ

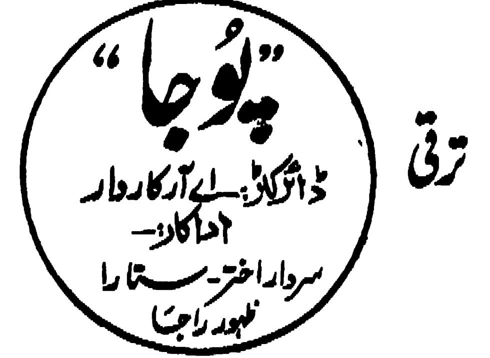
ہماری اولین کامیاب ترین تصویر عورت ملاحظہ فرما چکے۔ عورت نے ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کیا۔ اگر یہ مقولہ صحیح ہے کہ

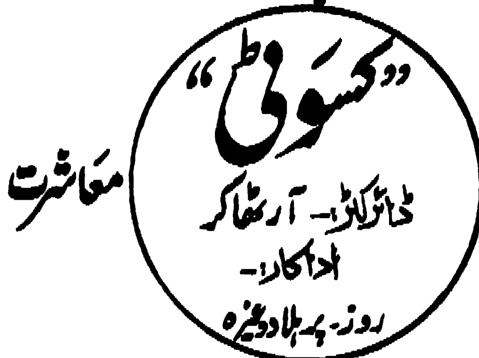
نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول!

تو

باور کیجئے کہ ہماری آئندہ آنے والی ہر تصویر پہلی تصویر سے بہتر ہوگی اور ہر اعتبار سے شاندار

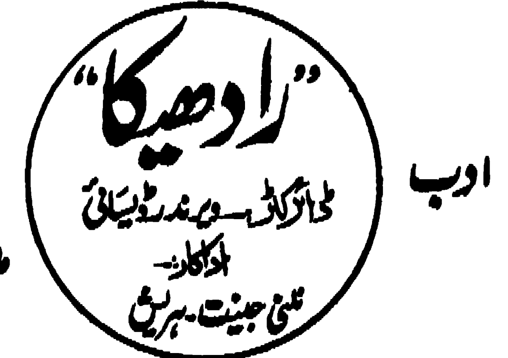






ان تصویروں کی یاد

مدت تک آپ کے دل سے محو نہ ہو سکے گی!



نیشنل اسٹڈیوز بمبئی کی یہ چھ تصویریں ادب اور آرٹ کے سمندر کے چھ تابناک موتی ہیں جنکی جگمگاہٹ آپ کی ذہنی فضاؤں کو منور کردے گی!!

نیشنل اسٹڈیوز لمیٹڈ

تار دیو- بمبئی

NATIONAL STUDIOS LTD.

ضروریات کے لئے ضروری ہے۔ مگر نازیت میں اپنی قوم کی ترقی کا انحصار دوسروں کی آزادی سلب کرنے کے مترادف ہے۔

(۳) نازیت اور جمہوریت کا ایک اہم فرق یہ ہے کہ جمہوری نظام میں حکومت افراد کی بہبودی کے لئے کوشاں ہوتی ہے۔ اور نازیت میں افراد حکومت کے غلام۔ یعنی ہر نازی ڈکٹیٹر کے احکام پر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے۔

(۴) سب سے بڑا فرق جو بہت حد تک جمہوریت کے مقابلہ میں نازیت کی کامیابی کا باعث ہوا، یہ ہے کہ نازیت ایک پہلے سے سوچی ہوئی مکمل اسکیم ہے جس کی ہر دفعہ ہٹلر کے دماغ میں اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ محفوظ ہے۔ اور جمہوری نظام میں ہر کام کے لئے مشورے ہوتے ہیں اور تگ و دو کی جاتی ہے دراصل جمہوریت، نازیت، فسطائیت اور اشتراکیت افراد اور حکومت کے رابطہ اور تعلق کے مختلف نظام ہیں۔ پرانے زمانے میں مطلق العنان بادشاہ ہوتے تھے۔ رعایا ان کی غلام ہوتی تھی۔ اقتصادی حیثیت سے بادشاہ سب سے زیادہ دولتمند ہوتا تھا اور وہ جس کو چاہتا تھا دولت سے نوازتا تھا۔ افراد کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ بڑے سے بڑا وزیر یا جاگیردار بیک جنبش قلم فقیر، اور انتہائی فقیر امیر ہو سکتا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ وزراء بادشاہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتے تھے۔ عوام میں اس طرز حکومت کے خلاف ہیجان پیدا ہوا۔ اور سب سے پہلے یہ تصور ظاہر ہوا کہ حکومت کا مفہوم یہ ہے "عوام کی حکومت عوام کے ساتھ عوام کے لئے" لیکن یہ وہ خواب تھا جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس وقت تک جتنے نظامہائے حکومت رائج ہیں ان میں چند محدود آدمی ہی حکومت کرتے ہیں۔ خصوصاً فسطائی اور نازی نظام میں کہ شخص واحد ہی کے اشارہ پر افراد کی جانیں مال و دولت اور جائدادیں قربان کر دی جاتی ہیں۔ پھر بھی بادشاہ اور ڈکٹیٹر میں یہ فرق ہے کہ ڈکٹیٹر دولتمند نہیں ہوتا۔ وہ سرمایہ دار نہیں ہوتا۔ اور اپنی نظریات کے مطابق اپنے ملک اور قوم کی بہبودی کا واحد ذمہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا نازیت اور فسطائیت کو عوام کی حکومت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرز حکومت میں جاگیرداری، سرمایہ داری جزو لاینفک ہے اور ہٹلر کی اسکیم میں اپنے ملک کی سرمایہ داری کو بڑھانے کا خیال بہت زیادہ موجود ہے۔ اس راہ میں ہٹلر کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ یہودی تھے جو انفرادی دولت کے قائل تھے روپیہ جمع کرنا جانتے تھے مگر خرچ کرنا نہ جانتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت حکومت کے ہاتھ میں نہ تھی، بلکہ افراد کے ہاتھ میں تھی۔ سب سے پہلے ہٹلر نے قابو پاتے ہی انفرادی سرمایہ داری کا خاتمہ کرنے کے لئے یہودیوں کو اپنے ملک سے نکال دیا۔ ان کی جائدادیں اور مال و دولت ضبط کر لیا۔ حکومت دولتمند ہو گئی۔ اور ہٹلر نے نہایت تیزی کے ساتھ اپنی اسکیم کے مطابق جرمن قوم کو ایک نہایت منظم فوج بنا دیا۔ بیکاری کا انسداد کیا۔ آبادی بڑھانے کے لئے وظائف مقرر کئے۔ عورتوں کو امور خانہ داری اور بچے پیدا کرنے کے لئے وقف کر دیا اور اس طرح جن عورتوں نے حکومت کی جگہیں خالی کیں وہ مردوں کو دیدی گئیں۔

نازیت کی ترقی کا یہ اہم راز ہے کہ افراد کا مال و دولت حکومت کے ہاتھ میں آنا ضرورت کے وقت کچھ مشکل نہیں ہے۔ برخلاف اس کے جمہوریتوں کو اپنی قوموں سے اپیلیں کرنی پڑتی ہیں بین الاقوامی تجارت سنبھالنی پڑتی ہے۔ درآمد و برآمد کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن نازیت بین الاقوامی معاملات کو بہیمانہ طاقت سے طے کرنے کی قائل ہے۔ ان کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس ملک پر قبضہ کر کے حاصل کرتے ہیں جہاں وہ چیز پیدا ہوتی ہے لیکن حالات اس سرعت کے ساتھ بدل رہے تھے کہ برطانیہ عظمیٰ جیسی جمہوریت کو بھی افراد کی دولت پر جنگ جاری رکھنے کے لئے اور اپنی حفاظت کے لئے قبضہ کرنا پڑا۔ جو کام ہٹلر نے بیس برس میں کیا تھا وہ برطانیہ نے چند گھنٹوں میں کیا۔ مگر فرق یہی ہے کہ ہٹلر ایک مکمل اسکیم پر آنکھ بند کر کے عمل کرتا چلا جاتا ہے اور برطانیہ کو ہر موقعہ پر سوچنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی سیاستدانوں کے دماغ میں ایک عرصہ تک یہ خیال رہا کہ نازی جرمنوں کی ایک محدود پارٹی ہے۔ اور جرمنی کے عوام نازی تصورات کے نہ قائل ہیں اور نہ ان کو ان تصورات سے دلچسپی ہے۔ چنانچہ جمہوریتوں کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ہم جرمن عوام کے خلاف جنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ نازیوں سے برسر پیکار ہیں۔ گشتی ہوائی جہازوں نے بیشمار اس مفہوم کے اشتہارات جرمنی پر برسائے مگر جرمن عوام ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اور بالآخر سر جان سائمن کو کہنا پڑا کہ "نازیوں اور جرمن قوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ گویا ہر جرمن نازی ہے اور ہر نازی جرمن"

غرض بیس سال کی محنت اور کوشش میں جرمن ایک نہایت ہی منظم اور طاقتور قوم بن چکی تھی اور اس عرصہ میں جمہوریتیں سیاسی بھرم کو جو معاہدہ وارسیلز سے پیدا ہوا تھا قائم رکھنے کی فکر میں سرگرم تھیں۔ جب ہٹلر خفیہ طور پر اپنی تیار کردہ اسکیم کے مطابق جرمن قوم کی تنظیم۔ عساکر کی زیادتی۔ نت نئے فوجی اسلحہ کی تیاری میں مصروف تھا جمہوریتیں بین الاقوامی انجمنیں اسلحہ کی کمی کے قوانین اور تجارتی فروغ کے لئے اپنا سامان فروخت کرنے کی کوششوں میں منہمک تھیں۔ اسپین میں خانہ جنگی یا اشتراکیت اور نازیت و فسطائیت کی جنگ ہوئی۔ اٹلی حبش کو کھا گیا۔ جرمنی چیکوسلویکا اور آسٹریا پر قابض ہو گیا مگر جمہوریتیں جمعیت الاقوام کے چکر میں پڑی ہوئی امن عامہ کے لئے کوشاں تھیں۔ اس صدی کی سب سے زیادہ مضحکہ خیز چیز جمعیت الاقوام تھی۔ یہ ایک ایسی جماعت تھی جس کی بنیاد کمزور نظریات پر قائم تھی جس کے قواعد و ضوابط میں حالات کے لحاظ سے برابر تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن جمعیۃ الاقوام اس لئے دیرپا نہیں ہوئی کہ اس میں جو لوگ شریک تھے ان میں رشک و حسد، اور کینہ کے جذبات غالب تھے۔ اور اس جمعیۃ کی پول اس وقت کھل گئی جب اس کا ایک ممبر یعنی حبش کا بادشاہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بنفس نفیس لیگ کے اجلاس میں شریک ہوا۔ ایک نہایت دلدوز تقریر کی۔ مدد کا خواہاں ہوا۔ مگر اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ کوئی قوم بھی جنگ عظیم شروع کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور نہ کوئی ذمہ داری لینا چاہتی تھی۔ ہٹلر اور مسولینی نے جمہوریتوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔

جو لوگ مسٹر چیمبرلین کی نرم پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جس وقت جرمن فوجیں چیکوسلویکا پر چڑھائی کر رہی تھیں فرانس اور برطانیہ جنگ کے لئے مطلق تیار نہ تھے۔ مسٹر چیمبرلین خود جا کر جرمنی کی تیاریوں کو دیکھ آئے

نازی

کس سے خوف کھاتے ہیں؟

موجودہ زمانے میں نازی جس سے سب سے زیادہ خوف کھاتے ہیں۔ وہ شاید ہٹلر نہیں بلکہ ایک اور ہی ہستی ہے۔ اور بہت کم ایسے آدمی ہوں گے جنھوں نے اس کا نام سنا ہوگا اس شخص کا دراز قد، گھٹا ہوا سر، پیرس کے سرکاری پھانسی دینے والے داروغۂ جیل سے مشابہ ہے، جسے اس زمانے میں موسیو ڈی پیرس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جرمنی کے اس ہوّا نازی کو ہر ہیگلر یبرگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس شخص کا اصل نام ہر ہیز ہے، ہر ہیز پہلا جرمنی تھا جو جرمنی کی خفیہ پولیس کا ممبر بنا۔ یہ اس کی قسمت کہیئے یا بدقسمتی کہ آج یہ شخص جرمنی کا پھانسی دینے والا داروغۂ جیل ہے۔ اس نے تین سال کے عرصے میں سو سر گردن سے جدا کئے۔

شاید پڑھنے والے یہ خیال کریں کہ جس شخص کے ذمہ ایسا ظالمانہ کام ہے اور جس کا کام یہ ہے کہ ملزمین کی گردنیں اڑا دیا کرے اس کی شکل بہت گھناؤنی اور خطرناک ہوگی ہر ہیز کو دیکھ کر کوئی شخص یہ خیال دل میں نہیں لا سکتا ہے کہ یہ "سرکاری قاتل ہے"۔

اس سے پہلے ہر نبز ورٹمبرگ میں مٹھائی تیار کیا کرتا تھا۔ اس کا باپ نان بیز تھا۔ ہر نبز کا باپ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا اعلیٰ درجے کا مشینری ساز بنے مگر اسے کیا خبر تھی کہ بڑا ہو کر اس کے بیٹے کی قسمت میں گردنیں اڑانا لکھا ہے۔ یہ ایک اتفاقیہ بات تھی کہ ہر نبز کو ایک دفعہ ہٹلر سے ملنے کا اتفاق ہوا اور ہر ہٹلر نے اس کا دیو پیکر قد و قامت دیکھ کر اس کو تیسری ریش میں "سرکاری قاتل" کا عہدہ دے دیا۔

پانچ سال کا عرصہ گزرا کہ ہر نبز جو لورمبرگ کے قصبے میں پارٹی لیڈر تھا اسے ہر ہٹلر کے سامنے پیش کیا گیا۔

"اچھا آدمی ہے" ہر ہٹلر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کے چند دن بعد اڈولف ہیس نے ہر ہٹلر کے سامنے ہر نبز کی بہت تعریف کی اور اس کو سراہا چنانچہ ہر ہٹلر نے فوراً ہر نبز کو اپنی خصوصی گارڈ میں شامل کر لیا۔

اس کی "خصوصی گارڈ" تیس اشخاص پر مشتمل ہے اس گارڈ کا ہر ایک ممبر چھ فٹ اونچا ہے۔ اور اس گارڈ میں صرف انہیں کو شامل کیا جاتا ہے جن کو خاص خاص سفارشیں حاصل ہوں۔

"ہٹلر کی خصوصی گارڈ" میں شامل ہونے کے تھوڑے عرصے بعد اسے لفٹننٹ دوئم بنا دیا گیا۔ وہم اور دان سٹشلر کی موت کے سلسلے میں ہر نبز نے نمایاں خدمت سرانجام دی ہیں۔ یہ خدمات اس قدر نمایاں تھیں کہ اس کے بعد ہر ہٹلر نے اسے بھاری انعام و اکرام دیا ہوگا۔ ۱۹۳۳ء کے آخر میں جرمنی کی خصوصی عدالتوں نے کچھ فیصلے صادر کئے۔ چنانچہ ان فیصلوں کے دوران میں تیئس اشخاص ایسے تھے جن کے خلاف سزائے موت کا حکم جاری ہوا۔ اب ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جو اس کام کو بطریق احسن سرانجام دے۔

عام طور پر پھانسی دینے کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ ملزم کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ مگر جب ہٹلر برسر اقتدار آیا۔ تو اس نے موت کے قیدیوں کا سر کلہاڑے سے اڑانے کا طریقہ پھر رائج کر دیا۔ پرانے زمانے میں بھی جرمنی میں پھانسی دینے کا یہی طریقہ تھا ہٹلر کے برسر اقتدار آنے کے بہت عرصے بعد تک جیل کا ایک داروغہ جسے حکام جیل منتخب کرتے تھے مجرمین کو تختۂ دار پر کھینچ دیا کرتا تھا۔ مگر اب ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ عہدہ مستقل طور پر کسی کے سپرد کیا جائے کیونکہ ہٹلر چاہتا تھا کہ پرانے جرمنی رواج کے مطابق سزائے موت پانے والوں کا سر کلہاڑے سے کاٹا جائے۔ چنانچہ ہر ہٹلر کی نظر انتخاب اپنے محافظ دستے کے ممبر اور نان بیز کے بیٹے ہر نبز پر پڑی۔ تین سال کے عرصے میں ہر نبز کو سو مرتبہ طلب کیا گیا۔ مگر تھوڑے

موجودہ جنگ کیوں ہو رہی ہے کا بقیہ

تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ آیندہ جنگ سائنس کی کی ترقیوں کی وجہ سے نہایت ہی خوفناک ہوگی۔ جمہوریتوں کے اس تساہل اور عدم تیاری نے حقیقتاً نازی اور فسطائی ڈکٹیٹروں کو یہ جرأت دلائی کہ وہ بین الاقوامی قوانین کو برابر توڑتے رہے۔

اسپین، چیکوسلویکا اور حبش کا خون ایسا رنگ لایا کہ ساری دنیا میں اس کی چھینٹیں آج چنگاریاں بن کر خرمن انسانیت کو جلا رہی ہیں۔

اسپین کی لڑائی جمہوریتوں کے لئے بجائے جرمنی سے مصالحت کی کوشش کے روس سے تعلقات دوستی بڑھانے کا نہایت ہی موزوں موقع تھا۔ اگر وہ کوشش جو بعد میں کی گئی اس وقت کی جاتی تو ہٹلر کو پولینڈ فتح کرنے کے بعد یہ کہنے کا موقعہ نہ ملتا کہ:-

"مشرقی محاذ سے اب ہم بے فکر ہو گئے ہیں مغربی محاذ پر اپنی جانیں لڑا دو"

عرصے کے بعد ہرنہنر کا کام اس سے بہت زیادہ بڑھ گیا چنانچہ آجکل ہرنہنر کو اس قدر انہماک ہے اور اس کے ذمے اس قدر کام ہے کہ بعض اوقات اس کی حالت پاگلوں جیسی ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گذشتہ چند مقتولوں کے دوران میں ہرنہنر نے ڈسل ڈورف ہنادر ہمبرگ اور پونشندرم کے مقامات پر ایک سو اسی سر گردن سے جدا کئے۔

تیسری جرمن ریشن کے زمانے میں "سرکاری قاتل" کو معقول آمدنی ہے چنانچہ ہرنہنر کو چالیس پاؤنڈ (قریباً چھ سو روپیہ) تنخواہ ملتی ہے نیز ہر ایک سر اڑانے کے لئے مزید انعام بھی دیا جاتا ہے۔

ہرنہنر شادی شدہ ہے۔ اس کے کئی بچے ہیں ہرنہنر بلیک فوریسٹ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، وہ اپنے گاؤں کا سردار ہے لوگ اس کے مکان کو تاریخی یادگار تصور کرتے ہیں۔ جرمنی میں سزائے موت پانے والے ملزمین کو موابت کے جیل خانے میں رکھا جاتا ہے چنانچہ ہرنہنر روزانہ ایک بار داروغۂ جیل کے سامنے پیش ہوتا ہے اور یہیں سے ہرنہنر کو مجرمین کی گردنیں اُڑانے کے احکام ملتے ہیں۔ چنانچہ ہرنہنر کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ہمبرگ سے میونخ اور کلوں سے کونگز برگ تک آنا جانا پڑتا ہے۔

جس وقت یہ "عہدہ" ہرنہنر کے سپرد کیا گیا تھا اس وقت یہ امر طے کر لیا گیا کہ سفاک ہرنہنر سوائے اپنے قریبی رشتہ داروں کے کسی دوسرے شخص سے ملاقات نہ کرے گا۔ ہرنہنر کی عادت ہے کہ وہ اپنے باغ کے عقبی جانب صبح کے وقت کسی کام میں میں مشغول رہتا ہے۔ چنانچہ سال گزشتہ ایک امریکی اخبار نویس کو یہ شوق چرایا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ جرمنی کا یہ سرکاری قاتل صبح سویرے باغ میں کیا کرتا ہے۔ مگر یہ اخبار نویس ابھی تھوڑی دور ہی اس کے باغ میں گیا ہوگا کہ ہرنہنر کو اس کی آمد کا پتہ لگ گیا۔ ہرنہنر نے اس اخبار نویس کو راستے ہی میں آلیا۔ اور اس سے ایسا سلوک کیا کہ غالباً یہ سلوک اس اخبار نویس کو تمام عمر یاد رہیگا اصلیت یہ ہے کہ ہرنہنر صبح سویرے موٹی موٹی لکڑیوں کے ٹکڑے کرنے کی مشق کیا کرتا ہے۔

جرمنی میں آجکل جس طریقے سے موت کے قیدیوں کو سزائے موت دی جاتی ہے وہ قرون وسطیٰ کی یاد تازہ کرتی ہے۔ کم و بیش تمام ملکوں میں یہ رواج ہے کہ مرنے سے پہلے قیدی سے پوچھا جاتا ہے کہ اس کی آخری خواہش کیا ہے۔ عام طور پر قیدی شراب پینے کی خواہش ظاہر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جرمنی میں قیدی کے مرنے سے پہلے اس کو خوب پیٹ بھر کر شراب پلائی جاتی ہے۔

سزائے موت پانے والے ملزم کی گردن اڑاتے وقت ہرنہنر ایک سیاہ مخملی نقاب پہن لیتا ہے جو ایک سیاہ رسی کے ذریعے اس کی کمر سے آویزاں ہوتا ہے۔ گردن اڑاتے وقت جو اس کے ماتحت یا مددگار اس کے قریب ہوتے ہیں اس کے علاوہ کسی اور شخص کو اس مقام پر جانے کی اجازت نہیں ہوتی

پہلے ملزم کو پھانسی دیئے جانے والے کمرۂ جیل میں لایا جاتا ہے اس کمرے میں پہنچتے ہی ہرنہنر کے دونوں مددگار جو اسی کی طرح دیو ہیکل ہیں مجرم کو چمٹ جاتے ہیں۔ اور تمام دیگر ممالک کے خلاف اس وقت جیل کے کمرے کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

لکڑی کا وہ بڑا ٹکڑا جس پر مجرم کو رکھ کر اسے کلہاڑے کی مدد سے کاٹا جاتا ہے اس سے پہلے میونخ کے عجائب گھر میں رکھا ہوا تھا چھٹی صدی میں اس لکڑی کے ٹکڑے کو شاہ یوبربان نے اسی مقصد کے لئے استعمال کیا یہ لکڑی کا ٹکڑا دیار کی لکڑی کا بنا ہوا ہے جس کے چاروں طرف چاندی کی کیلیں ٹھکی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد اس لکڑی کے ٹکڑے کو کمرے کے وسط میں رکھدیا جاتا ہے۔ ہلاک ہونے والے کے سر پر ایک ٹوپی اڑھادی جاتی ہے اور اگر مجرم یہ منظور نہ کرے تو ایسا نہیں کیا جاتا۔ اس کے بعد ہرنہنر کے وہ مددگار مجرم کو اس بے رحمی سے جھنجھوڑ کر اس کی گردن اس لکڑی کے ٹکڑے پر رکھدیتے ہیں کہ مجرم ہکا بکا ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے کہ اسے معلوم ہو کہ کیا ہو رہا ہے ہرنہنر کلہاڑے کو دو مرتبہ اپنے سر پر سے گھما کر اس کلہاڑے سے ایسی ضرب شدید اس کی گردن پر لگاتا ہے کہ مجرم کا سر دور جا گرتا ہے۔ جھکے ہوئے مجرم کے جسم کو ابھی تک دونوں مددگار تھامے رہتے ہیں "ایں کا کام تمام ہوا" اس کے بعد تینوں کی زبان سے نکلتا ہے۔

۱۹۳۳ء کے آخر میں جب پہلی مرتبہ ہرنہنر کو اپنے یہ فرائض بجا لانے کا موقع ملا۔ تو ایک لمحے کے لئے اس کے ہاتھ میں لغزش آگئی تھی۔ مجرم جس کا سر لکڑی کے ٹکڑے پر رکھا تھا۔ اس کا سر قدرے پیچھے کی جانب کھسک گیا تھا۔ جیل کے افسر اعلیٰ نے ہرنہنر کو بلا کر اس سے جواب طلب کیا اور اس کو مزید احتیاط برتنے کا حکم دیا۔ مگر جس مجرم کی گردن اڑانے میں پہلی مرتبہ ناکامی رہی تھی وہ کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا اور عین وقت پر ہاتھ پاؤں ادھر ادھر ہو جاتا تھا۔ چنانچہ "قتل" دوسرے دن پر ملتوی کر دیا گیا۔ دوسرے دن ہرنہنر جس کی ہر طرح بہت ہمت افزائی کی گئی تھی اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے اس کمرۂ جیل میں پہونچا۔ اور جوں توں کر کے اس مجرم کا سر گردن سے جدا کر دیا اس کے بعد سے حکم دیا گیا کہ ہرنہنر ہفتے میں تین دفعہ اپنے فرائض انجام دیا کرے۔

حکومت جرمنی کی طرف سے ہرنہنر کو ایک تیز رفتار گاڑی ملی ہوئی ہے۔ ہرنہنر اسی گاڑی پر بیٹھ کر اپنے کلہاڑے کے ساتھ جرمنی کے مختلف حصوں میں اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے طلب کیا جاتا ہے چونکہ جرمنی کا ایک ہی "سرکاری قاتل" ہے۔ اس لئے مجرمین کی گردنیں اڑانے کے لئے ایسی تاریخیں مقرر کی جاتی ہیں۔ تاکہ ہرنہنر کو زیادہ زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ چنانچہ ہرنہنر حکام کو اطلاعات دیتا رہتا ہے کہ فلاں دن اس کو فرصت نہیں ہے کیونکہ اس دن وہ فلاں قیدی کی گردن اڑائیگا یا اگر کوئی دن خالی فرصت کا ہو تو تب بھی ہرنہنر حکام کو اطلاع دے دیتا ہے۔ کہ فلاں دن اس کے پاس اڑانے کے لئے کوئی سر نہیں ہے۔

بہادر! آپ کہتے ہیں کہ جمعے کے روز آپ کو میری ضرورت ہے مگر میں توجمعرات کے روز اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ہمبرگ میں ہونگا ہمبرگ میں بہت ضروری کام ہے کیونکہ ہر سنش ہبلی کے احکام پہونچ چکے ہیں۔ مگر میں ہفتے کے روز صبح ہی آپ کے پاس پہونچ جاؤنگا۔ حاکم جیل جواب دیتا ہے "ٹھیک ہے" حکام جیل سے ہرنہنر کی گفتگو اسی نوعیت کی ہوتی ہے یہ ہرنہنر کی زندگی کا ہلکا سا خاکہ ہے۔ جو جرمنیوں کے لئے ہوا ہے۔ اور اگر جرمنی کے لوگ اس سے خوف کھاتے ہیں تو اس میں تعجب ہی کیا



MAXIM THE AMERICAN INVENTOR

ہتھیاروں کی تاریخ

وہ آدمی جس نے انسانیت کی تاریخ میں خوفناک ترین تباہی پھیلانے والا حربہ ایجاد کیا تھا، وہ ایک سو برس پہلے پیدا ہوا تھا ۱۸۸۰ء کے اوائل میں ہیرم میکسم ایک امریکن موجد جو خاص کر برقی اور کیمیکل طریق سے دلچسپی رکھتا تھا، وائنا آیا، یہاں وہ ایک امریکن کاروباری سے ملا اور اس نے اسے یہ مشورہ دیا، ارے میاں اپنی کیمسٹری اور الکٹریسٹی کو چولہے میں جھونکو اگر تم روپیہ بنانا چاہتے ہو تو کوئی ایسی چیز ایجاد کرو جس سے کہ یورپ کی اقوام ایک دوسرے کا گلا باسانی کاٹ سکیں۔ یہ نصیحت اس کے دل میں جا کر بیٹھ گئی اور اس سال کے آخر ہوتے ہوتے پہلی میکسم مشین گن کا امتحان لیا گیا، کوئی گلا کاٹا نہ گیا، اور وہ ایجاد صرف یورپینوں تک ہی محدود نہیں رہی، ۶۰ برس سے ۵ براعظموں کے باشندے میکسم توپ سے فی منٹ ۶۰۰ گولیوں کی بارش کر کے ایک دوسرے کے جسم میں سوراخ بناتے رہے ہیں ان کے پیروؤں نے اس میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔ اور اضافہ میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آٹھ سو برس قبل مسیح یروشلم کے ایک حکمران نے اپنے شہر کو حملہ آوروں کی زد سے بچانے کے لئے عفریت پیکر رابیون تیار کیا جو تیر اور پتھر پھینکتے تھے، یہ آلے یا انجن یا مشین جو کچھ بھی ہوں موجودہ زمانے کے آلات حرب کا بنیاد کہے جا سکتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان آلات کی تعمیر کن اجزا پر مبنی تھی، زمانہ موجودہ کے آلات پر نظر رکھتے ہوئے شاید آپ اعتبار نہ کریں کہ یروشلم کے وہ آلات صرف لکڑی، چمڑا اور رسیوں پر مشتمل ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کو قلعوں کے اندر استعمال کیا جاتا تھا، دنیا کی ابتدائی دور میں دماغوں سے۔ تخریبی طاقتیں۔ مفقود ہیں۔ اس لئے انہیں صرف اپنی حفاظت کا خیال در پیش رہا کرتا تھا، لیکن بہ نظر امعان دیکھا جائے تو ماننا ہی پڑتا ہے کہ اپنا بچاؤ، دوسروں کی تباہی کا پہلا زینہ تھا، تباہی دنیا والوں کو مسحور کر رہی تھی۔ اور آئے دن نت نئے آلات ظہور پذیر ہوتے رہے۔

سکندر اعظم نے، جس نے سترہ سلطنتوں کو فتح کیا تھا، اپنے تجربات کے بنا پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا آلہ ایجاد کیا تھا، بجائے قلعہ کے اندر سے غنیم کی فوجوں پر تیر اور پتھر پھینکنے کے میدان جنگ میں بھی استعمال کیا جاتا تھا، رومی فوجوں نے بھی اسی قسم کے آلات ایجاد کئے ہیں۔

بعضوں کا خیال ہے کہ بارود سب سے پہلے چین میں بنایا گیا، اور بعض کہتے ہیں کہ انگلستان میں، اصلیت خواہ کچھ ہو لیکن لڑائیوں میں اس کا سب سے پہلا استعمال یورپ ہی میں ہوا۔ ۱۳۴۶ء میں برطانوی افواج نے کسرہلی کے میدان میں سب سے پہلی مرتبہ بندوقوں کا استعمال کیا۔ لیکن ساری فوج میں صرف بارہ بندوقچی تھے۔

اس کے بعد انگلستان کے ایک بادشاہ نے اپنے دربار میں "صدر بندوقچی" نوکر رکھے۔ یہ عہدہ تادم زیست قائم رکھا گیا۔ ۱۴۵۳ء میں ترکی نے قسطنطنیہ کو محصور کرنے کے لئے ایک عظیم الشان توپ تیار کی۔ اور اسی توپ سے ۱۸۰۷ء میں ساٹھ سو پونڈ کا ایک گولہ ایک برطانوی جہاز پر پھینکا گیا تھا۔

جہاں تک غور کیا جائے اس بات کا ثبوت ملیگا کہ ہمیشہ ایک سے ایک تباہ کن آلات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

سویڈن کے ایک جرنیل نے اپنی فوج کو بندوقوں سے اسقدر مسلح کیا تھا کہ اس کی فوج شمالی یورپ میں سب سے زیادہ قوی اور خطرناک سمجھی جاتی تھی۔ لیکن وہ بندوقیں اور توپیں بہت بڑی تھیں۔ اور فوجوں کے رفتار میں ایک نمایاں رکاوٹ پیدا کرنے کا ذریعہ تھیں۔

نپولین نے اس کمی کو بھی پورا کردیا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے آلات بنوائے اور اپنی فوجوں سے آگے آگے ایک دستہ توپوں کا بھی رکھا۔

۱۸۹۰ء تک توپیں ہمیشہ گاڑیوں پر جن میں پہیے ہوتے تھے لگوائی جاتی تھیں۔ لیکن اس سے فوج کی نقل و حرکت میں جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے۔ ایک ناقابل گذاشت رکاوٹ پیدا ہوجاتی تھی جب توپیں چلائی جاتی تھیں تو بارود کے دھکے کی بنا پر گاڑیوں کے پچھلے حصہ کی طرف گر جاتی تھیں۔ اور پھر ان کو اوپر چڑھایا جاتا تھا۔ ہوتے ہوتے یہ خرابی بھی دور ہوگئی اور ۱۹۰۰ء سے پہلے پہلے ایسے پہیے بنائے گئے جو توپوں کو پیچھے گرنے سے روک سکے۔ اور اس طرح ان کی مار زیادہ ہوگئی۔

۱۹۱۴ء میں آلات حرب نے کافی ترقی کرلی تھی پہلے تو صرف پتھر کے بنے ہوئے گولے پھینکے جاتے تھے، لیکن اب ایسے گولے بنائے جانے لگے جس میں بھڑک اٹھنے والے مادے بھرے ہوتے تھے۔ جو نہ صرف ہلاکت انسانی کے اسباب تھے بلکہ عمارتوں، پلوں، اور راستوں کی تباہی کا ذریعہ بھی تھے۔

۱۹۱۴ء تک تو توپیں ظاہری نشانوں پر چلائی جاتی ہیں۔ لیکن ۱۹۱۸ء میں کوئی ضرورت نہیں رہی اس زمانے کی جرمنی میں ایجاد کی ہوئی ایک توپ پر یگ برتھی، اسّی میل کے فاصلہ تک فائر کرسکتی ہے۔ پہلے تو چونکہ دشمن کے وجود کا پتہ اس کی دھواں دھار توپوں کی بنا پر چل جایا کرتا تھا۔ گولہ باری میں آسانی ہوتی تھی، لیکن جب دھوئیں کی خرابی دور ہوئی تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ صرف قیاس پر میلوں کا احاطہ قائم کرکے گولہ باری کی جائے ۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم میں برطانیہ نے کوئی چالیس پچاس لاکھ گولے استعمال کئے تھے، یعنی جرمن محاذ کے ہر ایک گز پر پانچ ٹن گولہ بارود کی بارش ہوتی تھی۔

جنگ ہمیشہ ایک عجیب پیچیدہ معمہ رہی ہے، اس میں حصہ لینے والے ہمیشہ ایک دوسرے کے عمل اور رد عمل کا خاص طور سے مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اگر کسی حملہ آور فوج نے کوئی خاص آلہ ایجاد کیا تو محفوظ فوج کو اس بات کی جستجو رہی کہ اس کی کسی نہ کسی طرح مدافعت کی جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ آلات حرب میں اضافہ ہوتا گیا، ابتدائے آفرینش میں برچھے اور بھالے انسان کے ممد و معاون رہے اور اپنے حقوق کی حفاظت کا واحد ذریعہ بنے رہے، پھر تہذیب و تمدن کا زمانہ آیا۔ اور اپنے ساتھ ہلاکت و تباہی کے اسباب اور وجوہات فراہم کرتا ہوا۔ پہلے تو یہ ہوا کہ برچھے اور بھالے اور پتھر جانوروں کے ہلاکت کا ذریعہ بنے لیکن رفتہ رفتہ انسان زندگی کے قدر و قیمت بھی کمی ہوتی گئی۔

جو لڑائیاں موجودہ یورپ کی بنیاد کا ذریعہ بنیں اپنے اندر عجیب و غریب داستانیں پنہاں رکھتی ہیں، لیکن ان داستانوں میں سوائے قتل و خون کے اور کچھ نہ ملے گا۔

آج سے ہزار سال قبل شاہ فارس نے یونان پر حملہ کیا۔ گو یونانی افواج کے تعداد حملہ آور افواج سے بہت کم تھی، تاہم آلات حرب کا ان کے پاس فقدان نہ تھا۔ اور سب سے زیادہ اہم تھا ان کا فوجی نظام فارسی دستے نہایت بے ترتیبی سے بڑھے اور اس لئے ان کو یونانی دستوں سے جو دیواروں کے طرح صفوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ زک اٹھانی پڑی نتیجہ جو ہوا ہوگا ظاہر ہے۔

اس نئے نظام کو بہت دنوں تک برقرار رکھا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اندازہ کیا گیا کہ ان دستوں کی نقل و حرکت میں کوئی خاص تیزی نہیں پیدا کی جاسکتی۔ اگر ایک دستہ ایسا ہوتا جو پیچھے کی طرف سے بھی حملہ کردیتا تو صفوں کو برقرار رکھنا بعید از امکان تھا۔

ان دشواریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے رومن افواج نے ایک نئے نظام کی بنیاد رکھی بجائے اسکے کہ ساری فوج ایک ہی دستہ پر مشتمل ہو۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے دستے بنائے، آگے پیچھے، دائیں بائیں۔ ہر طرف جیسا کہ مشہور ہے پرانی قومیں زرہ بکتر سے آراستہ و پیراستہ ہوئیں۔ تلواروں اور نیزوں کا اثر بہت کم ہوتا۔ اور اس لئے فیصلہ کن لڑائیوں کی بہت کمی تھی جب کہ بندوقیں ایجاد ہوئیں تو زرہ بکتر کی ضرورت ہٹ گئی ۱۵۲۵ء میں ہسپانیہ کے افواج نے اپنے آلات حرب کی مدد سے فرانسیسی افواج کو جو زرہ بکتر پہنے ہوئے تھیں، فتح کرکے جنگ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیا۔

لیکن رفتہ رفتہ فوجوں کے کارروائی نے اپنے احاطے بڑھانا شروع کیا۔ موجودہ جنگ میں کچھ عرصہ پہلے بالینڈ سے لیکر وسط فرانس تک محاذ بنا ہوا تھا۔ ہر طرف ہنگامہ کارزار گرم تھا۔

وجوہات چاہے جو ہوں یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہمیشہ ان افواج کو فتح ہوتی رہی ہے۔ جن میں اتفاق اور نظام ہو۔ اور اتفاق اور نظام صرف ان افواج میں ہوسکتا ہے۔ جس کا ملک ارفع، اور نصب العین اعلیٰ ہو۔

جرمنی کو اب تک جو کچھ فتح ہوئی ہے وہ آلات حرب یا (MECHANISED COLUMN) کی بنا پر جرمن فوجوں میں صرف اس وقت تک نظام ہے جب تک انہیں جوش دلایا جائے اور جوش صرف اس وقت تک دلایا جاسکتا ہے جبکہ ان کے نصب العین کو ارفع و اعلیٰ ثابت کیا جاسکے۔ لیکن حالات شہادت دیتے ہیں کہ جرمن کے اندر اب ہٹلر اور اس کی چالبازیوں سے واقف لوگوں کی تعداد کم نہیں رہی۔ خود جرمن کے باشندے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہٹلر کی اس زیادتی کے اسباب کیا ہیں۔ ادھر برطانیہ نے ظلم اور نا اتفاقی کیخلاف بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کا نصب العین آزادی ہے وہ صرف اپنی آزادی بلکہ دنیا بھر کی آزادی۔ اب یہ بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فتح آخر کس کو ہوگی؟ (ماخوذ)

جنگ کے اسباب

از:-
جناب مولانا عبدالرافع صاحب

انسانی اجسام کی تخلیق وتکوین ہی کچھ ایسے عناصر سے ہوئی ہے جس کے اجزائے ترکیبیہ میں وہ تمام مادے موجود ہیں جس کا انکشاف ماہرین نفسیات اپنے تجربات کی بنا پر اس طرح کرتے ہیں کہ اگر ایک طرف ان میں خود داری عاجزی و انکساری خلق ومروت الفت ومحبت رحم وکرم شجاعت وبہادری ہے۔ تو دوسری طرف خودغرضی بغض وعداوت طمع وحرص سرکشی، بغاوت بے مروتی وبے رحمی ظلم، تعدی وحشت وبربریت اور جذبہ انتقامیہ وغیرہ جو ابتدائے آفرینش ہی سے ان کی خلقت میں ودیعت کردی گئی ہے جس کا ظہور ان کے حرکات وسکنات سے وقتاً فوقتاً مختلف پیرائے اور مختلف رنگوں میں ہوا کرتا ہے اسی لیے بعض مخلوق کو قدرت نے اپنے قدرتی اسلحہ جات سے آراستہ کردیا ہے تاکہ وہ اس سے حملہ بھی کریں اور دفاع کا بھی کام لیں لیکن چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باعث تمامی حیوانات پر امتیازی فضلیت وبرتریت رکھتا ہے اور اس کی طبیعت جدت پسند اختراعات وایجادات کی عادی واقع ہوئی ہے اس لئے اپنی عقل و تدبر سے کام لے کر ایسے ایسے اسلحہ جات ایجاد کرتا ہے کہ طاقتور اور قوی تر دشمنوں کو یا تو مغلوب کرکے اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیتا یا اس کا نام ونشان صفحۂ دھر سے مٹا دیتا ہے جس کا پتہ سوائے قصہ کہانیوں اور آثار قدیمہ کے نہیں

لیکن اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ جنگیں کیوں ہوتیں اور لڑائیاں کیوں لڑی جاتی ہیں۔ پس اگر اس پر کچھ دیر کے لئے غور کریں اور تعمق کی نظر ڈالیں تو تھوڑے وقفہ کے بعد ہی اس کا انکشاف آپ پر اس طرح ہونا شروع ہوجائیگا۔

یہ قانون قدرت اور تقاضائے فطرت ہے کہ ہر ذی روح اپنے اقتدار کو کم ہوتا اور احساسات کو کچلتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا اور نہ ..... کسی کی غلامی میں رہ کر زندگی بسر کرنا چاہتا اس کی فطرت اسے مجبور کرتی ہے کہ نہ تو کسی کی حاکمیت اور تفوق کو برداشت کرے اور نہ اس کے زیر فرماں رہ کر اس کا غلام بنے لیکن اگر کہیں اس کے برعکس مجبور کیا جاتا ہے تو اس سے اس کے جذبات غالبہ مجروح ہوتے اور اس کی خودداری کو ٹھیس لگتی ہے اور انتقامی جذبات مشتعل ہوکر بھڑک اٹھتے ہیں اسی فطری ہیجان کے تصادم یا ٹکر کا نام جنگ وجدال اور حرب وقتال ہے جس کا انفرادی یا اجتماعی شکل میں ظہور ہوتا ہے۔

آج تک جتنی جنگیں ہوچکیں یا ہورہی ہیں یہ اسی خودغرضانہ حریصانہ یا منتقمانہ جذبات کا نتیجہ ہے جو دنیا کو تباہی وبربادی کے غار میں ڈھکیلے جارہی ہے۔

پس اگر اٹلی نے حبش پر قبضہ جمایا تو اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ اس پر اپنی حاکمیت اور تفوق کا سکہ جمائے اور اگر جرمنی نے پولینڈ یوگوسلاویکیہ، بلجیم فرانس ناروے اور دیگر جزائر پر قبضہ جابرانہ کیا تو اس کا مقصد ان آزاد انسانوں کی آزادی کو سلب کرنا اور انہیں غلامی کی بوجھل زنجیروں میں جکڑ کر انہیں ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرنا ہے پس اسی کا نام ظلم و تعدی وحشت وبربریت درندگی اور خونخواری ہے۔

آہ اے خودغرضی تیرا برا ہو تو نے کتنی آبادیاں ویرانے میں تبدیل کردی تو نے کتنے انسانوں کو خاک وخوں میں تھڑا ہوا عدم آباد کا رستہ دکھایا آج کتنے مائی کے لعل بستر مرگ پر پڑے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہے ہیں کتنے یتیم وبیواؤں کی آہیں فضائے آسمانی میں گونج کر الاماں والحفیظ کے نعرے بلند کر رہی ہیں۔

لیکن یہ سخت دل اور بے رحم اور درندہ صفت انسان اپنی خونخواری اور درندگی سے باز نہیں آتے ان کے حرص وآز کے شعلے بھڑک بھڑک کر خرمن امن وامان کو خاکستر بناتے چلے جارہے ہیں لیکن نہ تو اس دنیا میں کسی کے پاس اس شعلے کو بجھانے اور آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے صلح وآشتی کا دمکل ہے اور نہ فائر بریگیڈ کا کوئی سامان جس سے اس آتشکدۂ نمرود کو بجھا کر دنیا کو امن وسلامتی کی راہ پر جا لگایا جائے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ۵

BENITO MUSSOLINI



SIGNOR MUSSOLINI

یہ ....

اگر آپ ہٹلر اور مسولینی کے اس وقت کے فوٹو سامنے رکھیں جبکہ یہ دونوں چوبیس چوبیس برس کی عمر کے تھے، تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ جہاں مسولینی کا چہرہ خاص تفوق کا حامل ہے۔ وہاں ہٹلر کا چہرہ اس کے بالکل برعکس ہے اور اس جوانی کے عالم میں بھی اس کے چہرے پر کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی۔ ہٹلر اپنی گمنامی کے زمانے میں سخت کاہل الوجود تھا۔ مطالعے کا اسے مطلق شوق نہ تھا، کوئی خاص خداداد قابلیت اس میں نہ تھی۔ نہ تو اس کی جسمانی صحت اچھی تھی۔ اور نہ وہ ایک اعلیٰ خیالات کا انسان تھا، البتہ یہ حضرت کبھی کبھی مصور کارڈ بیچکر چند آنے کما لیا کرتے تھے مسولینی اپنی جوانی کے عالم میں اپنے باپ کی آہنگری کی دوکان پر کام کرتا تھا، مسولینی ۱۸ ہی سال کی عمر سے اپنا پیٹ خود پالنے لگا۔ اس دوران میں وہ مطالعے کا عادی تھا، اس کی تمام جوانی جدوجہد میں گذری چھبیس سال کی عمر سے پہلے ہی وہ نو مرتبہ سیاسی مفسد ہونے کی بنا پر قید ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ اٹلی کے سب سے زیادہ مقبول عام سوشلسٹ اخبار کا ایڈیٹر ہو گیا تھا۔

مسولینی نے میدان جنگ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھائے۔ اس کے برخلاف ہٹلر کے کارناموں کے متعلق کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں۔ مگر اس کے باوجود جرمن نوجوانوں کو ہٹلر کے کارنامے ازبر یاد کرائے جاتے ہیں۔ اس کے کارناموں کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ ایک مرتبہ وہ میونچ کی گلیوں میں اپنے ساتھیوں کو گولی کا نشانہ بننے کے لئے چھوڑ کر خود روپوش ہو گیا تھا۔ آج کل ہٹلر پریڈ کے معائنے کے لئے صرف اسی وقت جاتا ہے جبکہ تین ردیف سپاہی اس کی محافظت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

ہٹلر جرمنی کے لوگوں پر محض اپنی قوت گفتار کی بدولت مسلط ہو گیا۔ اس کے پہلے جرمنی میں اعلیٰ درجہ کا کوئی مقرر نہیں گزرا تھا۔

چہرہ کو عجیب طرح بناتا۔ نعرے مارنا اور اس کا تقریر کے دوران میں خدا کا حوالہ دینا۔ بہادر آدمیوں اور قومیت کا تذکرہ اس کی تقریروں کی نمایاں خصوصیت ہے۔

مسولینی کی تقریر سہل اور عام فہم فقروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ تقریر کے وقت اس کا لب و لہجہ مردانہ ہوتا ہے۔ جب تقریر کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کو مرگی کا مرض لاحق ہو چکا ہے۔ تقریر کرتے وقت عام طور پر بجلی کا بٹن دبا دیا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک نہایت تیز روشنی اس کے چہرے پر پڑنے لگتی ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ کن کن طریقوں سے وہ عوام پر اپنی ہیبت جمانے کی کوشش کرتا ہے۔

جنگ حبش کے بعد مسولینی نے اپنی فاتحانہ تقریر کے دوران میں ضمیر واحد متکلم (میں) کا استعمال صرف دو مرتبہ کیا۔ اس ضمیر (میں) کو ہٹلر تقریر میں سو سو مرتبہ زبان پر لاتا ہے۔ کیونکہ مسولینی کو اپنے آپ پر بھروسہ اور اعتماد ہوتا ہے۔ وہ بہت کم خودستائی کرتا ہے۔ ہٹلر اس کے برعکس چونکہ خود پر بھروسہ نہیں رکھتا اس لئے عام طور پر اپنے منہ میاں مٹھو بنا کرتا ہے۔ ولہلم دوم کی طرح ہٹلر بھی طاقتور اشخاص سے بغض رکھتا ہے۔ کیونکہ کمزوری اس کو وراثت میں ملی ہے۔

جرمنی کے لوگوں کی ذہانت پر اس امر سے نہایت اہم روشنی پڑتی ہے۔ کہ انہوں نے دو مرتبہ اپنی قسمتوں کو اس قسم کے بیا رگو اور بات بات پر دھمکی دینے والے خود سروں کے حوالے کر دیا۔

ایک لحاظ سے مسولینی اور ہٹلر کا باہمی تضاد اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ مسولینی صحت جسمانی کے لحاظ سے بالکل مکمل ہے۔ ایک نظیر قائم کرنے کے لئے مسولینی لکڑیاں کاٹتا ہے۔ اور کھیتوں کو برقی ہل کی مدد سے جوتتا ہے۔ ۳۵ سال کی عمر میں مسولینی نے ہوابازی کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ ہٹلر کسی قسم کے کھیل سے شغف نہیں رکھتا، اس کو کبھی محنت کا کام کرتے نہیں دیکھا گیا۔ حتیٰ کہ اسے موٹر چلانے کی تمیز بھی نہیں۔ ہٹلر سب سے زیادہ اس امر کا خواہشمند رہتا ہے کہ ایک ایکٹر کی طرح قرون وسطیٰ کے بادشاہوں کا پارٹ ادا کرے۔ مسولینی نے اپنی ڈکٹیٹری کے دوران میں اپنی علمی معلومات میں بہت اضافہ کیا۔ مسولینی، جرمنی



HERR HITLER

ADOLPH HITLER

دونوں

فرانسیسی اور انگریزی زبان میں نہایت آسانی اور سلاست سے گفتگو کر سکتا ہے۔ مسولینی کی معلومات بہت وسیع ہیں اس کے برخلاف ہٹلر کے پاس صرف باتیں ہی باتیں ہیں ہٹلر اپنے مہمانوں پر برس پڑتا ہے۔ آنکھوں کو پھراتا ہے بار بار اٹھ کر کھڑکی کے پاس جاتا ہے۔ اور آخر کار ملاقاتی کو جھڑک کر باہر نکال دیتا ہے۔

ہٹلر کا کوئی بڑا سے بڑا افسر قابلیت کے لحاظ سے مسولینی کی برابری نہیں کر سکتا۔ دراصل جرمنی کے تمام بڑے بڑے افسر ہٹلر کے سکریٹری ہیں۔ ہٹلر عام طور پر اپنے وزراء کے زیر اثر رہتا ہے۔ اور صرف پروپاگنڈے کے میدان ہی میں ان سے برتری رکھتا ہے۔

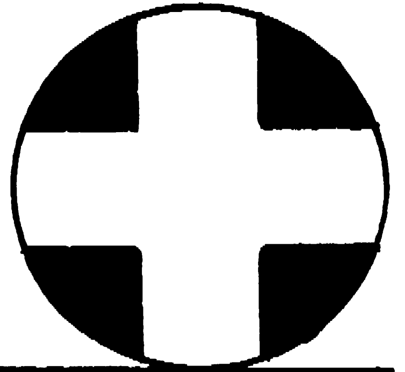
مسولینی دارالخلافے سے صرف موسم گرما میں ہی دور رہتا ہے۔ مسولینی سوسائٹی سے دور رہتا ہے اور کسی مہمان کو اپنے ہاں نہیں بلاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی معروفیتیں ہی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ ہٹلر تنہائی سے خوف کھاتا ہے ہٹلر خاموشی سے ڈرتا ہے، ہٹلر لکھنے پڑھنے سے بھی خوف کھاتا ہے۔ ہٹلر سال کا بڑا حصہ برلن سے بہت دور کے فاصلے پر اپنے دیہاتی گاؤں میں بسر کرتا ہے۔ ہٹلر سینما کی ایکٹرسوں کے ساتھ رہنے کا بہت شائق ہے: ان ایکٹرسوں میں ایک خاص ایکٹرس کا بیان ہے کہ ہٹلر نے تقریباً بیس اشخاص کو ایک شام مدعو کیا۔ تمام مہمانوں کے سامنے شراب رکھی گئی۔ ہٹلر نے خود پانی پر اکتفا کی۔ اس موقع پر ہٹلر تین گھنٹے تک لایعنی موضوعات پر گفتگو کرتا رہا۔ ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ ہٹلر کی عادات اس ایکٹر کی مانند ہیں جو تماشائیوں کا متلاشی رہتا ہو۔ تاکہ اس کی اداکاری کو دیکھیں اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہٹلر کے فیصلے اور افعال کیوں اس قدر اداکاری کا پہلو لئے ہوتے ہیں۔ ہٹلر کے فیصلے اور افعال اکثر خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا۔ کہ کب اس کے غصے کے آتش فشاں پہاڑ سے لاوا نکلنے لگے۔

اس مقابلے کے بعد ہمارے سامنے دو لیڈروں کے حالات ہیں۔ جن کی صفات ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں۔

مسولینی - اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے یورپ میں جنگ کی آگ لگانے کا خواہش مند نہیں تھا مسولینی اعلیٰ درجے کا سیاست دان واصلیت پسند اور نکتہ چین واقع ہوا ہے۔ مسولینی انتظار کرنے کا عادی ہے۔ اور پھر وہ فاتح کی طرف جھک جاتا ہے۔ ہٹلر سلطنت جرمنی کی توسیع اور جرمنی قوم کو دوسری اقوام پر مسلط کرنے کے لئے سب کچھ جنگ کے جوئے پر لگا چکا ہے۔ ہٹلر جرمنی نوجوانوں کو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر موت کے منہ میں دھکیل رہا ہے۔ مگر یہ اصلیت ہے کہ آخر کار ہٹلر کی طرف سے ہی جنگ سے گریز کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ورنہ جنگ کی آگ اسے اور تمام جرمنی قوم کو جلا کر بھسم کر دیگی۔ ہٹلر کو جلد یا بدیر قیصر کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا۔ اس کے برخلاف مسولینی نے کبھی دیوتا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مسولینی ایک سیاست داں ہے۔ مسولینی اس جنگ میں ہٹلر سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور تمام نقصانات ہٹلر اور جرمن قوم کو برداشت کرنے ہوں گے۔

مذکورہ بالا مضمون پڑھنے کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے کہ مسولینی میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔ مسولینی میں اکثر اتنی زبردست برائیاں ہیں جو اس کی اچھائیوں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔ وہ کمزور اقوام کو آسیائے ظلم و جور میں پیس دینا زیادہ پسند کرتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے اپنی تعریف نہیں کرتا مگر روپئے پیسے بھینٹ چڑھا کر دوسروں کے ذریعہ کبھی محافظ اسلام بننے کی کوشش کرتا ہے کبھی دنیا کا واحد مدبر۔

چالبازی اور مکاری میں اس کا جواب نہیں۔ محنت کم کرتا ہے مگر معاوضہ زیادہ لیتا ہے۔ مثال کے لئے فرانس کی حالیہ جنگ ملاحظہ کیجیے جس میں تقریباً بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مسولینی نے معقول حصہ لیا۔ ہٹلر کے بعد انسانیت کا زبردست خطرہ مسولینی کی ذات ہے۔



ریڈ کراس سوسائٹی

اجزا، نشان کی علت غائی، نام کا تعین، توسیع خدمات، ضرورت تعاون، موجودہ جنگ۔

ریڈ کراس انگریزی لفظ ہے، جس کا بدل صلیب احمر یعنی سرخ رنگ کا صلیب کا نشان، صلیب کا مفہوم عام تام ہے، یعنی یہ امتیازی نشان عیسائیوں میں مہتم بالشان حیثیت رکھتا ہے، اور حضرت مسیح کے صلیب دئے جانے کی تلمیح کا آئینہ وار ہے، عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب پر چڑھکر اپنے مقلدین کی گنہگاریوں کا کفارہ کر دیا۔ اس وقت بحث مذہبی عقائد سے نہیں بلکہ غرض لغوی تحقیق سے ہے، یہ نشان یورپ کے اطراف واکناف میں ہر دلعزیز ہے۔ اور علامت + جمع سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ انگلستان کے تمام کلیساؤں پر صلیب کا نشان لہراتا رہا۔ اور سنہ ۱۹۰٦ء تک شاہ انگلستان کا نشان بھی یہی رہا۔ گورنمنٹ برطانیہ نے اس نشان کو بدستور قائم رکھا ہے، اور یونین جیک کے عین وسط میں یہی نشان بالصراحت نظر آتا ہے یعنی صلیب کا نشان مرکز میں ہے، اور اسپر کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

ریڈ کراس کے موجودہ و سابقہ مقاصد پر عمیق نظر ڈالیں تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ تحریک ایسی نہیں جو جدید ہو بلکہ قدیم الایام میں عام جنگوں اور غزوات اسلام میں اس قسم کی تیماردارانہ خدمات اور زخمیوں کی خاطر مدارات کے اہتمامات فریقین پر اخلاقاً عائد رہا کئے لیکن اس تحریک کی ترتیب و تشکیل کی داستان اپنی دلچسپی کے اعتبار سے شرح طلب ضرور ہے۔ جس کے اعادہ سے حمیت قومی اور ہمدردی بنی نوع انسان کی رگ جوش میں آتی ہے۔ ؂

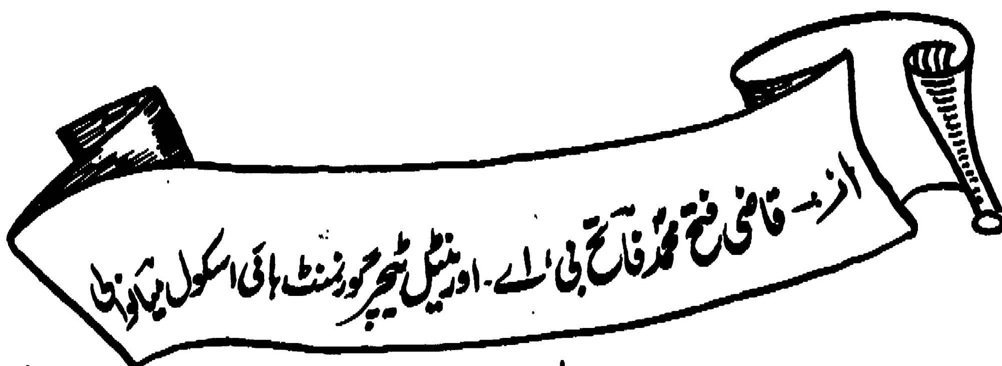
درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

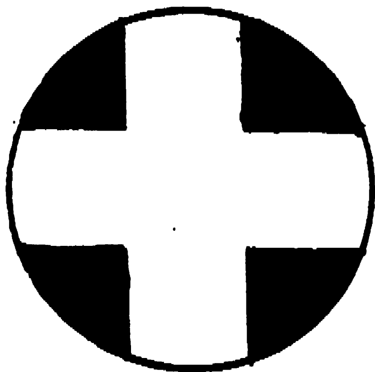
سنہ ۱۸۵۴ء میں انگریزی، فرانسیسی اور ترکی فوجوں کا روسی افواج کے ساتھ ملک کریمیا میں ہولناک جنگ ہوئی تھی، اور قتل و تباہی کی انتہا ہی درد افزا فتیں بپا ہوئی تھیں۔ یعنی سردی کی شدت، ہزاروں نیم جانوں کی تڑپ۔ شیون و شین، بکاو بین اور بے سرو پا لاشوں کی کثرت اور مجروحین کے درد و کرب نے دردناک خونین نظارے پیدا کئے تھے۔ اس زمانہ میں سرولیم رسل کا جو ٹائمز آف لندن کا نامہ نگار تھا۔ بسبیل اتفاق اس ملک سے گذر ہوا۔ اس نے بچشم خود ان خونی واقعات و معارک کو تفصیلاً اپنے اخبار میں بغرض اشاعت بھیجا تو اس کی دردناک تحریروں نے اہل دل کے قلوب میں ہیجان بپا کر دیا۔ لہذا فرقۂ نسواں نے جو فطرتاً زیادہ رقیق القلب واقع ہوا ہے۔ ان حوادث سے متاثر ہوکر اپنی خدمات برائے خاطر و مدارات پیش کیں۔ چنانچہ جنگ کے مجروحین اور بے یار و مددگار سپاہیوں کی مدد کے لئے مس فلورنس نائٹنگل اپنی مختصر سی جماعت نسواں کیساتھ میدان کارزار میں جا پہونچیں۔ جنہوں نے مجروحین کی مرہم پٹی اور تیمارداری کی۔ اور اس طرح کئی نیم جانوں کو موت کے منہ سے نکالا۔ اور اطراف یورپ سے تحسین و آفرین کے پھول سمیٹے۔

سنہ ۱۸۵۹ء میں شہنشاہ فرانس نپولین سوم بڑی تیاریوں اور ساز و سامان کے ساتھ بالشکر جرار آسٹریا پر حملہ آور ہوا۔ لہذا آسٹریا کو ممکن مدافعت کے لئے معرکہ آرا ہونا پڑا۔ فریقین کی تعداد تین لاکھ کے لگ بھگ تھی سالفرینو پر متخاصمین کے مابین ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ بقول نظامی۔۔

ز سم ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

ہزاروں بندگان خدا پیوند زمیں ہوگئے اور بے شمار نیم جان سسکتے سسکتے مر گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ تقریباً چالیس ہزار نفوس تلوار کی گھاٹ پار اتر گئے۔ ایسے خوفناک اور ہوشربا عالم میں اتفاقاً ہنری ڈیونینٹ نامی ایک نیکدل رقیق القلب سوئٹزرلینڈ کے باشندہ کا وہاں سے گزر ہوا بے گور و کفن لاشوں پر گدھوں اور عقابوں کی باہم آویزش دیکھ کر اس کے دل پر سخت چوٹ لگی اور اس نے حتی الامکان منفرداً خدمت کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ چونکہ یہ کام صرف ایک آدمی کے بس کا نہ تھا، اس لئے اس نے پر اثر تقریروں کا سلسلہ جاری کیا۔ اور قرب و جوار کے دیہات میں پھرنا شروع کیا۔ اور اس طرح چند نیک آدمیوں کو اپنا رفیق راہ بنا لیا، جنہوں نے مل کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور نیم جانوں کی خاطر مدارات اور اپنی غور و پرداخت میں ہمہ تن کوشش کی اور اس طرح بنی نوع انسان کی نیک مستقل یادگار قائم کی، اس کے بعد اس نے یادگار سولفرینو کے زیر عنوان ایک رسالہ مرتب کیا جس میں اس نے چشم دید دردناک واقعات کو رقت آمیز کلمات میں دہرایا۔ جسے پڑھکر اہل دل کلیجہ تھام کر رہ گئے، چنانچہ اس رسالہ کا ترجمہ یورپ کی تمام متداولہ زبانوں میں کیا گیا۔ اور یہ اطراف یورپ میں پھیل گیا۔ اس طرح اس کی مخلصانہ مساعی سے تمام یورپ آگاہ ہو گیا۔ اور سب نے یہ محسوس کیا کہ یہ کام مستقل تحریک کا محتاج ہے سب سے اول سوئٹزرلینڈ کی فیڈرل گورنمنٹ اس کی سرپرستی پر مائل ہوئی اور یہ قرار پایا کہ وہ اس تحریک کے فروغ کیلئے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کرے چنانچہ سنہ ۱۸٦۳ء میں بمقام جینوا ایک کانفرنس منعقد ہوئی جہاں تمام دول یورپ سے مندوبین جمع ہوئے، اور سب نے اس مفید تحریک کی سرپرستی قبول کی۔ لہذا یورپ کے گوشہ گوشہ میں اس مفید تحریک کا خیر مقدم ہونے لگا۔ اور دیار و امصار میں اس امر کا چرچہ ہونے لگا۔ دوسرے سال سنہ ۱۸٦۴ء میں جینوا میں دوسرا اجلاس منعقد ہوا تو اس میں یہ طے پایا کہ اس تحریک کو منظم کیا جائے جس کے ہال میں جب اس موضوع پر جلسہ منعقد ہوا تو اس وقت سفید رنگ کا ایک بڑا نشان بنا ہوا تھا۔ جس پر صلیب کا نشان تھا اس کے علاوہ آرائش و زیبائش کے ضمن میں جس قدر بیرقیں آویزاں تھیں ان سب پر صلیب کا نشان تھا، تمام حاضرین کی توجہ اسطرف مبذول ہوگئی۔ اس نشان کے تلمیحی تفاول سے متاثر ہوکر تحریک کا نام یہی تجویز کیا جائے۔ سوئٹزرلینڈ کے جھنڈے کا نشان زمین پر سفید صلیب کا تھا، لہذا قرار پایا کہ تحریک کا نام





سفید زمین پر سرخ صلیب رکھا جائے۔ جسے سب نے پسند کیا۔ بعدہٗ مختلف سالانہ مجالس کے بعد اس تحریک کے اصول وضع کئے گئے۔ جنہیں عہدنامہ جنیوا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان قوانین کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) متخاصمین کے مجروحین کی مشترکہ مدد کی جائے میڈیکل صیغوں کی امداد کی سوسائٹیاں بنائی جائیں۔ جو بالکل غیر جانبدارانہ طور پر کام کریں۔

(۲) اس سوسائٹی کے کارکنوں کے لئے سفید پٹی پر صلیب احمر کا نشان امتیازی طور پر ضروری قرار دیا گیا۔

(۳) اراکین کا فرض ہے کہ وہ دوست دشمن کی تمیز روا نہ رکھیں اور پوری دلسوزی و محبت سے فریقین کے مجروحین کی طبی امداد بہم پہنچائیں۔

(۴) سب سے اہم شق یہ تھی کہ ایسے کارکنوں کو مخالف افواج سے کوئی آسیب نہ پہنچایا جائے۔ تاکہ اراکین آزادانہ پھر کر اپنے فرائض بجالائیں اور یہ کہ ان کے قرارگاہوں پر گولہ باری نہ کی جائے۔

اس عہدنامہ کی تکمیل و تدوین کے بعد ریڈکراس سوسائیٹیوں کو ہر جانب عروج حاصل ہوتا گیا۔ اور یورپ کی تمام سلطنتوں نے یکے بعد دیگرے اس کی ترویج و توسیع میں علیٰ قدر مراتب حصہ لینا شروع کیا۔ یورپ کے بعد دنیا میں اس مفید تحریک کو مقبولیت حاصل ہونے لگی جس کی تدریجی داستان قلمبند کرنا موجب طوالت ہے یہ سوسائٹی مشرق و مغرب کے مدعیان تہذیب ممالک میں مروج ہو گئی۔

اس جنگ کی طوالت و محشر خیزی نے گذشتہ محاربات عظیمہ کی یاد تازہ کردی اس لئے ریڈکراس کی توسیع ازسرنو معرض وجود میں آئی مسٹر ہنری پی ڈیوی سی امریکہ ریڈکراس سوسائٹی کی وارکمیٹی کے چیرمین نے امریکہ اور دوسرے ممالک کی ریڈکراس سوسائٹیوں کے اشتراک عمل سے کروڑوں روپوں سے اپاہجوں، زخمیوں اور مجروحین کی مدد کی۔ خاتمۂ جنگ پر اس مفید کام کرنے والی تحریک کا بجٹ پھر معرض بحث میں لایا گیا۔ کہ جنگ کے علاوہ ایام امن میں بھی اس سوسائٹی کو اپنا نفع رساں کام جاری رکھنا چاہیئے۔ لہذا انہی گوناگوں تجاویز کے ساتھ مسٹر ولسن صدر جمہوریہ امریکہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور ہر طرح ریڈکراس کے مقاصد میں ایک اہم مگر ضروری باب کا اضافہ ہوا۔ اب سوسائٹی کے پروگرام میں صحت و تندرستی کے وسائل، موذی امراض کی بیخ کنی۔ بچہ زچہ کی تربیت، بیماروں اور لاغروں کی مدد اور حفظان صحت کے تمام شعبوں کی نگہداشت بھی شامل کردی گئی اور لیگ آف نیشنز کے دوش بدوش لیگ آف ریڈکراس سوسائٹیز قائم ہوگئیں جس کے زریں اصولوں کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

(۱) جن مقامات پر سرکار کی طرف سے حفظان صحت کی تدابیر ابھی تک عملی طور پر نافذ و رائج نہیں ہوئیں۔ وہاں یہ سوسائٹیاں تصویروں رسالوں کی اشاعت یا میجک لینٹرن یا سینما دکھا کر حفظان صحت کا پرچار کریں۔ کیونکہ صحت بدنی تمدن و معاشرت کا اولین جزو ہے۔

(۲) حفظان صحت اور جدید معلومات کو عام فہم زبانوں میں لکھکر شائع کریں اور ملک کے ہر گوشہ میں پہنچائیں۔

(۳) بچہ زچہ کی حفاظت کے لئے دائیوں کی ٹریننگ اور دیگر نسوانی حفاظتوں کی تدابیر پر عمل کریں۔

(۴) بنی نوع انسان کی بے لوث مدد ہمدردی کے تقاضہ سے اور بے تعصبی سے اس تحریک کو کامیاب بنایا جائے، اور امن پسند ذی اثر اشخاص و روٴسا کو اس کی سرپرستی پر آمادہ کیا جائے۔

ہندوستان میں ریڈکراس سوسائٹی کا آغاز گریٹ وار کے ایام میں ہند کے نظام حکومت میں شامل کیا گیا۔ سر پارڈی ہوکس نے سر سینٹ جان ایمبولینس اسوسی ایشن کے ساتھ یہ برانچ ...R کی شامل کردی جو انگلستان کی ریڈکراس کے اصولوں پر منصۂ شہود پر لائی گئی۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ہندوستان میں ہمارا دن منایا گیا اور حضور وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ نے اپیل کرکے سوا کروڑ روپیہ جمع کیا۔ اور اس رقم سے میسوپوٹیمیا۔ مصر۔ فلسطین اور ایسٹ افریقہ تک طبی امداد پہنچائی گئی۔

رفتہ رفتہ اس مفید آغاز نے یار و اغیار میں ہر دلعزیزی حاصل کی اور سنہ ۱۹۱۹ء میں جنگ افغانستان اور انگریزوں کی چپقلش میں ریڈکراس نے سرحدی سپاہیوں میں زخمیوں کی قابل قدر مدد کی سنہ ۱۹۲۰ء میں اسمبلی نے ایک ایکٹ پاس کیا جس کے رو سے ۱۸ صوبجاتی اور ۱۴ دیسی ریاستوں کی شاخیں شامل ہوئیں، صوبجاتی نظام کے ماتحت ضلع وار سوسائٹیز قائم کی گئیں۔ جن کا صدر مقام سردیوں میں دہلی اور گرمیوں میں شملہ ہوا کرتا ہے۔ نواب جوناگڑھ نے نئی دہلی میں اس سوسائٹی کے ہیڈکوارٹرز کے لئے ایک شاندار عمارت بنوائی ہے۔

سینیر ریڈکراس سوسائٹی کے زیر قیادت جونیر ریڈکراس سوسائٹی کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ جس کا تعلق خوردسال بچوں سے ہے۔ اور ان کا اجرا مدارس میں مختص۔ یہ سوسائٹیاں اپنی لب ماکے مطابق مفید کام کر رہی ہیں۔ اور اس امر میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ کہ یہ تحریک جمہور نظام کے فائدہ کو مدنظر رکھکر جاری کی گئی ہے۔ اور اس کے اغراض و مقاصد ہمہ گیر و دوررس ہیں جس کی قدردانی کرنا ہر صاحب فہم و فراست کا فرض ہے۔ بنابریں معذمات اس نازک دور میں جب کہ جنگ یورپ کی طوالت اور مستقبل کے خطرات پیش نظر ہیں۔ ہندستانیوں کا اس جنگ میں ہر قسم کا دست تعاون بڑھانا اور اس تحریک کو مقبول و معمول بنانا بیحد ناگزیر ہے۔ ہم لوگ لبفضلہ ہر قسم کے اطمینان و آرام سے دن گذار رہے ہیں، ہمیں ان جانبازوں اور جاں نثاروں کی قربانیوں کا احساس و اعتراف کرنا چاہئے۔ جو ملک قوم کی خاطر یا ذاتی مدافعت و مقاومت کی خاطر جنگ میں شریک ہوئے۔

حکام نیکدل کی مساعی اس تحریک کی تکمیل و فراہمی چندہ کے لئے ازبس جائز و ضروری ہیں۔ اور اس کے ساتھ اشتراک و تعاون کرنا ہر فرد و بشر، اہل دل، توانا غنی و متمدن انسان کا فرض ہے۔ اگر ہماری چند قربانیوں سے ہماری مدافعت و صیانت کے امکانات پیدا ہوجائیں۔



ملکۂ ترنم مس اختری آف فیض آباد، جنہوں نے گراموفون اور ریڈیو کی دنیا میں اپنے پرکیف نغموں کی وجہ سے دھوم مچا رکھی ہے

دوزخ سے نکل آیا!!

اس مضمون کا لکھنے والا حال ہی میں جرمنی فوج سے بھاگ آیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ جرمن سپاہیوں کو ایسی خلاف انسانیت سزائیں دی جاتی ہیں اور ان سے اسقدر سخت پریڈ کرائی جاتی ہے کہ بہت سے سپاہی خودکشی کر لیتے ہیں۔

ایک سابق توپچی، الفریڈ گووالڈ کے قلم سے

میں جرمنی کی فوج میں رہ چکا ہوں مگر باوجود اس کے خود میرے لئے یہ امر بہت مشکل ہے کہ جرمن اور جرمن افواج کی جو ردی حالت اس وقت ہو رہی ہے اسے کسی طرح احاطۂ تحریر میں لاؤں، اپنے ملک کے خلاف ناخوشگوار افواہیں پھیلانا کون پسند کرے گا؟ مجھے جو سختیاں برداشت کرنا پڑیں مجھے چاہئے تھا کہ میں ان کے متعلق خاموش رہوں۔ مگر مجھے علم ہے کہ جرمن کے موجودہ حکمراں جو بزعم خود اس وقت نوجوان جرمن کے راہ نما بنے ہوئے ہیں وہ دراصل جرمنی اور خود ملک جرمنی کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ جرمن قوم کی بدقسمتی ہے کہ اس پر ایسے حکمراں مسلط ہو چکے ہیں اس لئے اگر جرمن افواج کی اصلی حالت کے متعلق جرمن سے باہر کی دنیا کو روشناس کرایا جائے تو اہل جرمن کو اس سے فوائد حاصل ہونے کی توقع ہے۔ اگر تحریک فسطائیت کے حامی اسے پڑھیں تو قدرتی امر ہے کہ وہ اسے "بغاوت" کے نام سے تعبیر کریں گے۔ میں صرف ایک سال کے لئے جرمن فوج میں رہا۔ میں چھ ماہ پیادہ افواج میں اور چھ ماہ فضائی فوج میں ملازم رہا۔ اس کے علاوہ میں نے چند ہفتے.... موٹر ڈرائیوری کے ایک اسکول میں ٹریننگ حاصل کی۔ میں ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء کو جرمن فوج میں داخل ہوا اس کے فوراً بعد توپ خانے کے ساتھ پلوٹن بھیجدیا گیا اس مقام پر صرف ان لوگوں کو بھیجا جاتا ہے جو ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد فضائی فوج کے محکمے میں توپچی مقرر کئے جاتے ہیں۔ مجھے فوجی بارکوں میں رہتے ہوئے تین ہفتے گزرے ہوں گے میں نے دیکھا کہ میرے ایک ساتھی سپاہی کو تعزیری قواعد کی سزا دی گئی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا صرف اتنا قصور تھا، کہ اس نے قانون کے مطابق اپنے اعلیٰ آفیسر کو پانچ قدم کے فاصلے سے سلام نہیں کیا۔ بلکہ اس نے تین قدم کے فاصلے سے سلام کیا۔ یہ پہلی تعزیری پریڈ دیکھی جس کو مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسے تعزیری پریڈ نہیں بلکہ خلاف انسانیت جور و ستم کہنا چاہئے۔ بیچارے سپاہی پر پوری فوجی کٹ جس کا وزن قریباً تیس سیر کے قریب تھا۔ لدی ہوئی تھی اور بندوق اس کے علاوہ تھی۔ اس کے علاوہ اسے گیس کا نقاب بھی اوڑھنا پڑتا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس قدر وزن لادنے کے بعد آفیسر فوجی بارکوں کے گرد اس کا تعاقب کرتے تھے، اور اس بیچارے کو تھکا بھاگنا پڑتا تھا۔ اس سختی کو برداشت کرنے کے بعد اس سے نہایت کڑی قواعد کرائی جاتی تھی اس سزا کا سب سے زیادہ ظالمانہ حصہ اس وقت میری نظر سے گزرا جب میں نے دیکھا کہ اس بیچارے کو زمین پر لیٹنے اور پھر مارچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب بیچارہ تھک کر نڈھال ہو جاتا تو چند منٹ کے لئے اس کو مارچنگ کا حکم دیا جاتا۔ ورنہ پھر وہی۔ "بیٹھ جاؤ"۔ "اٹھو" "مارچ کرو" کا سلسلہ جاری ہو جاتا بعد میں مجھے خود کئی مرتبہ.... ....ناقابل برداشت تکالیف برداشت کرنی پڑیں اس ظلم سے فائدہ کیا مرتب ہوتا ہے؟ یہی کہ بیچارے سپاہی کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور پھر اسے اپنے ضمیر کے خلاف دوسرے کا غلام بن جانا پڑتا ہے۔ بتاریخ ۲ اپریل ۳۸ء میں فضائی فوج میں شریک ہوا۔ میں پیادہ فوج سے نکلنے پر خوش تھا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جاؤں گا۔

فضائی تعلیم کا یہ برائے نام اسکول روڈ لسنٹ (مقربجیہ) میں واقع ہے۔ تمام ملک کے ہوا باز یہاں وقتاً فوقتاً موٹر سازی کے متعلق تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ اس اسکول میں سپاہیوں و سارجنٹوں اور آفیسروں کے لئے مختلف کلاسز ہیں۔ اس اسکول کے پاس شدہ امیدواروں کو فضائی فوج میں لیا جاتا ہے۔ مگر جور و ستم کے لحاظ سے یہ اسکول بھی کم نہیں تھا۔ ایک موقع پر ایک سارجنٹ نے ریمارک پاس کیا۔ "شکایات ہرگز نہیں ہونی چاہئیں۔ اور اگر کسی شخص نے شکایت کی بھی۔ تو پھر میں یہ دیکھوں گا، کہ وہ دوسری مرتبہ شکایت کرنے کے قابل نہ رہ جائے۔" اس ریمارک پر غور کرنے کے بعد کیا جرمن ظلم و ستم کی مزید وضاحت کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

میرا ایک ڈپٹی کمان افیسر خصوصیت سے بہت زیادہ "خونخوار" واقع ہوا تھا۔ اس کے ماتحت عملہ پر ہمیشہ تعزیر و تعذیب کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ اس کو ٹریننگ کے ایسے عجیب و غریب طریقے معلوم تھے کہ بیچارے سپاہی پریڈ کے دوران میں تھکان سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ ہماری کمپنی میں نڈھال ہو کر گرنے کا واقعہ دوسری دفعہ رونما ہوا۔ ڈپٹی کمان افیسر نے کمپنی کو اطلاع دی ہے۔ کہ ہمیں فضائی فوج میں بھی ماریپٹ کا طریقہ جاری کرنا چاہئے۔ اس ریمارک سے تمام کمپنی میں سناٹے کا عالم چھا گیا۔ ہٹلر کا ایک نوجوان پیرو کار جو ہٹلر کے وعدوں پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ آگے بڑھا اور شان استغنا سے کہنے لگا۔

نیشنل سوشیلزم اس قسم کی دھمکیوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کو فوراً گرفتار کر کے جیل بھیجدیا گیا۔ معلوم نہیں بیچارے کو نیشنل سوشلزم کی تشریح کرنے پر کتنے طویل عرصے کے لئے جیل کی سختیاں جھیلنا پڑیں میں نے بہت کوشش کی، مگر معلوم نہیں ہو سکا کہ اس پر کیا ظلم ڈھائے گئے۔ مگر ابھی قانون کا منشا پورا نہ ہوا تھا۔ ہماری کمپنی کو دو ہفتے کے لئے تعزیری پریڈ کرنا پڑی۔

ہمارا ڈپٹی کمان آفیسر تعزیری پریڈ کو "بانقاب مارچ" سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ہماری تمام کمپنی کو معہ کٹ حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد بھی ہمارا تعاقب کیا گیا۔ جو دس منٹ تک جاری رہا۔ اس کے

بعد حکم دیا گیا۔ کہ ہم وردی تبدیل کرکے آئیں پھر حکم دیا گیا، دوسری وردی پہن کر آؤ، اور کٹ بھی ہمراہ لاؤ حتیٰ کہ تمام کمپنی کو تین ساڑھے تین گھنٹے تک تعزیری پریڈ کرائی گئی۔ ہر نئے حکم کے بعد دیکھا جاتا تھا کہ سب سپاہیوں نے زیر وردی کپڑوں کو بھی حکم کے مطابق تبدیل کیا ہے۔ یا نہیں۔ ہمارے ڈپٹی کمان آفیسر کی زبان پر برابر یہ فقرہ رہتا تھا، کہ میں تمہارا کام ختم کرنے سے پہلے تمہیں پاگل بنا دوں گا، میں کوشش کروں گا۔ کہ تم یہ معلوم نہ کر سکو کہ تم اپنی ایڑیوں کے بل کھڑے ہو یا اپنے سر کے بل۔ اس کمان کا آفیسر کا ماتحت لفٹنٹ، ہمارے "بانقاب ناچ" کو دیکھتا تھا اور غراتے ہوئے کمان آفیسر کے ریمارک سنتا تھا۔

فوج میں اس ظالمانہ پریڈ کی وجہ سے بہت سے فوجی خودکشی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ بشنش نیز کے مقام پر ایک سپاہی نے محض اس وجہ سے سنگین اپنے پیٹ میں بھونک لی۔ کہ وہ اس تعزیری پریڈ کی تاب نہ لا سکا، ریلوٹن کے مقام پر تین سپاہی گلے میں پھندا ڈالکر لیٹ گئے، اور اس طرح اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا ایک دوسرے سپاہی نے اپنے کان میں ریوالور چلا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جب میں ۱۰۳ نمبر کی کمپنی میں تھا، تو مجھے تعزیری سزا کا تلخ ترین تجربہ کرنا پڑا۔ ینگ جونیئر آفیسر نے ایک سپاہی کو بلا بھیجا، مگر چونکہ وہ ایک دم نہیں پہونچ سکا تھا، اسے چوتھی منزل تک واپس بھیجا گیا۔ اور پھر بلایا گیا۔ پھر بھیج دیا گیا، اور پھر بلا لیا گیا۔ حتیٰ کہ اس جونیئر افسر نے اپنے حکم کو سولہ مرتبہ دہرایا جب سترہویں مرتبہ اس کو پھر وہی حکم دیا گیا۔ تو سپاہی کھڑکی کی طرف دوڑ گیا اور باہر کی طرف چھلانگ ماری بیچارہ زمین پر گرتے ہی مر گیا۔

فوج میں ضبط و نظم قائم رکھنے کے لئے موجودہ حکمرانوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں کہ تعزیری پریڈ میں مزید سختی کر دی جائے۔ کئی آفیسروں کا بیان ہے کہ وہ ظالمانہ اور وحشیانہ طریقے کو ناپسند کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کسی فرد واحد کا جاری کردہ نہیں بلکہ یہ منظم سلسلہ ہے، جس کی باگ ڈور اونچے طبقے کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے جرمنی کے ایک راست باز باشندے کیطرح اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو مجھ پر مادر وطن کی طرف سے عائد ہوتا تھا، میں جرمنی کا ایک سپاہی ہونے کی حیثیت سے جمہوریت اور امن کے لئے جنگ کر رہا ہوں ؎

تجھے یاد ہے ؟

TRUTH ABOUT HITLER AND HIS
"SOLEMN PROMISES"

ہٹلر کی ۴۲۰

نازیوں نے جہاں بہت سے امور میں کمال حاصل کیا ہے وہاں جعلسازی میں بھی انہوں نے خاص مہارت حاصل کی ہے، گسٹاپو، یعنی خفیہ پولیس میں ایک شعبہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے، جو دستاویزوں کا جعل اتارنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، اس میں ایسے ایسے ائمۂ فن موجود ہیں، جو مختلف باتوں میں ید طولےٰ رکھتے ہیں، تحریر اور نشان خط کی نقل اتارنیوالے بہترین کیمسٹ ہیں ، ہٹلر جب کسی غلط دستاویز ..... کو دنیا کے روبرو پھیلانا چاہتا تھا، تو وہ انہی لوگوں سے کام لیتا ہے۔ دنیا میں اس قسم کی جعلسازی کا وجود اس سے پہلے کبھی نہیں موجود تھا، مثال کے طور پر اس ایک واقعہ کو لیجیے۔ کہ حکومت کے ایک دشمن کا خط اس طرح چھاپا جاتا ہے جس کی اصلیت سے وہ خود انکار نہیں کر سکتا، اس خط کا ایک پیرا گراف بالکل اڑا دیا جاتا ہے، اور ایک ماہر فن جعلساز ایک جدید پیراگراف اس میں لکھتا ہے، جس میں ایسے ایسے بیانات ہوتے ہیں جن سے اصلی محرر کا جرم ضرورتاً ثابت ہو سکے، اس شخص کو اس خط کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، اور وہ شخص اعتراف کرتا ہے کہ ہاں یہ خط اسی کا ہے، لیکن درمیان میں جب وہ نئی باتیں پاتا ہے جسے اس نے پہلے نہیں پایا تھا، تو حیرت سے دم بخود کھڑے کا کھڑا رہ جاتا ہے۔

خیر یہ تو ہاتھ کی تحریر کی جعلسازی ہوئی، اگر کوئی دستاویز ٹائپ سے طبع ہوا ہو تو اس کی نقل اور جعل اتارنے کے لئے یہ لوگ بھی ٹائپ رائٹروں سے کام لیتے ہیں۔ دنیا میں ہر ساخت اور ہر نوعیت کے ٹائپ رائٹر ان لوگوں کے پاس موجود ہیں خفیہ پولیس یعنی گسٹاپو کا ایک آدمی پہلے یہ دیکھتا ہے کہ مطلوبہ دستاویز کس ٹائپ میں ہے، اور کون سی ٹائپ مشین استعمال کی گئی ہے، پھر جہاں جہاں سے ضرورت ہوتی ہے اس دستاویز میں سطریں اڑا دی جاتی ہیں اور حسب منشا نئی سطریں جوڑ دی جاتی ہیں، اگر کوئی شخص اس جال کو پکڑنا چاہے تو ماہرین فن کو کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے میں مہینوں لگ جائیں گے۔

اس میں شک نہیں معلوم ہوتا کہ ملٹ اور کینٹری کے سفیروں سے جو خطوط لئے گئے تھے، وہ وارسا کے مفتوح ہونے کے بعد اس جعل کا شکار ہوئے تھے گسٹاپو کے یہ ماہر جعلسازان اپنے کام میں اتنے پختہ ہیں کہ وہ رئیس جمہوریہ امریکہ کے ہاتھ کی تحریر پیش کر سکتے ہیں جس میں اس کے دستخط بھی ہوں۔ اور وہ اس قدر اصلی ہوں گے کہ خود روزولٹ کو ان کی صحت سے انکار کرتے نہ بن پڑے، اس شعبے نے یورپ، ایشیا، اور امریکہ کے تمام سرکردہ اور اہم ہستیوں کے ہاتھوں کی تحریریں حاصل کر لی ہیں، علاوہ ازیں گورنمنٹ آفسوں میں جس قسم کی تحریریں اور نشانات وغیرہ استعمال ہوتے ہیں وہ سب ان کے پاس ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ حکومتوں کی دستاویزوں کی نقل کرتے کرتے وہ دیگر حکومتوں کے سکوں کی نقل کرنی نہ شروع کر دیں۔

اور سُنئے

اسپین کا وہ خونی انقلاب جس نے جمہوریت کا قلع قمع کر دیا جس نے جنرل فرانکو کو ایک خود مختار ڈکٹیٹر کی حیثیت سے اسپین کی قسمت کا مالک بنا دیا ابھی حال ہی میں گذرا ہے۔ اس جنگ میں اٹلی اور جرمنی برابر کے شریک تھے بے گناہوں کے خون سے ان کے سپاہیوں نے اپنے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا۔ آتش بار ہتھیار جو آج کل کی جنگوں کا لازمی جزو ہیں انہیں دو ممالک سے آتے رہے اور جنرل فرانکو انہیں کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

یہ سب ہوا مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہٹلر نے جنگ کے بعد جنرل فرانکو کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

ہٹلر کافی نقصانات برداشت کرتے ہوئے خانہ جنگی میں برابر فرانکو کی امداد کرتا رہا لہذا فتح کے بعد کچھ نہ کچھ صلہ ضرور ہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ہٹلر نے یہ صلہ بہ صلہ شرافت کے نہیں طلب کیا بلکہ اپنی جعلسازی سے اتنی معقول رقم حاصل کی کہ اس کے تمام نقصانات کا بیک وقت مداوا ہو گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ اسپین میں جس وقت ڈکٹیٹر شپ قائم ہوئی اور نئی گورنمنٹ نے ملک کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لیا تو روپیے کی قلت نے نوٹ چھاپنے پر مجبور کیا اور چونکہ پرنٹنگ کا کام جرمنی میں سب سے اچھا ہوتا ہے اس لئے فرانکو گورنمنٹ نے نوٹوں کی طباعت جرمنی کے سپرد کی۔

نوٹ چھپ کر آ گئے اور بازاروں اور بنکوں میں برابر ان کے ذریعہ لین دین ہونے لگا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد بنک کے افسران نے محسوس کیا کہ ایک ہی نمبر کے متعدد نوٹ چل رہے ہیں چنانچہ جستجو اور تلاش شروع ہوئی۔ تمام ملک میں کوئی بھی ایسا نہ نظر آیا جو کہ نوٹ بناتا ہوا پکڑا جاتا۔ اسی اثنا میں کئی نوٹ اس قسم کے پکڑے گئے۔ آخرکار گورنمنٹ سمجھ گئی کہ یہ سب جال ہٹلر کی ہے اور اس کی پارٹی یہاں پر اپنا کام کر رہی ہے۔

مگر مجبوری تھی کرتے تو کیا کرتے آخرکار یہ قاعدہ رائج ہوا کہ جو نوٹ اس قسم کے پکڑے جاتے ہیں وہ ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح جعلی نوٹ قریب قریب تمام برباد کر دیئے گئے ہیں اب اسپینی حکام جعلی نوٹوں کی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے اطمینان کی سانس لے رہے ہیں۔ یہ ہیں ہٹلر کی ۴۲۰ کے قصے۔

نازی درندے

از ودیا پرکاش سرور ایڈیٹر رسالہ حشر ملتان چھاؤنی

۱۹۱۴ء کی بڑی جنگ میں جرمنی کو شکست ہوئی شکست خوردہ جرمن فوجوں میں ایک بہت چالاک اور چالباز شخص ایڈولف ہٹلر بھی تھا

چند جوشیلے نوجوانوں کو ساتھ لے کر ہٹلر نے نازی پارٹی کی بنیاد ڈالی۔

ہر چالاک سیاسی لیڈر کی طرح ہٹلر نے بھی شروع شروع میں اپنی پارٹی کا تمام تر پروگرام صرف وطن اور ملک کی خدمت ہی ظاہر کیا۔ اور اس طرح سے عوام کے قومی جذبات کو بھڑکا کر پارٹی کے لئے روپیہ اور آدمی اکھٹے کئے۔

کافی آدمی اور روپیہ مل جانے پر ہٹلر نے ”قومی خادموں“ کی اس ”بے ضرر“ جماعت کو مسلح یعنی ہتھیار بند کر دیا اس مسلح جماعت کی کئی نامعلوم مقامات پر خفیہ میٹنگیں ہوتی رہیں۔ جنکی تمام تر کارروائی بالکل پوشیدہ رکھی جاتی رہی۔

ان خفیہ کانفرنسوں کے نتیجہ کے طور پر ملک کے کئی بڑے بڑے امیر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر تلوار کے زور سے لوٹ لیا گیا۔ اور لوٹ کی یہ تمام دولت ڈاکوؤں کی اس جماعت کے پروگرام کی مزید توسیع اور ترقی کے لئے استعمال کی جاتی رہی۔

اس طرح سے نازی پارٹی نے بہت سے امرا کو یا تو بالکل لوٹ لیا۔ یا اُن کو اپنے زیر اثر کر لیا۔

نازی پارٹی کے ممبروں نے ملک کے تمام معقولیت پسند سرکردہ سیاسی لیڈروں کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا اور اس طرح سے تمام ملک میں خوف و ہراس کی ایک وحشتناک کیفیت پیدا کر دی۔ اسطرح سے نازیوں نے نہایت منظم سازشوں سے ملک کی سیاسی طاقت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

ہٹلر نے سیاسی طاقت اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی ملک کے جمہوری نظام حکومت کو ختم کر دیا۔ اور خود ایک مختار مطلق کیطرح حکومت کرنا شروع کر دیا عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی اس شخص نے اپنے تمام مخالفوں کو یا تو سرے سے قتل ہی کروا دیا۔ یا اُنھیں اسقدر خوف زدہ کیا۔ کہ وہ آواز اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔ جرمنی کے تمام یہودیوں کا مال و دولت ضبط کر کے ان لوگوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ اس درندے نے اس پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ اب اپنے حرص پرست وحشی ساتھیوں کو لے کر اس نے دنیا بھر کے تمام ملکوں کو اپنے پاؤں تلے روندنے کے منصوبے باندھنے شروع کر دیئے۔ سار۔ رائن لینڈ زیکوسلواکیہ۔ پولینڈ۔ ڈنمارک۔ ناروے۔ لکسن برگ۔ ہالینڈ۔ بلجیم وغیرہ تمام مہذب لیکن چھوٹے چھوٹے ملکوں کو اس شخص نے ایک ایک کر کے تباہ و برباد کیا۔ ان ملکوں کے ساتھ ”خونی رشتہ“ قائم کرنے کیلئے ایک اور اسکیم رائج کی۔ جرمن فوجوں کے وحشی سپاہیوں کو مفتوحہ ملکوں کی نوجوان لڑکیوں سے بدکاری کرنے کی تلقین کر دی۔ اور اس طرح سے ان درندوں کی حرص پرستی کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ اور ایک عالمگیر جنگی پروگرام کو جاری رکھنے کے لئے وسیع پیمانے پر حرامی بچے پیدا کرنے کی ایک مہم شروع کر دی گئی ہٹلر اور اس کے وحشی ساتھیوں کے روندے ہوئے ملکوں میں جن میں فرانس بھی شامل ہے معہ کھانے پینے کے سامان کے فوج کا قبضہ ہے۔ گھروں میں کپڑا۔ چمڑا۔ مٹی کا تیل تک دستیاب نہیں ہوتا۔ لوگوں کی دولت لوٹ لیجاتی ہے۔ اور شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو فوجیوں کی ناپاک ”خدمت“ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اب ہٹلر اور اسکے وحشی ساتھی ڈاکوؤں اور رہزنوں کی اس فوج کو ساتھ لیکر برطانیہ کو گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہیں۔ لیکن برطانیہ کی وسیع سلطنت جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ اپنی تمام طاقت سے نازی درندوں کی سرکوبی کیلئے بالکل تیار ہے اور اب وہ وقت دور نہیں ہے۔ جبکہ برطانیہ ان درندوں کو کچل کر رکھ دے گا۔ اور یورپ کے تمام چھوٹے چھوٹے ملکوں کو نازیوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا۔ اور پھر دنیا میں تہذیب اور تمدن اور لوگوں کا تمام کاروبار پھر سے محفوظ ہو جائے گا۔

COWARD FOOL TRAITOR



یہ وہ غدار شخص ہے جو پیتان گورنمنٹ میں پورٹو فو لیو کے بغیر فرانس کا نائب وزیر اعظم ہے ، اس کا نام پیری لاول ہے یہ فرانس کا سابق وزیر اعظم ہے اسکی صورت معصومانہ ہے ، ایک چالاک مکار قانون دان اقتدار و زر کا حریص اور لالچی ہے ۔ مسولینی کا قریبی دوست اور ابی سینیا کا غدار ہے ۔



اس کا نام کوسل لنگ ہے ، بیوقوف ہے اس نے نازیوں کے ہاتھ ناروے کو بیچ ڈالا ۔ نازیوں کے حملہ سے ایک ہفتہ پیشتر اس کی حیثیت برائے نام وزیر اعظم کی سی تھی ، اب اسکی غداری اور وطن دشمنی کے سلسلہ میں ہٹلر کی طرف سے یہ فرض تفویض کیا گیا ہے کہ وہ اوسلو ریڈیو سے نازی پروپگنڈا کرتا ہے



لیوپولڈ بلجیم کا بزدل حکمران ـــــ ہٹلر کی مرضی سے اس وقت اپنی جرمن نژاد ماں کے ساتھ کیلن کاسل میں زندگی کے دن گذار رہا ہے ، یہ وہ آدمی ہے جس کی ہمت نے جواب دیدیا ۔ اس نے اتحادیوں کے دوش بدوش جنگ جاری رکھنے کی بجائے نازیوں کی حکمت عملی اور مکاری کے آگے ہتھیار ڈال دیا ۔

بزدل

کیا تم بے وقوف ہو ؟ کیا تم بزدل ہو ؟
میں اپنے دل میں برطانیہ سے یہ سوالات کرنیکا خیال بھی نہیں لا سکتا ۔ اس برآعظم کی بہت سی دیگر سلطنتوں میں جن کو جرمنی کے حملے سے دوچار ہونا پڑا ہے ہزاروں بے وقوف ، بزدل اور غدار موجود تھے ۔ اور فرانس کو شکست اٹھانا پڑی ۔ یہ سچ ہے کہ ان ممالک کے پاس جرمنی کی طرح سامان حرب موجود تھا اور نہ ہی یہ ممالک ہٹلر کی طرح اپنے فوجی نقصانات سے لاپروا تھے ۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک مرتبہ جنرل فرانکو نے فخریہ یہ کہا تھا کہ ہسپانیہ کے پاس بھی "ففتھ کالم" موجود ہے ۔ مگر اس کے بعد صحیح الدماغ لوگوں کی نظروں میں ہسپانیہ کا وقار کم ہو گیا تھا ۔ کون جانتا تھا کہ جرمن حملے کے وقت ناروے کی اعلیٰ درجے کی

بیوقوف

جمہوری سلطنت میں میجر کوئسلنگ جیسے ففتھ کالم بے ایجنٹوں کا وجود موجود ہے ۔ بلا شک و شبہ میجر کوئسلنگ نے عین وقت پر ناروے سے غداری کر کے حضرت عیسیٰ مسیح کو دھوکا دینے والے جوڈا کی روایات کو تازہ کر دکھایا ۔
روسلو میں کوئسلنگ کے ٹکے بندھوں نے دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے سفید جھنڈا اٹھانا شروع کر دیا ۔ اور ایسے ذرائع اختیار کئے کہ تمام دفاعی انتظامات کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا ۔
اس کے بعد ہالینڈ کی باری آئی ۔ ہالینڈ کے لوگ گو صد درجہ وطن پرست واقع ہوئے ہیں مگر یہاں بھی میجر کوئسلنگ کی قماش کے لوگوں کی کمی نہ تھی ۔ چنانچہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں یہ لوگ موجود تھے ۔ یہاں تک انتظامات

غدار

مکمل کئے جا چکے تھے کہ جرمنی کی پاراشوٹ افواج کو ففتھ کالم کے ان ایجنٹوں کے نام ۔ پتے مکمل طور پر معلوم تھے ۔
بلجیم میں جو واقعات رونما ہوئے وہ ان سے بھی زیادہ افسوسناک تھے ۔ بلجیم کی بہادر افواج کو ایک اعلیٰ قسم کے کوئسلنگ یعنی خود شاہ لیوپولڈ نے ہتھیار رکھدینے کے احکام دیئے ۔ بلجیم نے اپنے حلیفوں کو دھوکا دیا اور ہٹلر کے سامنے ہتھیار ڈال کر اس کے لئے سمندر کا راستہ کھولدیا جس وقت شاہ لیوپولڈ نے افواج بلجیم کو ہتھیار رکھ دینے کے احکام جاری کئے ۔ وہ منظر قابل دید تھا ۔ بلجیم کے وزیر خارجہ کا بیان ہے کہ :
افواج کو ہتھیار رکھدینے کے لئے اعلان کے وقت شاہ لیوپولڈ کی حالت پاگلوں کی طرح تھی ۔

اس کا دماغی توازن صحیح نہ رہا تھا۔ اور وہ ہکا بکا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بال پریشان تھے اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپکی پڑتی تھی۔ جب اس کے وزراء نے اس سے اتفاق کرنے سے انکار کر دیا تو وہ دیوانہ وار زمین پر پیر مارنے لگا۔ وزیراعظم ہوبرٹ پیرلوٹ نے احتجاج کیا اور کہا کہ "میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے بچوں کے لئے بدنامی اور بے عزتی کا دھبہ چھوڑوں۔"

اس کے بعد ڈنکرک کا واقعہ رونما ہوا۔ فرانسیسی افواج نئے نئے ملاحوں پر مشتمل تھیں۔ مگر چونکہ ان ملاحوں کا سامان جنگ ابھی نہیں پہونچا تھا اس لئے یہ بحری افواج فرانسیسی افواج کو بروقت امداد نہ پہونچا سکیں اور حالات ایسے تھے کہ اتنی تاخیر میں فرانسیسی افواج کو کافی نقصان پہونچ گیا۔ اور یہ نقصان ایسا تھا جس کی تلافی ناممکن تھی۔ فرانس کا محبوب جرنیل گیملن اور پندرہ فرانسیسی جرنیلوں کو برخاست کر دیا گیا۔

فرانس کے شیر دل جرنیل ویگانڈ نے ملک سے غداری کی۔ اس کے لاکھوں سپاہی جنگ کے خواہشمند تھے۔ جوں ہی جرمنی افواج پیشقدمی کرتی ہوئی حدود فرانس میں داخل ہوئیں یہ شیر دل جرنیل جس نے شام میں قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں بھاگا بھاگا پیرس پہونچا۔ پیرس میں پہونچکر جو بزدلانہ پیغام دیا وہ بزدلی کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یاد رہے گا۔ اس جرنیل کا بیان تھا کہ:۔ جرمنی افواج پیشقدمی کرتی ہوئی سرحد فرانس میں داخل ہو چکی ہیں۔ مگر تشویش کے لئے گنجائش نہیں کیونکہ بہرحال جرمنی روسیوں سے بہتر ہیں۔ پھر رینا ڈ کی باری آئی اور اس کے بعد پیتان سیاہ و سفید کا مالک بنا۔ مگر آخر کار فرانس کو سب نے دھوکا دیا، اور اپنی مادر وطن سے غداری کی۔

فرانس کے اعلےٰ طبقے کے لوگ، الکہ بنی، فسطائی خیالات رکھنے والے سیاست داں اس وقت تک سب کے سب ہتھیار ڈال دینے کے حق میں تھے۔ اور خصوصاً فرانسیسی وزراء ملینڈن، لاول اور بونٹ اس تحریک کے بانی مبانی تھے۔

ہتھیار رکھنے سے ہفتوں پہلے فرانس کے ہر ایک فوجی دستے، ہر ایک کارخانے اور ہر ایک گھر میں ففتھ کالم کے ایجنٹ اور تنخواہ دار موجود تھے مارشل پیتان جسے فرانسیسی لوگ "وردون کا ہیرو" کے نام سے پکارتے تھے، صحیح معنوں میں جرمنی کی غلامی قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ مارشل کی قماش کے لوگ مادر وطن سے محض اس بنا پر غداری کر کے غلامی کے حلقہ بگوش ہو گئے کہ انہیں اپنی ذاتی وجاہت و مراتبت بہت عزیز تھے۔ دوسرے ممالک کو ان واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ جب وقت زیکوسلواکیہ کی جمہوری سلطنت کو کند چھری سے ہلاک کیا جا رہا تھا۔

نازیوں نے فرانسیسیوں کی مٹھی گرم کرنے کے لئے تین کروڑ روپیہ خرچ کیا۔ اور فرانس کے بہت سے اخبارات نازیوں کے وظیفہ خوار تھے۔ آج فرانس اپنے اندرونی بودے پن کی وجہ سے جرمنی کے سامنے سر بسجود ہے۔ اور پھر طرفہ یہ ہے کہ اس عظیم الشان سلطنت کو نازی درندوں نے چالیس دن۔ اور صرف چالیس دن کے عرصے میں اپنے رحم وکرم پر ڈال لیا۔ بورڈیکس جہاں ان غداران وطن نے ہتھیار رکھ دینے کی تجاویز طے کیں، فرانس کے وزیر لاول نے نیکر لوکر سے دریافت کیا کہ اسکا کیا خیال ہے نیکر لوکر نے کمال عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے جواب دیا کہ اگر فرانس دشمن کا مقابلہ جاری رکھے تو یہ ملک آخر کار برطانیہ اور امریکہ کی مدد سے غلامی کی لعنت سے بچا رہیگا۔ اور اگر فرانس جرمنی کے سامنے سرنگوں ہو گیا تو پھر شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس ملک کی آزادی اور حریت کا خاتمہ ہو جائے۔ ایم لاول نے جواب دیا: "تم ان واقعات کو جو رونما ہو رہے ہیں غیر ضروری اہمیت دے رہے ہو۔ ہٹلر کا مقصد یہ ہے کہ بالشوزم اور روس کا ستیہ ناس کر دیا جائے اور اسی امر کی ضرورت ہے۔" مگر جو ہونا تھا وہ ہوا اور فرانس وہ فرانس! جو درخشاں روایات کا حامل تھا، شکست خوردہ ہوا۔

فرانس نے اپنے حلیف برطانیہ کو دھوکا دیا۔ اپنے بحری بیڑے کو دشمن کے سپرد کر دیا اور فرانسیسی نوآبادیات جو ابھی تک غلامی کا حلقہ اپنے کانوں میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں ان کو ایلچی روانہ کئے تاکہ یہ نوآبادیات بھی ہٹلر کے سامنے سر جھکا دیں۔

یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں ففتھ کالم والوں کے خلاف زبردست مہم جاری ہے۔ قانون کے ذریعے جہاں جہاں نظر کام کر سکتی تھی اس تحریک کے ایجنٹوں کا قلع قمع کیا جا چکا ہے۔ اور چونکہ ابھی تک ایسے اشخاص کے لئے انگلینڈ میں قانون نافذ ہے۔ اس لئے کہنا پڑے گا کہ برطانیہ کو ابھی تک انگلینڈ میں ایسے لوگوں کے وجود کا شک ہے۔ اور پھر یہ شک بڑھتا جا رہا ہے چنانچہ ایک ممبر پارلیمنٹ نے مطالبہ کیا کہ ہاؤس آف کامنز (دارالعوام) کے ہر ایک ممبر کو ایک ایسی تجویز پر دستخط ثبت کرنے چاہئیں جس کا مقصد ہے کہ نازیوں سے کسی قسم کی صلاح کی گفت وشنید پر ہرگز ہرگز آمادگی ظاہر نہ کی جائے حکومت کے موجودہ تمام ممبروں میں سے جن ممبروں نے معاہدہ میونخ پر دستخط کئے تھے ان کے خلاف رائے عامہ میں بڑی بے اعتمادی پھیلی ہوئی ہے چنانچہ پبلک ان کے برخاست کئے جانے کا مطالبہ کر رہی ہے کہ ماضی میں جن لوگوں کو کسی وجہ سے بھی نازیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو قومی زندگی سے ہٹا دیا جائے جو لوگ ابھی دو سال گزرے پبلک کے لئے باعث فخر تھے۔ آج عوام ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ چنانچہ نتیجے کے طور پر سر اسوالڈ موسلے اور انہی کی بیوی کو نظربند کیا جا چکا ہے۔ کیونکہ یہ فسطائیوں کا حامی تھا اس کے علاوہ احتیاط کے طور پر اس کے بہت سے پیروکاروں کو قید کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح پارلیمنٹ کے ایک اور ممبر کپتان رامزے کو بھی گرفتار کیا جا چکا ہے۔ لارڈ مارسے نے اس کپتان کے متعلق کہا تھا کہ ہٹلر نے اس کو غداری کے لئے منتخب کیا ہے۔ اب تک برطانیہ کی تاریخ میں اندرونی مسائل کے متعلق کبھی غداری کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ اب تک قوم کے کسی فرد کو اس جرم میں قید نہیں کیا گیا تھا کہ اس نے قوم کے مشکل کے وقت دشمن کی خواہشات کے مطابق کام کیا ہو۔

بہرحال برطانیہ نے ففتھ کالم کے ایجنٹوں کے خلاف کارروائی کر لی ہے اور سمجھنا چاہیئے کہ برطانیہ اپنی ان تمام حفاظتی تدابیر کے پیش نظر ہٹلر کی وحشیانہ طاقت کے مقابلے میں ضرور کامیاب ہوگا۔ اور دنیا میں ہٹلر کے بجھائے ہوئے تہذیب وتمدن کے چراغوں کو پھر روشن کرے گا۔

جنگ انسانیت سوز

از پروفیسر طاہر رضوی ایم اے لیکچرار پریسیڈنسی کالج کلکتہ۔

تاریخ تمدن عالم کا یہ عجیب حیرت خیز اور عبرتناک حادثہ ہے۔ کہ آج جب کہ دنیا اپنی ترقی کے تقریباً جملہ مدارج طے کر چکی ہے۔ اور ابنائے آدم اپنے تئیں مہذب ترین ہستیوں میں شمار کرنے لگتے ہیں۔ تو ان کی قدیم فطرت یعنی وحشی پن اور بربریت پھر ان کے اندر عود کرنے لگتی ہے۔ اور اپنے سارے رہنماؤں کے درس اخلاقیات کو فراموش کر کے اپنی پرانی حیوانیت پر اتر آئے۔ اور انسانیت سوز حرکات میں پھر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سائنس کی دن دونی رات چوگنی ترقی دیکھتے ہوئے اکثر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال گذرتا تھا کہ خدا کا یہ کمترین بندہ یعنی انسان آخر کس حد تک پہونچنے والا ہے؟ زمین کو اپنے قابو میں کیا۔ زمین سے نیچے تک کی خبر لایا۔ سمندر پر قابض ہوا۔ سمندر کی تہ تک پہونچا۔ ہوا کو مسخر کیا۔ ہوا سے اور اونچا گیا۔ آفتاب و ماہتاب ستاروں اور سیاروں کی معلومات حاصل کیں۔ فضائے محیط میں بے تار کا سلسلہ جوڑا۔ غرض آسمان و زمین سے لیکر بحر اور تحت البحر تک کی کل موجودات پر اپنا تصرف کر کے صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کے خطاب کا مستحق ٹھیرا۔ اب اس کے بعد کیا ہونا چاہئے تھا؟ انسانی ترقی کا نہ کبھی نہ ختم ہونے والا زینہ آخر کہیں تو اختتام کو پہونچتا۔ مگر نہیں۔ قانون قدرت الٰہی ہرگز کبھی کی ترقی رفتار میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا۔ اس کا منشا یہی ہے کہ انسان بالا سے بالاتر ہوتا جائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود اسکی فطرت اسے کہیں رک جانے پر مجبور کر دے۔ اور اس کا وہ قدیم جذبۂ تکبر و خود پرستی اسے خدا پرستی سے منحرف کر کے اسفل السافلین تک دوبارہ پہونچا دے کہ جہاں سے اس نے بام ترقی پر چڑھنا شروع کیا تھا۔ یہی وہ منحوس جذبہ تھا جس نے ابلیس کی بلند پروازی کو پست و ذلیل کیا اور جس نے نمرودیت اور فرعونیت کو خاک میں ملایا۔ اسی خود فراموشی نے شداد کو اسی کی بنائی ہوئی بہشت سے محروم رکھا۔ اور اسی نے سامری کا سحر جھٹلایا۔

انسان بھی عجیب بلند حوصلہ مگر کم ظرف ہستی ہے۔ کہ آپ ہی آپ خود اپنی ترقی پر اپنے تئیں بھول بیٹھا۔ اور اپنی حقیقت کو اپنے مدارج کے سامنے قطعی طور پر فراموش کر ڈالتا ہے۔ بس یہیں پر گویا اس کی ترقی کا زینہ اختتام کو پہونچتا ہے اور پھر یہیں سے وہ دوبارہ مائل بہ پستی ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے پھر وہی باتیں ظہور میں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ جو روز اول پیش نظر ہوئی تھیں۔ یعنی کہ حیوانیت کا دور پھر سے آغاز پانے لگتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے تئیں آپ دہراتی ہے۔ اور اسی واسطے صحف آسمانی اور کتب الہامی میں مختلف زمانوں اور متعدد قوموں کی ترقی و تنزل کا تذکرہ کر کے ہمیں درس عبرت دیا گیا ہے۔ یہ محض اگلوں کی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ انسان کی یہی تو ایک کمزوری ہے کہ اپنی ذرا سی بزرگی پر وہ اترانے لگتا اور "ہمچو من دیگرے نیست" کا بیانگ دہل اعلان کرنا شروع کر دیتا ہے۔

چنانچہ اسی چیز سے بچے رہنے کیلئے ہمیں بار بار متنبہ کیا گیا ہے تاکہ ہم بلندی سے پستی کی طرف نہ آجائیں اور انسانیت سوز حرکات سے محفوظ رہیں۔ آج موجودہ دنیا والوں نے جس قدر ترقی کی وہ ظاہر ہے مگر اس ترقی کا لازمی نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا کیا وہ بھی ظہور میں آیا؟ نہیں ہرگز نہیں تمدن اور تہذیب کی بلندی اور سائنس کی ترقی علوم و فنون کا کمال اور پھر ان سب پر فضل ایزدی شامل حال۔ خاکی انسان کیلئے اب اور کیا چاہئے تھا؟ لازم تو یہ تھا کہ وہ مہذب بن کر اب دنیا بھر کو چین سے رہنے دیتا اپنے علوم و فنون کے خزانوں سے ساری دنیا کو فیض پہونچاتا اور اپنی سائنس کے ذریعہ ایجادات اور اختراعات کر کے اپنے ابنائے جنس کے آرام و سکون کا سامان مہیا کرتا۔ یہاں تک کہ سارے جہان میں صلح و امن کی کارفرمائی ہوتی۔ مگر خدا برا کرے اس بُری عجیب فطرت کا کہ آدم کا ہر ایک بیٹا آئینۂ گیتی میں اپنے سوا کسی دوسرے کی شکل دیکھنا پسند ہی نہیں کرتا۔ اور قابیل وار اپنے ہر ہابیل بھائی کو صرف اسلئے فنا کر دینا چاہتا ہے کہ تمام روئے زمین پر بس اسی کی حکومت رہے اور سارے کے سارے بندگان خدا صرف اسی کے محکوم بن کر زندگی بسر کریں۔

اگلی اور پچھلی قوموں کی تاریخیں دیکھئے۔ اور بادشاہان اولوالعزم کی فتوحات ارضی سے عبرت حاصل کیجئے۔ فاتح نہ خود چین سے بیٹھتا ہے اور نہ دوسروں کو چین لینے دیتا ہے۔ صفحۂ ہستی کے ایک گوشہ سے اٹھتا اور دوسرے گوشوں تک پہونچتے پہونچتے زندگی کی آخری سانس لے کر اپنی امیدوں بھری دنیا کو ہمیشہ کیلئے خیرباد کہ ڈالتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ایک کا حال دیکھکر دوسرے سبق لیتے۔ مگر نہیں انسانی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ جب ذرا صاحب اختیار رہا۔ اپنے اختیارات کو وسیع اور وسیع تر کرنے کی اسے سوجھی۔ اب اس میں وحشی پن اور بربریت ہی سے کیوں نہ کام لینا پڑے۔

چنانچہ جنگ کے دوران میں ہر چیز روا۔ اور ہر بات جائز۔ کل تک تو ہم خود صدیوں سے چنگیز کے منگولیوں اور تاتاریوں کی سفاکی اور خونریزی کے ذکر سے اپنی تصنیف کردہ کتابوں کے اوراق سیاہ کرتے تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں اپنے تئیں مہذب شمار کر کے اپنی امن پسندی اور صلح جوئی پر فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ مگر آج وہی ہم ہیں کہ تہذیب و تمدن کی روشنی میں چنگیز و ہلاکو جیسے وحشیوں کو بھی مات کر رہے ہیں۔ اور ان سے زیادہ اپنی حیوانیت اور وحشت و بربریت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم کے بعد مشرق و مغرب کے لوگوں نے اطمینان کا سانس لینا شروع کیا تھا۔ اور یہ سمجھنے لگے تھے کہ موجودہ دور تہذیب میں بے شمار انسانوں کا قتل عام اور ان کے ملک و مال کی تباہی نے دنیا کو اس قدر کافی سے زیادہ

نقصان پہونچایا ہے کہ شاید ابھی صدی دو صدی تک دنیا والے جنگ و جدل کا نام نہ لینگے۔ اور اس درمیان میں آپس کے تعلقات و ارتباط تہذیب جدید کی روشنی میں اس قدر بڑھ جائیں گے۔ کہ پھر آئندہ تقریباً ہمیشہ کیلئے امن و صلح کا قیام ہوجائے گا۔

چنانچہ ۱۹۱۹ء کے آغاز ہی سے بین الاقوامی اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی خیال سے ایسے ایسے پرامن اداروں اور انجمن کی بنیادیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ کہ صورت حال دیکھتے ہوئے قوی امید کی جاتی تھی۔ کہ اب فتنہ و فساد کا قطعی سد باب ہوچکا۔ مگر افسوس کہ اول دن ہی سے یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ باوجود ۔ بین الاقوامی انجمنوں کے قیام اور آپس کے معاہدوں کے کسی کی بھی نیت دوسرے کے مقابلہ میں صاف نہ تھی ہر قوم دوسری قوم کے مقابلہ میں اسی بات کی خواہشمند رہتی کہ بین الاقوامی عدالتوں کے فیصلے اس کے موافق ہوا کریں۔ اور اگر ایسا ظہور میں نہ آیا۔ تو اس کا نمائندہ مجلس اتحاد و اتفاق سے کنارہ کشی کرلیتا۔ چنانچہ ایسی پیچیدگیاں حسب معمول بڑھتی گئیں۔ اور رفتہ رفتہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا بازار گرم ہونے لگا۔ ابتدا میں بین الاقوامی اداروں نے چند سیاسی مسائل کی گتھیاں کچھ ایسی آسانی سے کھولی تھیں کہ مستقبل حقیقتاً امید افزا دکھلائی دیتا تھا۔ مگر جیسا کہ بالعموم ہوا کرتا ہے۔ قوی اور زور آوروں کی کوششیں برابر یہی رہیں کہ کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور جہانتک ممکن ہو انہیں دبایا جائے۔

نتیجہ اس کا یہی ہوا کہ صرف چند سال کی مدت میں بین الاقوامی عدالتوں کی اہمیت سرے سے جاتی رہی اور ارباب حل و عقد کیلئے وہی پرانی مشکلات پھر پیش نظر ہونی شروع ہوگئیں۔ ادھر ملک ملک میں جمہوریت کی آڑ اور عوام الناس کے مفاد کے پردے میں آمریت (ڈکٹیٹرشپ) نے ظاہری ملوکیت کا قلع قمع کرنا اور شخصی اقتدار کی بنیاد ڈالنا شروع کیا۔ سلاطین کو یا تو اپنا تاج و تخت ہمیشہ کیلئے چھوڑنا پڑا یا پھر اپنی قوم کے ڈکٹیٹر کے ماتحت عضو معطل بن کر محض اپنی ظاہری وجاہت پر قناعت کرنا پڑا۔ ہر قوم کے اندر جماعت بندیاں ہونے لگیں۔ پھر ہر ایک جماعت اپنی مخالف دوسری جماعت کی قوت کو وطن پرستی اور مفاد قومی کے نام پر توڑنے کی کوشش میں مصروف ہوگئی۔ فتح و کامرانی اسی جماعت کو حاصل ہوا کرتی تھی کہ جس کا لیڈر اس ملک کا ڈکٹیٹر بنا ہوتا۔ اس سلسلہ میں کشت و خون سے بھی کبھی احتراز نہ کیا گیا۔ اور زمانہ کے سینکڑوں ہزاروں بہترین دماغ ملک و قوت کے نام پر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

پہلے اگر عوام الناس کی گردنوں میں زار اور قیصر جیسے شاہان جبروت کے طوق غلامی پڑے ہوئے تھے۔ تو اب اسٹالن و موسولینی اور ہٹلر کی سی شخصیتیں اپنے اپنے ملک و قوم کی آزادی سلب کرلینے کے ساتھ ساتھ دوسری دوسری اقوام کو بھی فنا کردینے پر تلی ہوئی نظر آنے لگیں اس طرف اگر جاپان نے چین کی جانب حرص و آز کا ہاتھ بڑھایا تو دوسری طرف اسپین کی قومی اور حقیقی جمہوریت کا خاتمہ ہوا۔

حبشیوں کی ہزاروں سال کی جمی جمائی پرامن سلطنت کو مٹے ابھی زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ البانیہ پر بھی چند گھنٹوں کے اندر اطالوی جھنڈا لہرانے لگا۔ اور وہاں کے شاہی خاندان کو ہمیشہ کیلئے اپنا ملک و وطن چھوڑنا پڑا۔ ایک جانب اگر آسٹریا اور ہنگری پر جرمنی دباؤ ڈالا گیا۔ تو دوسری جانب محض قلیل مدت میں۔ چیکوسلوبکیہ کو اپنی آزادی سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔

انقلاب کی رفتار کچھ ایسی تیزی سے بڑھتی نظر آئی کہ اب دنیا بھر کی مختلف حکومتیں اور سلطنتیں بجائے اس کے کہ ظلم و ستم کے مقابلہ میں حسب معاہدہ ہائے۔ قدیم ایک دوسرے کی مدد پر مستعد ہوتیں۔ اپنے ہی استحفاظ کی فکر میں مبتلا ہوگئیں۔ صورت حال ابھی یہ درپیش ہی تھی کہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں یکا یک ایک صحیح معنوں میں عالمگیر جنگ کا آغاز ہو ہی گیا۔ اور وہ روز بد آکر رہا۔ کہ جس کا ساری دنیا کو اندیشہ تھا۔

پولینڈ پر جرمنوں کی تاخت نے گویا حقیقی طور پر ایک ایسے خطرے کا اعلان کردیا جس سے کل دنیائے انسانیت کے تباہ ہوجانے اور تہذیب و تمدن کی اینٹ سے اینٹ بج جانے کا خوف لاحق ہونے لگا۔ چنانچہ اب وہ قومیں اور حکومتیں بھی آمادہ پیکار ہوگئیں جو اس وقت تک غیر جانب دار رہنا پسند کرتی تھیں۔ اور خواہ مخواہ پرائی آگ میں کودنا ہرگز نہیں چاہتی تھیں۔ برطانیہ عظمی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ فرانس و بلجیم نے جرمنوں کے خلاف جنگی کارروائیوں کا اعلان کیا۔ اور بس بارود میں گویا چنگاری پڑی ہٹلر نے رفتہ رفتہ اپنا اصلی روپ دکھلانا شروع کیا اور محض قلیل مدت میں پولینڈ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

روس کا ڈکٹیٹر جو خاموش بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ پولینڈ کی تباہی سے فائدہ اٹھا کر اس کا ایک بڑے حصہ ملک پر قبضہ کرکے فن لینڈ پر چڑھ دوڑا اور چند ماہ کے اندر اسے تباہ و برباد کرکے چھوڑا۔ ادھر ہالینڈ اور لکسمبرگ بھی ہٹلر کی گرفت میں آگئے۔ بلجیم نے یہ نقشہ دیکھتے ہی جرمنوں کی مہربانی پر بھروسہ کرتے ہوئے ہتھیار رکھدیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کا جوا گردن میں ڈالنا پڑا۔ رفتہ رفتہ ناروے۔ سویڈن۔ اور ڈنمارک۔ بھی جرمنوں کی دست درازیوں کے شکار ہوگئے۔ اور آخر میں جنگ کا پہلا سال ختم ہوتے ہوتے تاریخ عالم کا وہ بڑا حادثہ رونما ہوا۔ جو فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کی تباہی کے سلسلہ میں آئندہ عرصہ دراز تک یاد رکھا جائے گا۔ جرمنوں جیسے وحشیوں کے ساتھ فرانس کے چند غداروں کی بدولت اس کا ایک ذلت آمیز صلحنامہ کرلینا ظاہر ہے کہ برطانیہ والوں کی جنگی جد و جہد کیلئے بڑا ہی مضرت رساں تھا۔

ہٹلر کے راستہ میں روک ٹوک کرنے والا برطانیہ کے سوا اب گویا کوئی بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ اب تک یہ کشمکش جاری ہے۔ اور برطانیہ کے باشندے جرمنوں کی وحشت اور بربریت کے مقابلہ میں پامردی اور استقلال کے ساتھ ڈٹے کھڑے ہیں۔ ان کے گھر بار مسمار کئے جارہے ہیں ان کے اسکولوں اور ہسپتالوں پر آتش باری ہورہی ہے ان کے زن و مرد۔ بوڑھے اور بچے بم باریوں کے شکار ہورہے ہیں۔ ان کے بچوں سے بھرے ہوئے جہاز پرامن پناہ گاہوں میں منتقل ہوتے ہوئے غرق آب کئے جارہے ہیں۔ ان کے دشمنوں سے ساز باز کرکے انہیں تازہ ترین مصیبتوں میں مبتلا کیا جارہا ہے۔ ان کے دوستوں اور حلیفوں پر دست درازی کے سلسلے جاری ہیں غرض ہر طرح ان پر عرصہ دنیا تنگ و تاریک کردینے کی کوششیں ہورہی ہیں مگر وہ ہیں کہ تہذیب و تمدن کے ان دشمنوں سے دست و گریبان ہیں۔ کیا یہ عبرت کا مقام نہیں کہ محض ذاتی وجاہت کے قیام کی غرض سے دنیا بھر میں آگ لگائی جارہی ہے؟ اور ایک ایسی انسانیت سوز جنگ برپا ہے جس سے سوائے اس کے کہ بیشمار لوگوں کی قیمتی جانیں ہلاک ہوں اور ان کے بنے بنائے کارخانے تباہ و برباد ہوں دوسری کوئی مفید بات حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ مگر اس فانی دنیا کے رہنے والے ذرا بھی متنبہ نہیں ہوتے۔ ان کے سر پر غرور میں کبھی بھی یہ خیال نہیں گذرتا کہ آخر ترقی اور تہذیب کا اصلی مقصد کیا ہے۔

جرمن قوم ہٹلر پر ہنستی ہے

(از:۔ کے۔ کرشنا مورتی)

چند ہفتوں کے بعد ہم لوگ یورپ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں ہماری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی جو جرمنی میں تین سال گذارنے کے بعد واپس ہوا تھا۔

میں نے اس سے ہٹلر کی کہانیاں سنانے کی استدعا کی اس نے فی الفور میری گذارش پہ عمل کیا، اور دوران سفر میں، میں نے اس سے جو کچھ سنا تھا، وہ میرے ذہن میں کہانیوں کی شکل میں باقی رہ گیا۔

مبارکباد ی۔ ہٹلر مر گیا۔ اور آسمان پر چلا گیا ــــ وہاں اس نے خدا سے کہا، پیارے خدا ہٹلر کی تعریف کر (ہیل ہٹلر لائبر گوٹ) خدا نے اس پر جواب دیا۔ پیارے ہٹلر، خدا کی تعریف کر (گروس گوٹ، لائبر ہٹلر)

چکر پر چکر

فوہرر، گوئرنگ، اور گوئبلز مرنے کے بعد آسمان پر گئے۔ وہاں سینٹ پیٹر نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آیا انہوں نے زندگی میں کوئی جھوٹ بولا ہے، ایک جھوٹ کے لئے ان کو آسمان کے چاروں طرف ایک چکر لگانا پڑیگا، ہٹلر نے جواب دیا کہ میں نے ایک بار جھوٹ بولا ہے، گوئرنگ نے تین بار جھوٹ بولنے کا اعتراف کیا، سینٹ پیٹر نے چاروں طرف دیکھا اور پوچھا۔ وہ مختصر قد کا انسان کہاں ہے؟ گوئرنگ نے بے پروائی سے جواب دیا۔ اوہ! وہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے زندگی میں کتنی بار جھوٹ بولا ہے، اسی لئے وہ اپنی موٹر سائیکل لانے کے لیے گیا ہے۔

کثیف کتا:۔ ایک یہودی نے کسی جرمنی دوست کی نگرانی میں ایک کتا دیدیا، بدقسمتی سے کتا مر گیا یہودی سے اس واقعہ کو کہنے کی کسی میں ہمت نہیں ہوی، لیکن ایک چھوٹے سے لڑکے نے یہ واقعہ یہودی سے کہنے پر آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ وہ یہودی کے پاس گیا اور کہا ہیل ہٹلر، کتا مر گیا ــ یہودی نے ایسی اچھی خبر سنانے پر اُسے ایک مارک انعام دیا۔

واپسی نہیں ہوگی:۔ ہٹلر نے گوئبلز کو سینٹ پیٹر کے پاس بھیجا، کہ وہ ہٹلر کو ایام تعطیلات گذارنے کے لئے کوئی اچھا سا موسم بتائے۔ مگر گوئبلز واپس نہیں آیا۔ اس لئے اس نے گوئرنگ کو بھیجا۔ مگر گوئرنگ بھی جا کر واپس نہیں آیا۔ آخرکار وہ خود گیا سینٹ پیٹر نے اس کی درخواست منظور کر لی، تب ہٹلر نے اس سے پوچھا کہ اس کے ساتھیوں پہ کیا گذری، سینٹ پیٹر نے جواب دیا، کہ وہ جو طویل القامت ہے وہ تو ستاروں کے انبار جمع کر رہا ہے، اور پستہ قد فرشتوں کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

کھانا کھانے کے لئے:۔ ایک روز ہٹلر نے گوئبلز گوئرنگ، اور شاخت کو ایک رسٹورنٹ میں کھانا کھانے پہ ملامت کی، کیونکہ اس کے کابینہ کے وزیروں کی شان سے یہ بات ذرا گری ہوئی تھی اس پر گوئبلز نے جواب دیا فوہرر، ہم لوگوں کو کسی نے پہچانا نہیں ہوگا، کیونکہ گوئرنگ اپنے یونیفارم میں نہیں تھا، اور میں اپنی بیوی کے ساتھ تھا، اور شاخت نے بل ادا کیا،

ستم ظریفی:۔ مکھن اور انڈوں کی کمی سے عوام الناس کی بے چینیوں اور اضطراب کی وجہ سے خوفزدہ ہو کر ہٹلر نے گوئرنگ سے کہا کہ وہ پیٹی سے کمر کس کر شہر کے چاروں طرف ایک چکر لگا آئے، تاکہ عوام کو فربہی کی ایک مثال دیکھنے کا موقعہ ہاتھ آئے۔ گوئرنگ چکر لگاتے لگاتے گوئبلز سے دوچار ہوا۔ گوئبلز نے اس سے شکایت کی کہ وہ بے روزگار ہو گیا، گوئرنگ نے جواب دیا ــ مگر ہم لوگوں کی فربہی تو بدستور قائم ہے۔

عملی مذاق:۔ اپنے داہنے ہاتھ کی درمیانی انگلی کو اندر کر لو، اور دیگر انگلیوں کو میز پر دباؤ ـــ یہی ہٹلر ہے جو تیسری ریشس میں تقریر کر رہا ہے، اب اپنی شہادت کی انگلی اوپر اٹھاؤ اور اسے گردش دو، یہ گوئرنگ ہے۔ جو جرمنی کے لئے بول رہا ہے، اچھا اب چھوٹی انگلی کو اٹھاؤ اور گردش دو یہ گوئبلز ہے۔ اور یہ بھی جرمنی کے لئے تقریر کر رہا ہے اچھا اب چوتھی انگلی کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرو، اس کو گردش دینا ناممکن ہے، یہ جرمنی قوم ہے،

گوشت کا مسئلہ:۔ ہٹلر اور گوئرنگ نے ایک چھوٹے سے بچے کو دیکھا کہ وہ ایک سینڈوچ بڑے ذوق و شوق سے کھا رہا ہے، ہٹلر کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ کیا کھا رہا ہے، گوئرنگ اس لڑکے کے پاس گیا اور پوچھا کہ وہ کیا کھا رہا ہے، لڑکے نے جواب دیا کہ ہوٹنس وسیل سا سیج ہے (سور کا گوشت آ... لا

"جنگ انسانیت سوز" کا بقیہ مضمون

دنیا اس سے پہلے بھی بارہا انقلابات کی شکار بن چکی ہے۔ اور موجودہ صورت حال بھی برابر قائم رہنے والی ہرگز نہیں۔ ہوگا وہی جو عموماً ہوتا آیا اور ہوا کرتا ہے ہاں انسانی تمدن و معاشرت کی تاریخ میں دشمنان انسانیت کی سیاہ کاریاں ضرور درج کی جائیں گی۔ اور آئندہ کی انسانی نسلیں اس موجودہ ترقی یافتہ دور تہذیب سے یقیناً درس عبرت حاصل کریں گی۔

ہوا) گوئرنگ نے آکر ہٹلر سے کہا کہ وہ ہورس ویسل سا ایسچ کھا رہا ہے؟ وہ کیا چیز ہے، اس سنیڈ وچ میں تو سوائے روٹی کے اور کچھ نہیں ہے۔ گوئرنگ نے پوچھا ایسچ کہاں ہے، جواب۔ وہ روح ہے اور گردش میں ہے، (ہورس ویسل ایک گیت ہے جو مرے ہوئے رفیقوں کے لئے گایا جاتا ہے جن کی روحیں ہم لوگوں کے ساتھ ساتھ رہا کرتی ہیں۔

معجزہ اور کرامت :۔ ہٹلر حرکت قلب بند ہو جانے سے مر گیا، کیونکہ اس نے مندرجہ ذیل باتیں دیکھی تھیں (۱) گوئرنگ کو بغیر تمغہ جات کے (۲) گوئبلز کو اپنی خاص بیوی کے ساتھ اور (۳) ... کو متین و سنجیدہ

بہشت میں :۔ ہٹلر بہشت میں گیا اور سینٹ پیٹر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اُسے تھوڑی دیر تک انتظار کرنا پڑا، لیکن اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اندر آتا ہے اور باہر جاتا ہے، وہ ایک یہودی کی طرح معلوم ہو رہا تھا ہٹلر نے پوچھا کہ یہودیوں کو آزادانہ طور پر اس طرح نقل و حرکت کرنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے پورٹر نے کہا اپنی زبان روک، یہ سردار کا بیٹا ہے،

ایسی ہی کہانیاں ہیں، اس سے کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے یا نہیں، اور وہ نتیجہ کیا ہوگا اگر برآمد کرنے کی کوشش کی جائے، وہ میرے خیال میں موزوں نہیں ہے، لیکن اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ایک آہنی آمریت میں بھی سیاسی بذلہ سنجیاں اور مذاق ہوتے ہی رہتے ہیں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو نگل سکتی ہیں لیکن چھوٹی مچھلیاں اپنی ہستی سے باز نہیں آسکتیں ایسی قوم کے بارے میں ہمیشہ یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں پر ہنس سکتی ہے، اور نہ یہی یقین ہے کہ ایسے حکمراں ایسی سیاسی بذلہ سنجیوں سے دلچسپی نہ رکھیں، اور اس سے قطعاً پرہیز و اجتناب کریں۔

جرمنی میں یہ افواہ بڑے زور و شور سے گشت لگا رہی ہے کہ فیلڈ مارشل گوئرنگ اپنے شوفر کو اپنے متعلق ہر نئی کہانی سنانے پر دس مارک انعام دیا کرتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ حقیقت نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سچ ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے کردار پر حقیقی روشنی پڑتی ہے۔

ہمارا پیغام، دشمن ہند کے نام

از غلام مرتضیٰ افسر غازیپوری کلکتہ

آئیگا اگر ہند میں پس جائے گا دشمن
ہے جس کی طلب اس کو نہیں پائیگا دشمن

ہم ہند کے باشندے ہیں ہیں صاحب غیرت — ہر بات میں ہیں فرد شجاعت ہو کہ ہمت
اللہ نے بخشی ہے ہمیں دہر میں طاقت — ہر حال میں منظور وطن کی ہے حفاظت

آئے گا اگر ہند میں پس جائے گا دشمن
ہے جس کی طلب اس کو نہیں پائیگا دشمن

ہے توپ سے ڈر ہم کو نہ تلوار سے ڈر ہے — خنجر سے ہے کچھ خوف نہ سوفار سے ڈر ہے
سولی سے خطر ہے نہ ہمیں دار سے ڈر ہے — ان میں سے نہیں ہم جنہیں اغیار سے ڈر ہے

آئے گا اگر ہند میں پس جائے گا دشمن
ہے جس کی طلب اس کو نہیں پائیگا دشمن

ہے اپنے وطن کیلئے مرنا ہمیں منظور! — پروا نہیں ہو جائیں بلاؤں میں جو محصور
جانبازی میں ہیں طاق دلیری میں ہیں مشہور — اغیار ہمیں کر نہیں سکتے کبھی مجبور

آئے گا اگر ہند میں پس جائے گا دشمن
ہے جس کی طلب اس کو نہیں پائیگا دشمن

مفلس ہیں مگر ہم کو وطن سے ہے محبت — نادار ہیں پر ہم کو وطن سے ہے محبت
فطرت ہے اگر ہم کو وطن سے ہے محبت — ہر شام و سحر ہم کو وطن سے ہے محبت

آئے گا اگر ہند میں پس جائے گا دشمن
ہے جس کی طلب اس کو نہیں پائیگا دشمن

خون اس کا بہائیں گے لگائے گا جو خنجر — تڑپے گا چبھوئیں گے ہر اک رگ میں وہ نشتر
آئے گا تو جائے گا نہ یاں سے کبھی بچ کر — ہم واصل دوزخ اسے کر دیں گے اے افسر

آئے گا اگر ہند میں پس جائے گا دشمن
ہے جس کی طلب اس کو نہیں پائیگا دشمن

یورپ کا سفر

از:- جناب اقبال صاحب مرزا پوری

"کوئی پستول تو نہیں ہے تمہارے پاس" سارجنٹ نے پستول تانتے ہوئے کہا۔

میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے "نہیں جناب"

"کیا تم کسی ملک کے مخبر ہو۔"

میں نے اس کا جواب نہیں دیا۔

"مگر اس کا ثبوت"

میں نے اپنا پاسپورٹ پیش کیا۔

پولیس افسر اس کو غور سے دیکھنے لگا مگر اس کا پستول جس کو دیکھ کر میرا خون خشک ہو رہا تھا اب تک تنا ہوا تھا۔

"جناب" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا ہے"

کہیں ایسا نہ ہو کہ لبلبی دب جائے اور یہ ناکردہ خاکسار قبل از وقت فنا فی الیورپ ہو جائے

سارجنٹ مسکرا پڑا۔ "اس قدر خوفزدہ ہو تم" ڈرتے ہو مرد ہو کر" اس نے پستول جیب میں رکھ لی۔

تصویر تو تمہاری ہی ہے نا۔

اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

ہاں تصویر تو یقیناً تمہاری ہے مگر اس کا کیا ثبوت کہ تمہارا نام بھی اصلی ہے۔

ہاں پاسپورٹ دینے والوں نے یقیناً جانچ پڑتال کے بعد مجھکو آنے کی اجازت دی ہوگی۔

ہو سکتا ہے۔ اچھا تمہارے پاس کوئی خطرناک قسم کا آلہ تو نہیں۔

حاضر ہوں تلاشی لے لیجئے۔

لیکن یہ تمہارے جیب میں کیا ہے۔

"بسکٹ"

اس کو تم نے اپنے پاس کیوں رکھا

بیا شہر زبان سے ناواقف محض اس لئے ساتھ رکھا کہ بھوک لگنے پر اس کے ذریعہ شکم پری کر سکوں۔

لیکن اس میں زہریلا مادہ نہ ہو۔ سارجنٹ نے کہا۔

آپ نہایت اطمینان سے اس کا ڈاکٹری معائنہ کرا سکتے ہیں۔

"کہاں ٹھہرے ہو"

"وکٹوریہ ہوٹل" میں نے کارڈ پیش کیا۔

پولیس افسر نے پاسپورٹ میرے حوالے کیا اور آگے بڑھ گیا۔

واقعہ یوں ہے کہ اینجانب کو یہ پہلا اتفاق تھا کہ سرزمین یورپ پر جلوہ افروز ہوئے تھے اور وہ بھی ایسے زمانے میں جبکہ خود اس جگہ کے رہنے والوں کو اطمینان نہیں تو مجھکو کون پوچھتا۔

اس شہر میں آئے ہوئے پہلا دن تھا کوئی جان نہ پہچان راستہ کس سے پوچھوں۔ مگر اب تو راستہ پوچھتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔

یہ سامنے کھڑی ہوئی پولیس معاذ اللہ کس کی شامت ہے جو اس سے کوئی سوال کرے۔ ابھی ابھی ایک آفت سے چھٹکارا ہوا ہے اور پھر اسی کے لئے تیار ہونا۔ ناممکن۔ مگر راستہ پوچھوں کس سے۔

میں آگے بڑھا۔ ڈرتا۔ جھجکتا۔ کانپتا اور بجائے راستہ پوچھنے کے اس کے ہاتھ میں پاسپورٹ تھما دیا اس نے پہلے مجھکو غور سے دیکھا اور اس کے بعد پاسپورٹ کو۔ "تم کسی مخالف پارٹی کے ممبر ہو" اس نے سوال کیا۔

اب مجھکو معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ میں پاسپورٹ تھما کر میں نے سخت ترین حماقت کا ثبوت دیا ہے۔

اور یہ پرانے زمانے کی کتاب جس میں باقاعدہ ہر قسم کے سوال جواب کی تفصیل رہتی ہے بالکل بیکار ثابت ہوئی اس میں تو سوائے کھانے پینے کی باتوں کے اور کچھ ہے ہی نہیں اب ضرورت اور سخت ضرورت ہے ایسی کتاب کی جو باقاعدہ محکمہ سراغرسانی کی تصنیف کردہ ہوتا کہ ایک مسافر ان سوالات کا جواب دینے کے لئے تیار رہے جو بلائے ناگہانی سے کسی طرح کم نہیں۔

جی نہیں، میں نے قہر درویش برجان درویش پر عمل کرتے ہوئے کہا،

"مگر تمہاری پریشانی تو کچھ اور کہتی ہے" اس نے کہا

مگر شاید جی ہاں ممکن ہے آپ کا کہنا غلط ہو۔

"کیا تم تلاشی دے سکتے ہو"

جی ابھی ابھی دس پندرہ منٹ پہلے دے سکتا تھا۔

"کیا"

وہی چیز جو تلاشی کے بعد شاید آپ کے جیب میں پہنچ جاتی اور بھوک کے وقت کام آتی۔

"یعنی"

جناب بسکٹ۔

"کیا بکتے ہو۔"

جناب میں حاضر ہوں تلاشی لے لیجئے مگر میرے پاس اب کچھ نہیں۔

"مت بکو" اس نے وسل بجائی اور دیکھتے ہی دیکھتے دو تین پولیس میرے سر پر مسلط ہو گئی۔ اس کے بعد تلاشی شروع ہوئی ہر ایک کپڑا نہایت غور اور اطمینان سے دیکھا گیا مگر یہاں کچھ ہو تب نا۔ میں اطمینان کا سانس لینے ہی والا تھا کیونکہ تلاشی ختم ہو رہی تھی۔ مگر برا ہو کمبخت ان عاشقانہ خطوط کا۔ . . . . . میری جیب میں بھی بیگم صاحبہ کا ایک گرامی نامہ موجود تھا۔ محبت اور پیار کے چیدہ چیدہ الفاظ سے بھرا ہوا۔

پولیس کے لئے یقیناً یہ عجیب و غریب چیز تھی اس کو لاکھ الٹا پلٹا مگر اردو زبان تھی کوئی دوسری زبان ہوتی تو شاید پڑھ بھی لیتے۔ یکایک ان کے تیور پھر گئے ناک سے گرم گرم شعلے نکلنے لگے۔ باغی۔ بغاوت کا کھلا ثبوت مشکوک تحریر۔ . . . . . یہاں تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

اب چونکہ ایک کاغذ پکڑا جا چکا تھا لہذا کوٹ پتلون کی شامت آگئی سب سے پہلے کوٹ کی بخیہ ادھیڑی گئی اور قسمت ملاحظہ ہو کہ شانے پر نرمی کے لئے جو روئی رکھی جاتی ہے اس پر ایک مہر لگا ہوا کپڑا بھی نمودار ہوا۔

سب کے سب خوشی سے اچھل پڑے۔ باغی۔ باغی۔ باغی۔ خط اور مہر۔ میں نے لاکھ سر پٹکا ہزار صفائی پیش

تواریخ اقوام عالم میں انفرادی

اگر ایک سنہرے بالوں والی چوبیس سالہ حسینہ ٹائپسٹ جرمن جنرل سے شادی نہ کرتی تو موجودہ جنگ عظیم عالم وجود میں ہرگز نہ آتی۔ کیونکہ اقوام کی زندگیوں اور تاریخوں میں اکثر نجی اور ذاتی معاملات کے اثر سے زبردست انقلابات رونما ہوتے آئے ہیں۔

جرمنی کے قدیم، واہیات اور ناکارے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک پختہ کار جنرل نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے دل کا کہا کرے گا۔ ۵۹ سال کی عمر میں اس پر محبت کے دیوتا کی نظر عنایت ہو گئی۔ اور اس نے اپنی محبوبہ سے شادی کر لی۔ لیکن اس خالص شخصی اور خانگی معاملہ کا بالواسطہ نتیجہ موجودہ جنگ ہوا۔ یہ ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے سر نیول انڈرسن کی شہادت عینی موجود ہے جو اس وقت برلن میں برطانوی سفارت کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کا قول ہے کہ فیلڈ مارشل ولن بلومبرگ کی شادی سب سے بڑی تباہی تھی اس کی وجہ سے جرمن فوجوں میں شورش برپا ہو گئی، اور ہٹلر کو مجبوراً چودہ جنرلوں کو برطرف کرنا پڑا۔

ان معزول افسروں میں سپہ سالار اعظم جنرل فان فرچ بھی تھا جس کی موت پولینڈ کے جنگ میں واقع ہوئی ہے واقعہ یوں ہوا کہ معزول افسران سب کے سب ہٹلر کو کارآمد اور اہم مشورے دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی علیحدگی سے ہٹلر بیرون جرمنی سے روز بروز بیگانہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ بذات خود قانون بن کر رہ گیا۔

اس حسین ٹائپسٹ لڑکی نے فطری طور پر جنرل سے شادی کا اقرار کر کے بلکہ اس سے شادی کر کے غیر ارادی طور پر یورپ کی دوسری جنگ عظیم کی بنیاد رکھدی۔ کسی فرمانروا کے شخصی واقعات اکثر قوموں کی قسمتیں بدل دیتے ہیں یہ تاریخ کا ایک سبق ہے

اگر سابق قیصر جرمنی ولیم دوم اور شہنشاہ اڈورڈ ہفتم ایک دوسرے سے دلی نفرت نہ رکھتے ہوئے تو شاید ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم معرض وجود میں نہ آتی۔ شہنشاہ اڈورڈ کو قیصر جرمنی کی خود اعتمادی و خود بینی پسند نہ تھی پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے کے دل میں منافرت کے جذبات بیدار ہو گئے۔ اور سالہا سال تک دلوں میں پرورش پاتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات ان کو مشتعل تر کرتے رہے۔

کاؤنٹس آف وارک نے اسی قسم کے ایک معمولی واقعہ کا ذکر کیا ہے جو کاوز کے مقام پر ظہور پذیر ہوا تھا قیصر اور شہنشاہ بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ کہ مٹن پرائر جنگی نامہ نگار سامنے سے گزرا۔

"یہ کون عجیب و غریب مختصر سا آدمی ہے"۔ قیصر نے پوچھا۔

"مشہور و معروف جنگی نامہ نگار مٹن پرائر۔"

اڈورڈ نے جواب دیا

"ہونہہ" قیصر نے حقارت سے کہا "ایک جرنلسٹ"

"یورپ کا سفر" کا بقیہ مضمون

کی مگر کچھ بھی نہ سنا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ بتلاؤ تم کس طرح مرنا چاہتے ہو۔

یہاں تو پیر کے نیچے سے زمین نکل گئی میں یہاں گھومنے آیا تھا نہ کہ مرنے اور لطف یہ ہے کہ میں مرحوم و مغفور ہونے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ پردیس میں مرنا بھی کوئی مرنا ہے۔ جہاں نہ کوئی رونے والا نہ آنسو بہانے والا اور سب سے بڑی مشکل تو یہ تھی کہ اس فرنگستان میں نماز جنازہ کون پڑھاتا۔ پادری تو سینکڑوں تھے مگر مولوی کوئی نہیں۔

"بتلاؤ تم خود مرو گے یا مارا جائے"، ان لوگوں نے گرجتے ہوئے کہا۔"

مگر میں تو یہ ہرگز نہ سمجھ سکا کہ میں خود سے کیسے مروں۔

"تم کہو تو پستول تمہارے حوالے کیا جائے اور مار کر مر جاؤ۔"

مگر جناب میرے مذہب میں خودکشی حرام ہے۔

کیا بکتے ہو اچھا ہم خود ہی ماریں گے یہ تو بتلاؤ تمہاری آخری آرزو کیا ہے۔

میں سیر سے باز آیا مجھکو اجازت دی جائے کہ اپنے غریب خانے پر واپس جاؤں۔

"یہ نہیں ہو سکتا اچھا بتلاؤ مرنے کے بعد تم کو جلایا جائے یا مقبرے میں دفن کیا جائے یا دریا میں بہا دیا جائے۔

میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور یہ سوچ کر کہ مرنا برحق ہے کہدیا کہ مقبرے میں دفن کیا جائے۔

"مگر اس میں تو چار سو سکہ رائج الوقت خرچ ہوں گے تمہارے پاس اتنی رقم ہے"

تلاشی لے لیجئے۔

"تمہارے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں اب اتنی رقم کون خرچ کرے گا۔ اچھا بہتر ہے کہ تم آج ہی گھر روانہ ہو جاؤ۔

میں نے شکریہ ادا کیا۔ وہ سب پھر بگڑ گئے مگر جب لفظ شکریہ کی تشریح کی تو سب خوش ہوئے اور انجانب نے بجائے ہوٹل کا رُخ کرنے کے جہاز کا رُخ کیا۔

لعنت ہے ایسے سفر پہ وہ تو کہئے کہ واپسی ٹکٹ تھا ورنہ اور آفت ہوتی جس وقت گھر پہونچا ہوں تو کم از کم بیس مرتبہ کان پکڑ کر اٹھا بیٹھا کہ خدایا اب کبھی ایسی غلطی سرزد نہ ہوگی۔

واقعات کی اہمیت

شہنشاہ اڈورڈ قیصر کی اس بدتمیزی سے کبیدہ ہوگئے اور اس کو ذلیل کرنا چاہا۔

"آپ اس سے مل کر خوش ہوں گے"۔ شاہ نے اس انداز میں کہا گویا قیصر کی حقارت آمیز گفتگو کا مقصد انہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ "یقینی آپ خوش ہوں گے!"

اس سے پہلے کہ تندمزاج قیصر (اڈورڈ کا بھانجہ) ان کی تردید کر سکے۔ انہوں نے پرائر کو قریب آنے کا اشارہ کر دیا۔

"مسٹر پرائر" اڈورڈ نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "قیصر نے مجھ سے خواہش کی کہ میں تم کو اس سے ملاؤں۔"

یہ شخصی منافرت جنگ کے دیوتا کو مشتعل کرنے میں معاون ہوئی۔ اور انگریزوں سے جرمنی کے حسد اور نفرت کی آگ میں ایندھن بن گئی۔ جس وقت قیصر جرمنی جنگی تیاریوں میں مشغول تھا۔ اڈورڈ فرانس سے تعلقات گہرے کرنے کی فکر میں تھا۔ اور فرانس و برطانیہ کے دلی اتحاد کی بنیاد کو پختہ کر رہا تھا۔ قیصر کے دل سے یہ تمام چھوٹی چھوٹی باتیں ۱۹۱۴ء کے موسم گرما تک ایک دن کے لئے بھی نہ ہٹیں۔

اگر شہنشاہ میکزیمیلین ایک مغرور اور ضدی عورت سے شادی نہ کرتا تو غالباً میکسیکو انتہائی خونی انقلاب سے محفوظ رہتا۔ اور ساتھ ہی شہنشاہ کی جان بچ جاتی۔

باشندگان میکسیکو نے غیر ملکی حکمراں کی فرمانبرداری سے جو ان پر ان کی مرضی کے خلاف نپولین سوم زبردستی مسلط رہا تھا قطعی انکار کر دیا۔ میکزیمیلین نے جب دیکھا معاملات از دست رفتہ ہو چکے ہیں تو اس نے چاہا کہ تخت سے دستبردار ہو جائے۔ لیکن اس کی مغرور اور ضدی ملکہ کارلوٹا بیچ میں حائل ہوگئی۔ تخت سے دستبرداری اس کے نزدیک گویا اپنی ناقابلیت و نااہلی کا اعتراف کرنا تھا اس لئے غصہ میں آکر میکزیمیلین کو پھٹکارا۔ "ایسی باتیں صرف بزدلوں اور احمقوں کو زیب دیتی ہیں ایک ۳۴ سالہ جوان العمر شہنشاہ کے لئے انتہائی ذلت اور ہتک کا باعث ہیں۔"

اس کے بعد وہ بعجلت تمام شہنشاہ فرانس کے پاس واپس آئی۔ اور نپولین سے متزلزل حکومت کی فوجی امداد کی ملتجی ہوئی۔ لیکن ممالک متحدہ امریکہ نے نپولین کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا۔ اس نے فوجی امداد سے صاف انکار کر دیا۔

"تو ہم کو مجبوراً تخت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔" میکسیکو کی ملکہ نے غضب ناک لہجہ میں کہا۔

"کون تمہارا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے"۔ نپولین نے کہا اور دوسری طرف چلا گیا۔

"ارے جھوٹے۔ دغاباز"۔ ملکہ نے دیوانوں کی طرح چلا کر کہا: "ایک شریف خاندان کی لڑکی کو بوناپارٹ کے خاندان سے اور کیا امید ہو سکتی تھی"۔

ادھر تو ملکہ امداد و اعانت کی فکر میں سرگرداں تھی۔ اور ادھر میکزیمیلین اور اس کی فوج کو صدر وارز کے ہاتھوں شکست پر شکست ہو رہی تھی۔ ملکہ کی ضد آخر رنگ لائی اور میکزیمیلین قید ہو کر گولی سے اڑا دیا گیا۔

ملکہ کو پھر کبھی اپنے شوہر کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ مدت تک اس پر غم کی وجہ سے دیوانگی کی کیفیت طاری رہی۔

اگر ملکہ الزبتھ اسپین کے شہنشاہ فلپ سے شادی کرنے سے انکار نہ کر دیتی اور ملکہ میری کے پروانۂ موت پر دستخط نہ کر دیتی تو شاید انگلستان پر ارماڈا (اسپین کا زبردست بحری بیڑہ) کبھی بھی حملہ نہ کرتا۔

سیاست کی بساط پر ملکۂ انگلستان نے شاہ فرانس اور شاہ اسپین کو ایک دوسرے کے مقابلے میں احمق بنا کر یورپ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ جھگڑا کھڑا کر دیا۔

میری کا قتل فلپ کے لئے آخری قطرہ تھا اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو کر چھلک گیا۔ میری نے اپنی وصیت میں تاج و تخت کا مالک فلپ کو قرار دیا تھا جو اس کا سب سے زیادہ قریبی عزیز اور کیتھولک تھا۔ فلپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر انگلستان فتح ہو گیا تو یورپ میں کیتھولک مذہب کا پھر پہلا سا اقتدار ہو جائے گا۔ بس اس نے بغیر سوچے سمجھے ارماڈا کو ٹیگس سے انگلستان فتح کرنے کے لئے روانہ کر دیا لیکن نتیجہ برعکس ہوا۔ اور اسپین کی ساری شان و شوکت اور دبدبہ خاک میں مل گیا۔

اگر نلسن سے نیپلس کے مقام پر لیڈی ہملٹن سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی اور نلسن اس پر عاشق نہ ہو گیا ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ نیل کی جنگ نہ وقوع پذیر ہوتی۔

اطالیہ کا ارادہ اس کی مدد کرنے کا نہ تھا اس کی راہ میں صرف روڑے اٹکائے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ حسین و جادو نظر ایما نے اپنے مدبر شوہر کے پردے میں زنجیر کو حرکت دی۔ اور اس کے جہازات کو سامان رسد فراہم کرنے اور مہم پر روانہ ہونے میں مدد دی۔ صرف یہی نہیں بلکہ لیڈی مذکور نے نلسن کو بہت سی راز کی باتیں معلوم کر کے بتائیں۔

یہی وہ شخصی، اور انفرادی واقعات ہیں جنھوں نے اوراق تاریخ کی تعمیر کی ہے۔ ایک ٹائپسٹ لڑکی پر ہٹلر کے غصہ نے آج پھر دنیا کی عظیم ترین جنگ کی آگ روشن کر رکھی ہے:

ہمارے ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں کتے اور بلیاں گھروں میں پالی جاتی ہیں۔ مگر دنیا میں ایک ایسا ملک بھی ہے جہاں سانپ کتے اور بلیوں کی طرح پالے جاتے ہیں۔ اس ملک کا نام میکسیکو ہے جو براعظم امریکہ کا ایک ملک ہے۔ اس ملک کے بعض علاقوں میں چوہے پکڑنے کے لئے بڑے سانپ لاتے ہیں مگر یہ سانپ بے ضرر ہوتے ہیں۔

مشرق بعید میں جنگ کے تین سال!

چینیوں کے عزائم - جاپانیوں کی چالبازی!!

آجکل جاپانی طیارے نہایت شدت سے چین کی راجدھانی چونگ کنگ پر بمباری کر رہے ہیں اور ہر روز سینکڑوں چینیوں کو ہلاک۔ بے گھر اور بے در بنا رہے ہیں۔

مشرق بعید کی یہ تاریخی لڑائی، جولائی ۱۹۳۷ء کی رات کو شروع ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک جاپانی کمانڈر کو معلوم ہوا کہ اس کی فوج کے ایک سپاہی کا چینی ہاتھ نے اغوا کر لیا ہے۔ کمانڈر کا مطالبہ تھا کہ اس کو مع فوج کے قریب کے حصار بند شہر میں داخلہ کی اجازت ملنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اغوا شدہ جاپانی سپاہی اسی شہر میں قتل یا قید کیا گیا ہے۔ فطرتاً چینی حکام نے جاپانی افسر کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جاپان کو غصہ آ گیا۔ اور مشرقی ایشیا میں جدید نظم و نسق کے قیام کے لئے اس کو مجبوراً گیارہ لاکھ پچیس ہزار فوج چین میں اتار دینا پڑی۔ یہ تھی جنگ کے آغاز کی علت غائی جس کو تین برس پورے ہو چکے ہیں۔

پامردی یہ وہ وقت تھا جبکہ اسپین کی جمہوریت پولینڈ زکوسلوویکیا۔ فن لینڈ۔ ناروے۔ ڈنمارک ہالینڈ۔ بلجیم۔ حتیٰ کہ فرانس، سب کے سب فریب کاری یا اعلیٰ فوجی طاقت میں فنا ہو رہے تھے۔ اسی دور کشمکش میں چینی قوم جو مسلمہ طور پر دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ بزدل اور بد باطن خیال کی جاتی ہے دنیا کی تین زبردست و اعلیٰ ترین حکومتوں میں سے ایک حکومت کے زبردست تیز و تند حملوں کے آگے سینہ سپر کئے ہوئے تھی، ساری دنیا بلکہ خود چین بھی اس پُرشکوہ کارنامہ سے دنگ رہ گیا۔

جنگ کے پہلے سال میں جاپانیوں کے حملوں کی رفتار بہت تیز رہی۔ یا یوں کہئے کہ گزشتہ دیرینہ جنگوں کے مقابلہ میں زیادہ سرعت سے کام لیا گیا اور کالموں کو پیکنگ اور ٹنٹسن سے جنوب و مغرب کی طرف بڑھایا گیا۔ چینی فوجیں نانکنگ تک نہایت بہادری سے مقابلہ کرتی رہیں۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں ایک جذبۂ نفرت سے مجنوں فوج نے بہیمیت و بربریت کا وہ ہولناک ثبوت دیا کہ جس کی مثال تاریخ میں بمشکل ملے گی۔ قتل۔ عصمت دری۔ غارتگری۔ لوٹ اور مار کا بازار گرم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم و بیش پچاس ہزار جانیں تلف ہوئیں۔

صلح کی پیشکش چار لاکھ ۶۵ ہزار مربع میل پر جس میں گیارہ کروڑ پچاس لاکھ چینی آباد ہیں۔ قبضہ کر لینے کے بعد حکومت جاپان نے حکومت چین سے صلح کرنے کے لئے کہا لیکن چینی حکومت نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ چینیوں کی بن مانگی دگوریلا) جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اپریل ۱۹۳۸ء میں تائی ار چانگ کے مقام پر جاپانی فوجوں کو ایسی شکست ہوئی کہ دور حاضرہ کی تاریخ میں اپنی آپ نظیر ہے۔

دوسرے سال میں اگرچہ جاپانیوں نے ہانکوں اور کانٹن پر قبضہ کر لیا تھا اور ہانگ کانگ کی طرف سے رسد رسانی کے راستے مسدود کر دئے تھے۔ پھر بھی ان کو چین کے وسیع ملک میں کوئی زبردست کامیابی نہیں ہوئی۔ چونگ کنگ پر بے پناہ بمباریوں سے ڈر کر چینیوں نے ہمت نہیں ہاری۔ بلکہ ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ وہ نہایت استقلال سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔

جرمنی کی امداد مشرق بعید کی جنگ کا تیسرا سال یعنی ۱۹۳۹ء کا موسم گرما چینیوں کیلئے صوبہ شانسی میں متعدد کامیابیوں کا باعث ہوا لیکن ۱۹۴۰ء کی ابتدا میں ایچانگ پر جاپانی قبضہ ہو جانے سے چینیوں کا موقف کچھ کمزور ہو گیا کیونکہ اب جاپانیوں کو فضائی حملوں کیلئے بہت آسانیاں پیدا ہو گئیں۔

لیکن ۱۹۴۰ء میں جاپانیوں کو زبردست کامیابیاں۔ جرمنی کے ہاتھوں، پولینڈ، ناروے، فلانڈرس اور فرانس میں ہوئی۔ کیونکہ جیسے جیسے یہ ممالک یکے بعد دیگرے جرمن قبضے میں آتے گئے مشرق بعید میں ان کا اقتدار گھٹتا گیا۔ اور چین کے بیرونی امداد کے ذرائع مسدود ہوتے گئے۔ جنرلیسمو اور میڈم چیانگ چیانگ کائی شیک کی قیادت میں چین کی اخلاقی حالت بہت اچھی ہے۔ اور مزاحمت کا حوصلہ برقرار ہے۔ لیکن کسی قوم کے عزائم و استقلال توپوں اور مشین گنوں کے دہانے تو نہیں بند کر سکتے۔ پھر بھی چونگ کنگ کی حکومت کے عزائم اس قدر بلند ہیں کہ اگر جاپانی فوجیں سامان و رسد رسانی کے تمام ذرائع مسدود کر دیں۔ تو حکومت چین کبھی بھی ہتھیار نہ رکھے گی۔ زیادہ امکان اس کا ہے اور جاپانیوں کو اس کا یقین بھی ہے کہ چونگ کنگ کے اندر کوئی خفیہ کارروائی ہو جائے اور کسی قسم کا غدارانہ واقعہ نہ ہو

قوم کا بت جنرلیسمو ہنوز قومی اتحاد و اتفاق کا رشتہ ہے۔ اسی کی ذات سے چینی قوم میں یکجہتی قائم ہے۔ وہ فوج کا قائد اعظم ہے۔ اور عوام کے لئے عقیدت کا بت۔ اگر اتفاق سے اس پر زوال آیا تو چین کی اخلاقی حالت جو اس وقت چین کے لئے بیش بہا چیز ہے۔ ثابت و سالم نہ رہے گی یا اگر اس کی قوم پرست بیوی کو کوئی چشم زخم پہنچی تو چین کی حالت خطرناک صورت تک نازک ہو جائے گی۔ کیونکہ صرف اسی کی ذات ہے جس نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۰ء تک چینیوں کے حوصلے پست نہیں ہونے دیئے۔

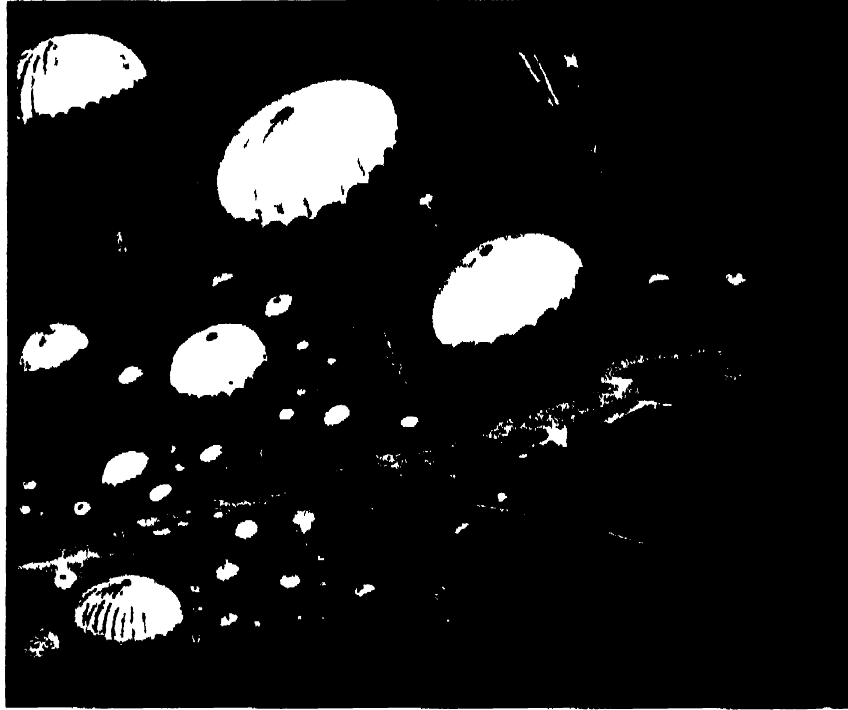
جیسیما چونگ کنگ کی چار دیواری کے اندر ایک سنگین محل میں جیسمو اور جیسیما (چینی عوام جنرل چیانگ کائی شک اور میڈم چیانگ کائی شک کو اسی نام سے پکارتے ہیں) ہر روز سینکڑوں فوجی افسروں، مدبروں۔ سیاسیین اور مشہور غیر ملکی جرنلسٹوں سے ملاقی ہوتے ہیں۔ مزاحمت کا مرکز اور قیادت کا نقطہ ہونے کے علاوہ یہ چار دیواری افواہوں اور خوش گپیوں کا بھی مسقط الراس ہے۔ اس جوڑے کا کوئی فعل بھی کوئی حرکت بھی خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو عوام کے لئے دلچسپی اور اظہار رائے کا سبب ہو جاتی ہے۔ اگر جنرل موصوف صرف دو دن کیلئے چینگتو چلا جاتا ہے تو عوام میں فوراً یہ افواہ پھیل جاتی ہے کہ حکومت عنقریب کسی دوسری جگہ منتقل ہونیوالی ہے۔ اگر میڈم اپنے دانتوں کی درستی کے لئے ہانگ کانگ جاتی ہے تو فوراً یہ خبر گرم ہو جاتی ہے کہ حکومت چین برطانیہ سے دعائی کروڑ پونڈ لینے والی ہے۔

اس مقدس جوڑے کو نقصان پہنچانے کے علاوہ جاپانیوں کو یہ بھی امید ہے کہ چونگ کنگ میں اشتراکیت کیخلاف ایک مضبوط جماعت انکا ساتھ دیگی اور بہت جلد وہاں کی حکومت کو مجبور کر کے جاپان سے صلح پر آمادہ کریگی یعنی انکو یہ خیال ہے کہ پرانے چینی مدبرین غداری کرینگے اور چین میں بھی وہی کارروائی ہوگی جو فرانس میں لائی گئی ہے۔ لیکن جاپانیوں کی یہ امید کبھی بھی پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور ان کو مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

WESTERN INDIA THEATRES LTD.

CALCUTTA.





جرمنی کی چھتری باز فوج

ایک اہم اور جدید معلوماتی مقالہ

موجودہ جنگ سے پہلے جو کوئی کہتا تھا کہ جرمنی نے ایسی تیاریاں کرلی ہیں کہ وہ انگلستان میں ہوا سے اپنے آدمی اتار دے تو لوگ اسے مضحکہ خیز اور اشتہاری حرکت سمجھتے تھے اور اسے سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل نہیں خیال کرتے تھے لیکن لڑائی کے بعد ہم نے دیکھا کہ ناروے ہالینڈ اور بلجیم میں جرمنی نے چھتریوں کی مدد سے اپنے آدمی اتار دیئے اور اب ہمیں اس نئے طریقے کے مزید امکانات کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔

جرمن فوج اس قسم کے تمام دھاوؤں کے لئے مسلح ہے۔ اور ۱۹۳۶ء میں ایڈمیرل گاڈو نے لکھا تھا کہ ایسے دھاوے کے امکانات اب علمی بحث کے دائرے سے خارج ہیں بلکہ اب تو صرف عملی کرتبوں کا مسئلہ ہے جرمنی اپنی چھتری باز فوج کو ۱۹۳۶ء سے تیار کر رہا ہے

۱۹۳۳ء میں برسر اقتدار آتے ہی نازیوں نے برلن میں اپنے خاص ایجنٹوں میں سے ایک نازی پولیس افسر ویک نامی کے نام پر خاص خاص کاموں کے لئے ایک پولیس کا دستہ قائم کیا۔ یہ دستہ دشمن پر ہر امکانی طرح سے حملہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اس کا ایک کام یہی تھا کہ اوپر آسمان پر سے برلن کے مشتبہ حلقوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ مارچ اور اپریل ۱۹۳۳ء میں اس کی مدد سے پندرہ بہت بڑے بڑے دھاوے ہوئے، جن میں سیکڑوں آدمی جان سے مارے گئے۔ اور ہزاروں کو گرفتار کرکے قید خانوں اور نظر بندی کے کیمپوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ۱۹۳۵ء کے شروع میں نازیوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اسی دستہ میں جو کہ اب فوج کی ایک رجمنٹ بن گیا تھا۔ ایک چھتری باز بٹالین شامل کرلی

یہ فوج بعد کو جنرل گوئرنگ کہلائی۔ نازی اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ان پر روس کی مثال کا بہت اثر ہوا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ انھوں نے ٹرننگ اور کرتب اپنے آپ ہی ایجاد کئے ہیں۔

جنرل گوئرنگ رجمنٹ آج کل ہٹلر اور گوئرنگ اور ان کے مرکزی دفتروں کی حفاظت کا کام کرتی ہے۔ لیکن چھتری باز بٹالین میں سے نمبر ایک چھتری باز رجمنٹ کے نام سے ایک رجمنٹ الگ بنادی گئی ہے، اسینڈل میں اس کا ٹریننگ اسکول ہے، جرمنی کے اچھے سے اچھے سپاہی چھتری باز فوج کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ پیادہ فوج کے آدمیوں کے علاوہ ان میں سگنل دینے والے آدمی بھی ہیں جن کا کام یہ ہے کہ وہ اترتے ہی باقاعدہ فوج اور الگ الگ دستوں کو جو کہ ہوا سے اتارے جاتے ہیں ریڈیو سے جوڑ دیں۔

چھتری باز فوج میں سفر مینا پلٹن رشین گن کا جتھا اور توپ چی بھی ہیں۔

کام سیکھتے وقت پہلے ان کو بہت کاریگری سے بنائے ہوئے آلات کی مدد سے زمین پر ہی مشق کرنا ہوتی ہے اور کودنا اتنا سیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے بعد طالب علم استادوں کے سامنے اوپر سے کودتا ہے۔ ایک استاد بتاتا ہے کہ کس طرح کودنا چاہیئے اور دوسرا اوپر ہوائی جہاز سے دیکھتا رہتا ہے نیچے زمین پر بھی لوگ دیکھتے رہتے ہیں بعد کو اس مشق کے ہر ہر قدم پر اسکول میں بحث کی جاتی ہے اس کام کا سب سے اہم حصہ اترنا ہے۔ اکثر اوقات اترتے وقت چھتری باز کے کسی عضو میں موچ آجاتی ہے، یا کوئی عضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ آدمی بیکار ہوجاتا ہے اس لئے اسے سب سے پہلے صحیح سلامت اترنے کی مشق کرنا ہوتی ہے۔ اور اس پر پورا قابو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ ہوا کو کیسے استعمال کیا جائے کہ وہ کھلی ہوئی چھتری کے جھکولے میں الگ نہ چلا جائے۔ صحیح سلامت اترنے کے لئے تیزی سے ایک کندھے کے بل کروٹ لینے کی بھی مشق کرائی جاتی ہے۔ چھتری باز کو جس ملک میں بھی جانا ہوتا ہے اسے اس کے مخصوص ہتھیاروں کا استعمال بھی سیکھنا ہوتا ہے۔ وہ دوڑنے بھاگنے کے لئے ہلکی لوٹ کی بائیسکل لے جاتا ہے اور اکثر مشین گنیں لے جاتے ہیں وہ موٹر سائیکلیں بھی لے کر اترتے ہیں۔ ان چیزوں کے علاوہ اپنے ساتھ چھوٹی مشین گن پستول اور خنجر لے جاتے ہیں، یہ تمام ہتھیار سامان اور وردی زیادہ سے زیادہ ہلکی رکھی جاتی ہیں۔ انہیں مختلف ملکوں کی زبانیں بھی سکھائی جاتی ہیں۔

چھتری باز دستے بالکل اسی طرح مشق کرتے ہیں جیسے کی پچھلی جنگ عظیم میں جرمنی کی فوجیں دشمن کی خندقوں کی نقل بنا کر ان پر حملہ کرنے کی مشق کرتی تھیں۔ جس چیز کو تباہ کرنا جس عمارت پر قبضہ کرنا، جس ضلع میں آدمی اتارنا ہوتا ہے مٹی کے کھلونوں میں اس کی نقل بنائی جاتی ہے۔ یہ نمونہ چھ سے دس گز مربع تک ہوتا ہے۔ اور اس میں وہ تمام چیزیں دکھائی جاتی ہیں جو اوپر سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً درخت سڑکیں، مکانات، نہریں۔ وغیرہ اس لئے چھتری باز بہت جلد اپنے نشانہ کا پتہ چلا لیتا ہے اور جان جاتا ہے۔ کہ وہ کہاں ہے اور اسے کدھر جانا چاہیئے۔ وہ کسی چیز سے غیر مانوس نہیں رہتا

جو ریلیں اور دوسری رکاوٹیں باقاعدہ فوج کو روکتی ہیں ان کو تباہ کرنا چھتری باز پلٹن کا سب سے اہم کام ہے۔ ان میں تباہ کن جتھے ہیں جن کے پاس آتش گیر مادے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ وہ براہ راست اپنے نشانہ کی جانب آتے ہیں، ان کو لڑنا نہیں ہوتا بلکہ راستہ میں دوسرے مسلح سپاہی ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

جرمنی کے پاس آخر کتنے چھتری باز سپاہی ہیں۔ پانچ سال کی ٹریننگ کے بعد اس کے پاس کئی محفوظ دستے ہوں گے۔ یہ بات آسانی سے تسلیم کیجاسکتی ہے کہ اس کے پاس چھتری بازوں کا ایک پورا ڈویژن یعنی تین رجمنٹ ہیں۔ ناروے میں ان میں سے بہت تھوڑے ہی بھیجے گئے تھے۔ تاکہ ڈویژن کم و بیش اسی طرح بنا رہے۔

عام طور سے چھتری باز دستہ ہوائی پیادہ فوج کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پہلے چھتری باز آکر ہوائی مستقر پر قبضہ کر لیتے ہیں اور پیچھے سے باربردار ہوائی جہاز پیادہ فوج لاکر اسی مستقر پر اتار دیتے ہیں۔

چھتری باز دستوں کا ایک بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ دشمن کے ملک میں جاکر بے چینی اور پریشانی پھیلا دیتے ہیں جس فوج کو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کب دشمن (جس کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا) پیچھے سے آجائے یا یہ کہ کہیں پیچھے سے ان تک رسد اور سامان جنگ کی آمد نہ بند ہوجائے۔ وہ پوری قوت سے نہیں لڑسکتی اس لئے چھتری باز دستے کے تھوڑے سے آدمی بھی دشمن کی صفوں میں ہلچل برپا کردیتے ہیں۔

انگلستان میں اس بلائے آسمانی کے نازل ہوجانے کے کہاں تک امکانات ہیں۔؟ پولینڈ کے خاتمہ کے بعد جرمنی کی طرف سے پروپگینڈا کیا گیا تھا کہ وہ اپنی چھتری باز فوج سے انگلستان پر حملہ کرے گا۔ لیکن اب ناروے۔ ڈنمارک۔ ہالینڈ اور بلجیم میں جرمنی کی جیت اور اتحادیوں کی پے درپے شکستوں کا حال دیکھنے کے بعد انگلستان کے لوگ بھی مکمل طور پر تیاری کرچکے ہیں!

جنگ

(از قدوس صدیقی جنرل اڈیٹر اسلامیہ ہائی اسکول میگزین کلکتہ)

سخت حیراں ہوں کہ آخر جنگ کا باعث کیا
لیکے انگڑائی اٹھا کیوں جنگ کا ہے دیوتا
کیوں بھڑک اٹھے ہیں شعلے ہر طرف اس جنگ کے
اور دنیا میں ہر اک تھرا رہا ہے خوف سے
کل تھا جو عشرت کدہ وہ آج ہے عبرت کدہ
آج وہ ناشاد ہے کل تک کہ جو مسرور تھا
چل رہا تھا دور کل صہبائے عشرت کا جہاں
کیا تغیر ہے مئے غم آج ڈھلتی ہے وہاں
کل تھے جو مست طرب وہ آج کیوں مغموم ہیں
چرخ ظالم بنگیا ہے اور سب مظلوم ہیں
چل رہی تھی گلشن عالم میں کل باد بہار
آج لیکن ہر طرف رنگ خزاں ہے آشکار
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا ہے ماجرا
کس لئے انسان آخر بنگیا ہے بھیڑیا
مدعا کیا ہے ترا اس جنگ سے رب جہاں
جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں کیوں تا آسماں
ہو نہ ہو یہ جنگ اپنی معصیت کی ہے سزا
جنگ کی صورت میں ہے نازل ہوا قہر خدا
ورنہ اک انسان بربادی کرے انسان کی
جسم تو انساں کا ہو روح ہو حیوان کی
معصیت سے اپنی ہم نادم بہت ہیں اے خدا
رحم کر پھر بدل دے امن سے جنگی فضا!

جرمنی کی بوسیدہ ریلوے

(از محترمہ عاقلہ خانم کراچی)

طول وعرض جرمنی میں ایک تضاد صاف طور پر نظر آتا ہے۔ کہ اس ملک میں نیشنل سوشلزم نے جو موت حالات پیدا کر دی ہے۔ اس کی موجودگی میں یہ تضاد ناگزیر ہے ایک طرف جرمن کی فوجی کمزوریوں کو مختلف قسم کی دھمکیوں قطعیانہ دلائل، فوجی جذبے کی نمائش کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے تو دوسرے ہاتھ فوجی طاقت کا مبالغہ آمیز طور پر احترام کیا جاتا ہے، چنانچہ جرمن کے ارباب بست وکشاد، ٹڈی دل لشکر کی رٹ لگاتے رہتے ہیں۔ اور جو ان کے قول کے مطابق لازمی طور پر جرمنی کی فتح کی ضمانت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی جرمنی کے پاس ٹڈی دل لشکر موجود ہے۔ تو پھر اس کی نقل وحرکت کے لئے جرمنی کے پاس کون سے ذرائع ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کہ جرمنی کے اس ٹڈی دل لشکر کو مجتمع کرنے کی ضرورت پیش آئے اور جرمنی کے موجودہ ذرائع باربرداری اس کے لئے کفالت کریں تو پھر یہ امر معجزے سے کم نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ٹینکوں کو اس جگہ سے دوسری جگہ پہونچایا جا سکتا ہے۔ مگر طلب عقدہ یہ ہے کہ ان ٹینکوں کی نقل وحرکت کے لئے مسلسل تیل کے آمد کی ضرورت ہوگی۔ اگر جرمنی کے ارباب بست وکشاد چاہیں کہ فوجوں کو نقل وحرکت دی جائے تو موٹروں کی مدد سے ہی ایسا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے لئے تیل کی بھاری مقدار کی ضرورت ہے۔ سامان جنگ کی باربرداری کے لئے تیل کی ضرورت ہے۔ انجنوں اور ان کے بنائے ہوئے استحکامات کے لئے سامان کی ضرورت ہے، ان تمام کاموں کے لئے جرمنی کی ریلوے اور سڑکوں پر بھاری دباؤ پڑے گا۔ اور اس وقت جرمنی کی ریلوے اور سڑکوں کی جو حالت ہے۔ اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ سڑکیں اس زبردست اور لگاتار باربرداری کی متحمل نہ ہو سکیں گی۔

چنانچہ ۱۹۳۸ء میں آسٹریا کے خلاف مہم کے دوران میں جرمنی کو اس کے متعلق تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ جرمنی کی ریلوے اور سڑکیں اس تمام باربرداری کی متحمل نہیں ہو سکیں گی۔

۱۹۲۹ء کی اقتصادی خوشحالی کے دوران میں جرمن ریلوے کے ذریعہ چار سو ملین ٹن کی باربرداری کی گئی۔

۱۹۳۲ء کے دوران میں جس مال کی باربرداری کی گئی اس کی مقدار گھٹ کر صرف دو سو ملین ٹن رہ گئی مگر ۱۹۳۸ء کے آخر تک اس مقدار میں یک لخت اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ ریلوے کے ذریعے اس سال کے دوران میں پانچ سو ملین ٹن مال ادھر ادھر بھیجا گیا۔

۱۹۲۹ء کے دوران میں جرمنی کی ریلوے گاڑیوں نے پانچ سو پینتالیس ملین کیلومیٹر سفر طے کیا۔ ۱۹۲۹ء میں چھ سو پچاس ملین کیلومیٹر اور ۱۹۳۸ء کے دوران میں نو سو بارہ ملین کیلومیٹر سفر طے کیا گیا۔

بادی النظر میں یہ اعداد و شمار نہایت امید افزا ہیں۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ سال بسال جرمنی کی گاڑیوں اور انجنوں میں معتد بہ کمی رونما ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء کے دوران میں جرمنی کی اسٹیٹ ریلوے کے پاس چھبیس ہزار سات سو انجن تھے۔ اس میں بیس ہزار روزمرہ کی ضروریات کے لئے استعمال ہوتے تھے، اور بقیہ سے یا تو خاص خاص موقعوں پر کام لیا جاتا تھا۔ اور یا زیر استعمال انجنوں کے پرزے ہو جانے کی صورت میں اس محفوظ تعداد سے مدد لے کر ان انجنوں کی کمی پوری کر دی جاتی تھی۔

۱۹۳۷ء تک ان انجنوں کی تعداد گھٹ کر صرف اکیس ہزار نو سو رہ گئی۔ اور اس وقت سے اب تک ان میں مزید کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد زیر استعمال انجن بالکل ناکارہ ہو چکے اور ان کی فوری تبدیلی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ انجن جو پہلے گھس چکے تھے، ان سے لگاتار کام لیا گیا۔ اور نتیجے کے طور پر آج جرمنی اسٹیٹ ریلوے کی حالت نہایت ردی ہے۔ اور پھر اس میں بہتری کی کوئی صورت نہیں۔

زمانۂ امن کے دوران میں کمی سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ صنعتی ادارے کوئلے کی آمد کا انتظار کچھ عرصے کے لئے کر سکتے ہیں۔ مگر جنگ کے زمانے میں تاخیر سے جو نتائج مرتب ہو جاتے ہیں۔ ان سے کوئی صاحب عقل چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

۱۹۳۴ء کے دوران میں جرمنی کی اسٹیٹ ریلوے کے پاس دو ہزار چار سو انجن تھے، مگر ۱۹۳۸ء تک گھٹتے گھٹتے یہ تعداد صرف چار سو انجنوں تک جا پہونچی۔

۱۹۳۸ء کے دوران میں آسٹریا، اضلاع سوڈیٹن اور بعد ازاں بوہیمیا اور موراویہ کا تمام علاقہ جرمنی کے قبضے میں چلا گیا۔ اس وقت تمام جرمن علاقے میں کارخانوں کو جنگی ضروریات پورا کرنے کے لئے دن رات چلایا جا رہا ہے۔ مگر اس کی باربرداری کے لئے جرمنی کے پاس کیا بند و بست ہے۔ جرمنی کے ہر ایک علاقے میں انجنوں کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ اور ریلوے کی حالت نہایت ردی ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت جو انجن موجود ہیں۔ چونکہ ان کی تعداد کم ہے اور ان سے دن رات لگاتار کام لیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ انجن بھی بالکل ناکارہ ہو جائیں گے، نیز ان کی مرمت کرنے میں جو رد و بدل کی جاتی ہے۔ تو نئے پرزے نہایت ناقص قسم کے لگائے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر انجن میں "آتش دان" کے لئے اب تانبے کی جگہ لوہے کا استعمال ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ ریلوے کی دیگر ضروریات کے لئے بھی ناقص قسم کا سامان لگایا جا رہا ہے۔ نتیجہ کے طور پر جرمنی ریلوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

اقتصادی تحقیقات کرنے والے سرکاری کمیشن کی رپورٹ ہے کہ جرمنی کے پاس اس وقت کم از کم پانچ ہزار انجنوں کی کمی ہے۔ جب ہم اصلیت پر نظر ڈالیں تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ جب تک اس پروگرام پر عمل درآمد ہو موجودہ زیر استعمال انجن بالکل ضائع ہو چکے ہوں گے، اور اس کمی کو پورا کرتے کرتے جرمنی کی ریلوے میں اس سے بھی زیادہ کمی محسوس کی جائے گی، اور وہ بھی اس صورت میں اس کمیشن کی رپورٹ کے مطابق اگر کمی کو پورا کرنے کے لئے پوری طرح زور لگایا جائے، چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ ۱۹۴۳ء تک جرمنی کی ریلوں کی حالت موجودہ حالت سے بھی ردی ہو جائیگی جرمنی کے انجن سازی کے سب سے بڑے کارخانے کے اعداد و شمار

سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی کو ہر سال آٹھ سے ایک ہزار پرانے انجنوں کی جگہ نئے انجن کام پر لگانا پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر چار سال کے بعد دس ہزار پسنجر گاڑیاں اور ایک لاکھ بارہ ہزار مال گاڑیاں تعمیر کرنی پڑتی ہیں۔ آج جرمنی میں ریلوے کے صرف بارہ کارخانے ہیں اور گذشتہ سالوں میں جبکہ جرمنی میں ریلوے سازی کے بائیس کارخانے تھے، ان دنوں بھی جرمنی کی ریلوے کی حالت موجودہ حالت سے بہتر نہ تھی۔ اور ان بارہ کارخانوں میں سے بھی سب کے سب کارخانے جرمن خاص میں نہیں ہیں۔ بلکہ ان بارہ کارخانوں میں ایک کارخانہ آسٹریا اور دو زیکوسلوواکیہ میں ہیں۔

چنانچہ اس اعداد و شمار کے بعد لازمی طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا۔ کہ جو حالت جرمنی ریلوے کی اس وقت ہے۔ یہ جرمنی کی موجودہ جنگی ضروریات کو ہرگز پورا نہیں کرسکتی اور اس کے جو نتائج مرتب ہونگے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ممکن ہے جرمنی فی الحال کچھ عرصے اس ٹوٹی پھوٹی ریلوے سے ہی کام چلائے مگر آہستہ آہستہ جرمنی میں ایسی صورت حالات پیدا ہوجائیگی کہ اس ملک میں باربرداری کے ذرائع کا قحط رونما ہوجائیگا خصوصاً جب جرمنی کی افواج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اور سر پر گھمسان کی لڑائی کھڑی ہوگی۔ اس وقت جرمنی ریلیں بالکل ناکارہ ثابت ہونگی۔ ممکن ہے یہ ریلیں ایک دو دفعہ افواج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک لیجانے میں کامیاب ہوجائیں۔ مگر آخرکار اچانک طور پر معلوم ہوگا کہ جرمنی باربرداری کا بالکل فقدان رونما ہوچکا ہے۔ پھر اس کے علاوہ کوئلے اور تیل کی ضرورت ہوگی۔ اسلحہ سازی کے لئے سامان کی ضرورت اور طیارہ سازی کے لئے لاتعداد سامان کی ضرورت درپیش آئے گی۔

صرف جرمنی کی ریلوے کی مثال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جرمنی نیشنل سوشلزم کے علم برداروں نے جس پروگرام پر عمل کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے اس پر عمل درآمد ناممکن ہے۔ جرمنی پر فتح حاصل کرنے کے لئے کسی "ٹڈی دل" لشکر کی ضرورت نہیں۔ صرف باربرداری کے ذرائع کی حالت اچھی رکھنے کی ضرورت ہے اور جس سلطنت کے پاس ذرائع باربرداری فراواں ہیں اور اچھی حالت میں ہیں۔ وہ صرف اسی ایک طاقت کے ذریعے جرمنی پر فتح پاسکتے ہیں۔

ممکن ہے جرمنی نے کوئی ترکیب ایجاد کرلی ہو۔ کہ وہ ریلوں اور ذرائع باربرداری کی عدم موجودگی میں بھی جنگ میں نمایاں کامیابی کی امید کرسکتا ہو۔ مگر اس صورت میں جرمنی کو ضرور اپنے ٹینکوں پر ہی بھروسہ کرنا پڑے گا۔

کیونکہ جرمنی میں ایسے سڑکوں کی کمی نہیں جن پر ٹینکوں کو چلایا جاسکتا ہے۔ جرمنی کے لوگ ان سڑکوں کو "ہٹلر موٹر روڈ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک روایت کو تلف کرنا چاہیئے پھر عملی طور پر اقدام ممکن ہوسکتا ہے۔

ہٹلر اس موٹر روڈ کا موجد نہیں ہے۔ چنانچہ ہٹلر کے برسر اقتدار آنے سے بہت پہلے ایک خصوصی کمیشن نے اس قسم کی سڑکوں کے لئے جملہ تحقیقات سرانجام دی تھیں۔

شروع شروع جرمنی نے دنیا کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ان سڑکوں کی تعمیر اس لئے کیجارہی ہے تاکہ جرمنی سے بے روزگاری دور کی جاسکے۔ مگر ان سڑکوں کی تعمیر کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ مزدور کام پر لگائے گئے مگر یہ مزدور بھی وہ تھے جن سے بے گاری پر کام لیا جاتا تھا تیز صنعتی کارخانوں میں ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص کو کبھی کام پر نہیں لگایا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس پروگرام سے بے روزگاری کی بیخ کنی مقصود نہ تھی۔ کیونکہ اس وقت جرمن کے بے روزگاروں کی تعداد ساٹھ لاکھ کے قریب تھی۔ اور جن لوگوں کو کام پر لگایا گیا ان کی تعداد بے روزگاروں کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی۔ اصلیت یہ ہے کہ اس سڑک کی تعمیر سے جرمنی کے مقاصد کچھ اور ہی تھے۔ جرمنی کے یہ مقاصد فوجی نوعیت کے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ موٹروں کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے نظریئے کا بھی ہٹلر ہی موجد ہے۔ اور اس اسکیم کے اجراء سے بھی ہٹلر کے سامنے فوجی نوعیت کے مقاصد تھے۔ "عوام کی موٹر" کے نظریئے کا بھی ہٹلر موجد تھا۔ مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اس نے اس نظریئے کو بہت وسعت دی اور صاف ظاہر ہے کہ یہ اسکیم بھی جنگی تیاریوں کا ایک حصہ تھی۔ "عوام کی موٹر" (جرمنی میں اس موٹر کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے) میں وہ تمام صفات موجود ہیں۔ جو ایک فوجی استعمال کی موٹر میں ہونا چاہیئں۔ اصولاً اس قسم کی چند لاکھ موٹر کاریں۔ جرمنی کی افواج کو ان سڑکوں تک پہونچا دیں گی۔ جن پر موٹریں چل سکتی ہیں۔ اور اس طرح ریلوے گاڑیوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی، پیشتر اس کے کہ ہم اس اسکیم پر نکتہ چینی کریں ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ باربرداری اور ٹریفک کا جرمن ماہر پروفیسر اس سلسلے میں کیا رائے رکھتا ہے۔ جرمنی کی باربرداری اور آمد و رفت کے راستوں کے متعلق پروفیسر موصوف کی رائے کو بہت وقعت حاصل ہے۔ پروفیسر بلم کی رائے ہے کہ موٹروں کے ذریعے باربرداری کا کام لینے کے لئے بھاری سامان اور دیگر ضروری سامان کی ضرورت ہے۔ اگر ان سڑکوں کو باربرداری کے لئے استعمال کیا جائے تو پھر ان سڑکوں پر سے فوجی دستوں کو نہیں گزارا جاسکتا سڑکیں بہت فرسودہ ہوجاتی ہیں۔ اور استعمال کے قابل نہیں رہتیں۔ اور جرمن کے پاس اس قدر ذرائع نہیں ہیں جو ان سڑکوں کی فوری طور پر مرمت کی جاسکے۔ اس کے برعکس ریلوے کی گاڑیاں فوری طور پر مرمت کیجا سکتی ہیں۔ پروفیسر بلم آگے چل کر ذرا وضاحت سے لکھتے ہیں کہ جنگ میں کامیابی کی اسی وقت امید کی جاسکتی ہے جبکہ شروع سے ہی ذرائع باربرداری کو تیار کیا جاچکا ہو گذشتہ جنگ عظیم میں جرمن نے جو اتنے عرصے تک مقابلہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع سے جرمنی کی ریلوں کے متعلق اعلیٰ پیمانے پر تیاری کی جاچکی تھی۔ اگر یہ تیاری اس قدر مکمل نہ کی گئی ہوتی تو جرمن اتنے عرصے بھی مقابلے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ پروفیسر بلم نے اس امر کو تسلیم کیا کہ ۱۹۱۴ء کی نسبت آج سڑکوں کی حالت بہتر ہے۔ نیز یہ کہ اب موٹریں بھی بہترین چلتی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی پروفیسر بلم کے یہ الفاظ ہیں کہ اس جنگ میں دشمن (برطانیہ کی) سڑکیں فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔ اس کے علاوہ ریلوے کی خدمات موٹروں کی خدمات سے زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔ ریل میں سفر نہایت آسانی اور آرام کے ساتھ ممکن ہے۔ اس کے برعکس موٹروں میں سفر کرنے سے سخت بے آرامی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر شخص جس کو موٹر لاری پر سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔ ضرور پروفیسر بلم کے ان الفاظ سے اتفاق کرے گا ریلوں کے ذریعے جن فوجیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچایا جاتا ہے وہ منزل مقصود پر پہونچتے ہی کام کے لئے تیار ہوتی ہیں۔ برخلاف جن فوجی دستوں کو موٹروں اور لاریوں کے ذریعے پہونچایا جائے وہ منزل پر پہونچنے کے بعد تھکے ماندے ہوتے ہیں۔ اور فوری طور پر کوئی مفید کام سرانجام نہیں دے سکتے۔

پروفیسر بلم نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ سڑکوں کے ذریعے جو باربرداری کی جاتی ہے۔ اس کی رفتار کے متعلق اندازے سے کام لیا جاتا ہے۔ نیز فوجوں کو سوار کرنا اور اتارنا ریلوے کے ذریعے سفر کی صورت میں نسبتاً

("جرمنی کی بوسیدہ ریلوے" کا بقیہ)

آسان ہے. اس کے علاوہ لاریوں کو واپس آنے کے اڈوں تک پہونچانے میں کافی وقت صرف ہوجاتا ہے. سڑکوں کو ہمیشہ صاف رکھنا بہت مشکل ہے نیز ان پر بھیڑ بھاڑ ہوجانا ناگزیر ہے. خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دشمن سڑکوں کے اطراف میں آگ لگا دے تو سڑکوں پر بہت زیادہ اژدحام ہوجایا کرتا ہے. بحیثیت ایک ماہر کے پروفیسر ہلم کی رائے ہے کہ واپسی کے لئے ایک علحدہ سڑک ہونی چاہئے. پروفیسر ہلم سب سے محاذ جنگ کی لمبائی چوڑائی کے متعلق سوال کرتا ہے اور پھر یہ سوال کرتا ہے کہ کیا ان بڑے محاذ جنگ کے لئے جرمنی کی موجودہ سڑکوں کے ذریعہ سامان اور دیگر رسد پہنچائی جاسکیگی جرمنی کی سڑکوں کی موجودہ حالت دیکھ کر فیصلہ کرنا پڑے گا کہ یہ سڑکیں باربرداری کے قابل نہیں ہیں. یہ ناممکن ہے کہ ایسی طویل وعریض سڑکیں جنگی امور کے لئے دوران جنگ میں خاطر خواہ استعمال کی جاسکیں. کیونکہ سڑکیں خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں جنگ کے لئے موزوں نہیں ہوسکتیں. ٹینکوں اور جنگی موٹروں کی آمد ورفت کے خیال ہی سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ سڑکیں یقینی طور پر برباد ہوجائیں گی اور پھر اس قابل نہیں رہیں گی کہ گاڑیاں آسانی سے گذر جائیں

پروفیسر موصوف کا قول ہے کہ ریل گاڑیاں دیرپا ہوتی ہیں. چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کی ریل گاڑیاں معمولی مرمت کرنے کے بعد اب تک کام دے رہی ہیں. اس کے برعکس سڑکیں بہت جلد خراب ہوجاتی ہیں اور بار بار مرمت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے

٭

ایک تحقیقی تاریخی مقالہ

زمانۂ قدیم کے

تنازع للبقا کے مسلمہ اصول کی بنا پر ہر جاندار فطرتاً حفاظت نفس کے لئے دشمن کے حملہ کی مدافعت پر مجبور ہے۔ حتیٰ کہ تنگ آکر چیونٹی بھی کاٹ کھاتی ہے، جاندار ہونے کی حیثیت سے انسان بھی زمانۂ قبل از تاریخ سے اس استحقاق سے مستفید ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابتدا میں جب وہ وحشی اور جنگلی تھا۔ تو غالباً درختوں کی ٹہنیوں اور شاخوں سے عصا اور چوب (ٹھانگ) بنا کر اس سے ہتھیار کا کام لیتا رہا جب اس پر آفتاب تمدن طلوع ہونا شروع ہوا۔ تو اس نے خدا کی دی ہوئی مخصوص انسانی نعمت عقل و فراست سے کام لے کر ان ہتھیاروں میں جدت پیدا کرنی شروع کیں۔ اور جیسا کہ علم الارض اور علم الآثار کے ماہرین ہمیں بتاتے ہیں کہ انسان نے بتدریج پتھر کے، تانبے کے، اور پھر کانسے کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کئے۔ جن زمانوں میں انسان نے یہ ایجادیں کیں۔ ان کو بالترتیب پتھر، تانبے، اور کانسی کے زمانے کہا جاتا ہے اور ان کا تعین علمار مغرب نے آج سے ہزار سال قبل کیا ہے،

اندازہ لگایا جاتا ہے کہ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پیشتر ایشیائے کوچک میں انسان لوہے کی دھات سے واقف ہوا جس کو اس نے تمام دھاتوں سے مفید پایا۔ اس عہد کا نام علماء نے "زمانۂ آہن" رکھا ہے، اہل ایشیاء اس دھات سے واقف ہونے کے بعد ملحقہ ممالک پر سیل کی مانند چھا گئے اور اپنے وقت کی سب سے زیادہ مہذب قوم شمار ہوئے۔ لوہے کی دریافت نے انسان کی رفتار تمدن کو نہایت تیز کردیا۔ سنان و نیزہ۔ شمشیر و سپر۔ تیر و کمان ایسے مہلک ہتھیار ایجاد ہوئے۔ جنہوں نے دشمنوں کی ہلاکت و بربادی میں بہ نسبت سابق کے بہت سہولت اور آسانی پیدا کی۔ گو زمانہ اب بہت ترقی کرچکا ہے۔ لیکن اس وقت بھی اسی "آسانی و سہولت" کو تمدن کی برتری کی دلیل تصور کیا جاتا ہے۔ خیر! اسلحہ اور ادوزارات جنگ میں ترقی ہوگئی لیکن انسان نے تاحال بارود کو موت اور ہلاکت کے سامان میں شامل نہیں کیا تھا، آج سے ایک ہزار سال قبل تک بارود کی بجائے "روغن نفط" کام میں لایا جاتا تھا، بندوق کی بجائے تیر و کمان استعمال ہوتے تھے، اور قلعہ شکن توپوں کی جگہ منجنیقیں برتی جاتی تھیں۔

محاصرہ کے وقت محصورین پر فلاخن کے ذریعہ ہانڈیوں میں جلتا ہوا روغن نفط پھینکا جاتا جو ہوا میں ایک خوفناک آتشیں سانپ کی مانند لہراتا ہوا محصورین پر گرتا اور جہاں گرتا وہاں آگ لگا کر جہنم کی نظیر پیدا کر دیتا محاصرین کمانوں سے قلعوں کی فصیلوں پر تیروں کی بارش کر کے مدافعین سے برج قلعہ خالی کراتے پھر منجنیقوں سے وزنی اور گراں بار پتھر فصیل کے اندر گرائے جاتے جس سے قلعہ کی دیواریں منہدم اور رہائشی مکانات تباہ ہوتے اور اس طرز عمل سے وہی نتیجہ پیدا کیا جاتا جو آج کل اٹھارہ انچ دہانے کی توپوں اور ہیوٹزر کے گولوں سے کیا جا رہا ہے۔

منجنیق کو ہم زمانۂ قدیم کی توپ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ ایک عظیم و جسیم فلاخن کی سنگ اندازکل تھی اس کے اوپر کے سرے پر ایک بہت بڑا فلاخن (پنجابی گوپھیا) باندھا جاتا جو ایک کمانچے سے ملحق ہوتا تھا۔ اس کمانچہ کو بہت سے آدمی مل کر رسوں سے کھینچتے تھے، جب اس میں پوری طاقت "مائل عن المرکز" بھر دی جاتی تو شست باندھ کر فلاخن کو رہا کر دیا جاتا۔ جس کے سبب سے فلاخن سے پتھر جدا ہو کر ہدف بوس ہوتا اور اس زمانے کے جنگ آزما اس سے وہی کام لینے کی کوشش کرتے تھے جو آج کل توپ سے لیا جاتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ ۱۱ے ھ میں منجنیق کے استعمال کا ذکر ہے جس کا نام "عروسک" تھا۔ اس کو زہ کرنے کے لئے ۵۰۰ آدمی درکار ہوا کرتے تھے، اور اس کا گولہ انداز جعوبہ نامی ایک شامی عرب تھا۔

دیبل (دیول) کے محاصرے میں جب محمد بن قاسم کو خبر ملی کہ شہر والوں کا اعتقاد ہے کہ جب تک بڑے مندر کا جھنڈا ہوا میں لہراتا ہے اس شہر کو کوئی فتح نہیں کرسکتا تو اس نے جعوبہ کو اسی جھنڈے کی شست لینے کا حکم دیا جعوبہ نے منجنیق میں پتھر رکھ کر اس ہنرمندی کے ساتھ پھینکا کہ پہلے ہی نشانہ میں جھنڈا ٹوٹ کر گر پڑا۔ بعد میں ان منجنیق میں ترمیم و تنسیخ اور ترقی ہونی شروع ہوئی۔ جس طرح جنگ عظیم میں گرانڈیل توپوں کی نقل و حرکت کے لئے متحرک آہنی قلعے (ٹینک) ایجاد ہوئے تھے، اسی طرح منجنیقوں کو دیوار ہائے قلعہ کے نزدیک ہو جانے کے لئے متحرک چوبی برج و قلعے بنائے گئے۔ حروب صلیبیہ میں جب تمام یورپ متحد ہوکر سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ عیسائی شہر عکہ واقعہ ملک شام کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، سلطان باوجود سعی بلیغ محاصرین کو شہر سے دفع نہ کرسکا عیسائی محاربین نے سقوط عکہ کے لئے اسی قسم کے چوبی قلعے بنائے۔ ایک یوروپین کیمیا داں اور ماہر خواص الادویہ نے ان چوبی مکانات پر لگانے کے لئے ایسا مسالہ تیار کیا جس کے سبب وہ غیر آتش پذیر ہو گئے تھے، روغن نفط کی بارش سے ان کو آگ نہیں لگتی تھی، اور محاصرین نہایت اطمینان کے ساتھ خندق کو پاٹ کر فصیل کی طرف بڑھ رہے تھے، محصورین کی تمام جدوجہد ان قلعوں کو تباہ کرنے میں ناکام رہی۔ جس سے شہر میں اضطراب پیدا ہوگیا سلطان صلاح الدین کو اطلاع دیکر امیر عکہ نے عمائدین شہر کی ایک مجلس منعقد کی۔ تاکہ شہر کی حوائگی کے مسئلہ پر غور کیا جائے۔ اس افسردہ اور پژمردہ مجلس میں ایک دمشقی مغلوک الحال کیمیاداں نے داخل ہوکر امیر سے کہا کہ میں بھی شہر کی حفاظت و مدافعت کی تدابیر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن امیر عکہ نے اسے جھڑک دیا کہ اس قدر مدبرین اور سیاستدانی

ایک تحقیقی تاریخی مقالہ

آلاتِ جنگ!

کی موجودگی میں تو کون سی نئی بات پیش کر سکتا ہے۔ اس غریب مسگر نے کہا۔ کہ اے امیر! آپ مجھکو غریب اور کم حیثیت سمجھکر حقارت سے جھڑک رہے ہیں۔ مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ خدا اور رسول ؐ کی نظروں میں سب مسلمان مساوی ہیں کیا یہ ممکن نہیں۔ کہ خدا مجھ جیسے حقیر مسلمان سے ایسا کام کرائے کہ بڑے بڑے مدبر اور شجاع اہل سیف بھی حیران رہ جائیں امیر عکہ نے اس تنبیہ سے نادم ہوکر اسے تفصیل عرض کرنے کی اجازت دی مسگر نے بتلایا کہ ادنیٰ فلاں فلاں ادویات کو حل کرکے ان چوبی برجوں پر پھینکا جائے اور جب وہ ان ادویات سے تر ہو جائیں تو اس کے بعد حسب معمول روغن نفط کی بارش سے ان شاء اللہ وہ قلعے جل جائیں گے، امیر نے مجوزہ مجلس ملتوی کرکے پہلے اسی دعوے کی آزمائش کی اور خدا کی قدرت کہ اس تدبیر سے وہ قلعے اور ان میں بیٹھکر کام کرنے والے جو محصورین کی کوششوں کا مضحکہ اڑا رہے تھے، سب جل کر خاک سیاہ ہوگئے۔

اس زمانے کے مسلمانوں کے اخلاق کی بلندی اور موجودہ ہم جیسے نام نہاد مسلمانوں کے اخلاقی تسفّل کا اندازہ لگانے کے لئے بطور جملۂ معترضہ اس امر کا ذکر کرنا شاید قارئین کرام پر گراں نہ گذریگا۔ کہ جب اس موقعہ کے بعد اس غریب مسگر کو طلب کرکے صلہ دینے کی کوشش کی گئی تو اس نے حصول انعام سے انکار کر دیا اور یہ قابل یادگار جواب دیا کہ۔ اے امیر! اہل دولت اپنے مال سے شجاع اپنی تلواروں سے جہاد کرکے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ میرے پاس نہ مال ہے نہ طاقت۔ میں ایک علم دوست مفلس مگر مسگر ہوں میں نے اپنے علم و ہنر کے ذریعہ جہاد اور اسلام کا فرض کفایہ ادا کیا۔ اس کا اجر میں آپ سے اور قوم سے نہیں۔ بلکہ اپنے خدا سے حشر کے دن مانگونگا"

ہم اپنے موضوع سے دور نکل گئے: ذکر منجنیق کا تھا بہرحال منجنیق جنگ کی یہ حالت تھی کہ اسی اثنا میں بارود میدان میں آموجود ہوا۔ یہ امر متنازعہ فیہ ہے۔ کہ بارود کی ایجاد کا سہرا کس قوم کے سر پر ہے۔ بعض اسے اہل چین کی اختراع قرار دیتے ہیں۔ اور بعض عربوں کو اس کا اعزاز بخشتے ہیں۔ علامہ جرجی زیدان المصری تاریخ تمدن اسلام میں لکھتے ہیں۔ سب سے پہلے مورز (ہسپانوی عربوں) نے جنگ میں بارود کا استعمال شمالی افریقہ میں کیا۔ انہوں نے اس کے ذریعہ وزنی اور قوی الجثہ پتھر محصورین پر پھینکے یہاں پہنچکر معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق توپ کی شکل میں تبدیل ہوگئی تھی۔ لیکن باغلب وجوہ اس کی ساخت بالکل سادہ تھی آجکل آتشبازی میں قسم کی مدور نالی کے ذریعہ چھٹنے والے گولے فضاء آسمانی میں پھینکتے ہیں۔ وہی صورت اس ابتدائی توپ کی تھی، اس کی نالی ایک طرف سے بند ہوتی تھی، اور اسکا دوسرا منہ کھلا ہوتا تھا۔ پہلے اس میں بارود ڈالا جاتا۔ پھر گولے بعد ازاں فلیتہ سے اس کی تہہ میں شرارہ چھوڑا جاتا تھا۔ جو بارود کو مشتعل کرتا ہے۔ بارود کے بھڑک اٹھنے سے گولے بلندی پر اڑکر پہونچتے ہیں۔ اور خود بخود مشتعل ہوکر پھٹ جاتے ہیں۔

لیکن اس سادہ کل میں بہت جلد اصلاح ہونی شروع ہوگئی۔ یورپ میں قرون مظلمہ ختم ہوکر ترقی کے دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ چنانچہ شرارہ چھوڑنے کے لئے نال میں پیندے کے قریب سوراخ بنایا گیا اور نالی کی جسامت اور قد و قامت میں اضافہ ہوکر وہ توپ عالم وجود میں آئی جو آج سے چند صدیاں پیشتر میدان جنگ میں کام دیا کرتی تھی پندرہویں صدی مسیحی میں سلاطین عثمانیہ اور شاہان یورپ اس سے آزادانہ کام لے رہے تھے، ہندوستان میں سب سے پہلے ظہیر الدین بابر بادشاہ نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی پہلی لڑائی میں توپخانہ استعمال کیا۔ اس نے بارہ ہزار کی جمعیت سے سلطان ابراہیم لودی کے ایک لاکھ ہندوستانی لشکر کو شکست دی۔ مورخین کی رائے ہے کہ اس فتح میں بابر کی جنگی قابلیت اس کی فوج کی جفاکشی و چستی کے علاوہ اس توپخانہ کا بھی بہت سا حصہ تھا۔ انہیں توپوں کے نمونہ پر بندوقیں تیار کی گئیں اس میں فتیلہ جوڑنے کے لئے ایک نیا پرزہ نصب کیا گیا جسے گھوڑا کہا جاتا ہے اسی ہتھیار کا نام توڑیدار بندوق تھا۔ جو اٹھارہویں صدی مسیحی تک ہندوستان میں استعمال ہوتی رہی۔

شہنشاہ اکبر اعظم (المتوفی ۱۶۰۵ء) نے توپوں میں مزید جدتیں کیں۔ علامہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ایک ایسی توپ کا نقشہ دیا ہے جو علیحدہ علیحدہ پرزوں پر منقسم تھی جنہیں باہم وصل کرنے سے عظیم الجثہ بڑی خوفناک توپ تیار ہو جاتی تھی، لیکن اب وہ زمانہ آگیا تھا۔ جب کہ تہذیب و تمدن، علم و دولت کے دریا نے ایشیا کی طرف سے اپنے بہاؤ کا رخ یورپ کی طرف تبدیل کر لیا تھا۔ اہل یورپ نے دیگر علوم و فنون کی مانند توپ اور بندوق میں بھی حیرت انگیز اختراعات کیں اور اس حد تک اسلحہ جات جنگ بنانے میں مہارت حاصل کی اور اسے فروغ دیا کہ آج دنیا ان اختراعات پر انگشت بدنداں ہے۔

پٹرول کی جنگی اہمیت

پٹرول ضروریات زندگی میں کس حد تک سبقت لے گیا ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں جارجن کلیمن سیو کے اس برقیہ سے ہو سکتا ہے جو اس نے جمہوریہ امریکہ کے صدر ولسن کو دسمبر ۱۹۱۷ء میں بھیجا تھا۔ اس برقیہ میں بیان کیا:-

اگر پٹرول کی ضرورت پوری نہ کی گئی تو ہماری جنگی قوت کا زوال شروع ہو جائے گا۔ اور ہم ذلت آمیز صلح پر مجبور ہو جائیں گے۔ اگر اتحادی شکست نہیں چاہتے تو انہیں چاہیئے کہ جرمن کے حملہ کے موقعہ پر فرانس میں پٹرول کی کمی نہ ہونے دیں ـــ اس وقت ہمارے لئے پٹرول کا ایک قطرہ خون کے قطروں کے برابر ہے۔

جنگ عظیم میں فرانس کو صدہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح ان پر قابو پا لیا لیکن پٹرول کی کمی نے اُسے اس حد تک پریشان کر دیا مندرجۂ بالا الفاظ میں صدر جمہوریۂ امریکہ کو التجا کرنی پڑی۔ بہر کیف جان راک فیلر کی اسٹنڈرڈ آئل کمپنی نے اپنی پوری قوت سے اس کی مدد کی اور یہ الخطاط دور کر دیا۔

آیا اس واقعہ نے جنگ عظیم کا موجودہ نتیجہ مرتب کیا؟ اس کا فیصلہ مورخین ہی کریں گے۔ مگر اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ جنگی ضروریات کے لئے پٹرول کس درجہ اہم ہے اور اس کا نہ ہونا بڑی سے بڑی قوت کے لئے کس درجہ تخریب کا سامان بن سکتا ہے۔

کیلوین کولیج لکھتا ہے:-

بہت ممکن ہے آئندہ اقوام کے تنزل و بہبود کا انحصار پٹرول کی پیداوار پر رہ جائے۔

جنگی ضروریات میں پٹرول کو جو اتنی اہمیت ہے اس کی تشریح مشکل نہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ انسان بازوؤں کی قوت پر فتح و کامرانی کا فیصلہ کیا کرے بلکہ انسانی دماغوں کی کشف ریزیوں نے ایسی ایجادات دنیا کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ جو انسانی بازوؤں سے زیادہ داد شجاعت دے سکتی ہیں مگر وہ اس وقت تک بیکار ہیں۔ جب تک پٹرول سے انسان ان میں جان نہ ڈال دے ـــ آج فتح کا بہت کچھ انحصار بحری بری ہوائی جہازوں پر رہ گیا ہے۔ لیکن اگر پٹرول نہ ہو تو یہی مہیب جہازات پالکیوں اور رکشوں کے برابر رہ جاتے ہیں۔

پٹرول کی پیداوار

علم طبقات الارض کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بارش آندھی، برف، پانی، گرمی اور سردی کے اثرات دنیا کی بڑی سے بڑی پہاڑی چوٹیوں کو آہستہ آہستہ لیکن مستقل طور سے زک پہنچاتے رہتے ہیں اور بارش اس گاد کو بہا کر دریا یا سمندر میں لے جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ دریائے گنگا کا پانی ہمالیہ کی بدولت بھاری ہے۔

بارش اور دریاؤں کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ وہ اونچی سطح کو نیچی کر دیں اور سمندر کو اس تک پہونچا دیں مگر زمین کی متضاد کشش ان کی اس جد و جہد میں مانع رہتی ہے۔

کرۂ ارضی کی سطحی تبدیلیاں پہاڑیوں کا طول کم نہیں ہونے دیتیں اور سمندر کو ان تک پہونچنے سے روکتی ہیں۔ یہ متضاد جد و جہد دائم و قائم ہے کیونکہ اکثر آپ نے سمندر کو سطح زمین تک پہونچتے اور پھر وہاں سے اترتے دیکھا ہوگا۔

یہ غیر مادی قوتیں جو کرۂ ارض کے سلسلہ میں آمادہ بہ پیکار رہتی ہیں اکثر زمین پر شکنیں اور گڑھے پیدا کر دیتی ہیں۔ اسی طرح جیسے کسی کمبل کے آمنے سامنے والے سرے کھینچنے پر اس میں شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ نظام قدرت کا یہ سوانگ وقفہ وقفہ کے بعد دنیا کے وسیع خطوں میں لاکھوں برس سے رچایا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ جد و جہد زیادہ اہمیت اور تیزی اختیار کر لیتی ہے جس سے بہار اور کوئٹہ کے زلزلے پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس جد و جہد میں کرۂ ارض کا یہ بوسیدہ اور زائل شدہ مادہ جسے گاد بھی کہہ سکتے ہیں زمین کے اندر دھنس جاتا ہے۔ یا بہہ کر سمندر میں پہونچ جاتا ہے۔ اس میں ایک حصہ نباتات اور کیڑوں اور جانوروں کا بھی ہوتا ہے بعض حالت میں یہ چیزیں کوئلہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور دوسرے حالات میں گیس اور پانی بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر یہ صورتیں عمل پذیر نہ ہوں تو یہ حصہ ایک دوسری صورت اختیار کر کے سمندر سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ وہ صورت خام پٹرول ہے۔

پٹرول کا ابتدائی عروج

پٹرول کی موجودہ تاریخ شاید ۱۸۵۹ء سے شروع ہوتی ہے جب اس مقصد سے ایک کنواں پن سلوانیا میں کھدوایا گیا تھا اس کی قدر و قیمت معلوم ہونے کے بعد بھی اس کی تلاش کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اگر کہیں اس کا چشمہ خود ہی پھوٹ پڑتا تو اس کے نزدیک کنواں کھدوا کر نکالنے کی سعی کر لیجاتی۔ کنوئیں بھی کم گہرے کھود دے جاتے۔

پٹرول کی اہمیت

پٹرول کو شروع شروع میں ہیتر مہنری فورڈ ولیلر اور ڈیزل نے اہمیت بخشی۔ انھوں نے سامان باربرداری کے لئے ایسی گاڑیاں ایجاد کیں۔ جو بغیر پٹرول کے نہ چل سکتی تھیں اور دوسری چیزوں کے بہ نسبت ان کے ذریعہ تبادلہ آسان تھا۔ اس طرح آہستہ آہستہ پٹرول دنیا کی نظروں میں اہمیت حاصل کرتا رہا۔ لیکن جب سے ہوائی جہازوں کی ایجاد ہوئی اور بحری قوت کا انحصار بھی اسی پر رہ گیا تو حکومتوں کے جنگی مفاد اس رقیق مادہ سے وابستہ ہو گئے۔

یوں تو فوجی لاریاں، موٹریں ٹینکیں اور دیگر تباہ کن اسباب جنگی موقعوں پر پٹرول ہزاروں گیلن روزانہ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن ان بری اور بحری ہوائی جہازوں نے اس کو سب سے زیادہ تقویت بخشی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تجارت جو پہلے آزاد تھی آزاد نہ رہی اور حکومتوں کا مفاد اس سے وابستہ ہو گیا۔

اسٹنڈرڈ آئل کمپنی

پٹرول کی اس درجہ اہمیت کو سب سے پہلے امریکہ نے محسوس کیا اس منفعت بخش تجارت کا مستقبل معلوم کرتے ہی اسٹنڈرڈ آئل کمپنی راک فیلر کی ملکیت میں منظر شہود پر آگئی اور جلد یا بدیر دنیا بھر کے چشموں پر قبضہ کر لیا۔ تجارتی دنیا میں شاید راک فیلر ہی ایک شخص ہے جس نے تاریخ میں اس قدر فائدہ اٹھایا اور چند سال کے عرصہ میں ہی ارب پتی بن بیٹھا۔

۱۹۱۰ء تک اسٹنڈرڈ آئل کمپنی دنیا بھر کی اجارہ دار تھی لیکن اس کے بعد اپنی بے اندازہ دولت نے اسے کچھ لاپرواسا بنا دیا۔ موقعہ ملتے ہی دوسرے ممالک کے سرمایہ دار اٹھ کھڑے ہوئے اور رفتہ رفتہ بعض مارکیٹوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

سنہ ۱۹۲۰ء تک کوئی کمپنیاں قائم ہوگئی تھیں اور چند چھوٹے موٹے سرمایہ دار انہیں مستحکم کرنے میں ساعی تھے پھر بھی جان راک فیلر کی بین الاقوامی اہمیت انہیں آگے بڑھنے نہ دیتی تھی لیکن سنہ ۱۹۱۵ء کے بعد سے مضبوط کمپنیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جنھیں وہ آگے بڑھنے سے نہ روک سکتی تھی ان میں سے ایک کو برطانیہ کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جنگ عظیم میں جب برطانیہ کو پٹرول کی صحیح قدر وقیمت معلوم ہوئی تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ جنگی موقع پر پٹرول پر برطانیہ کو خود اقتدار ہو۔ اس طرح ایک تو اسے پٹرول کی کمی نہ ہوگی دوسرے برطانوی کمپنیاں جن قوتوں کو پٹرول سپلائی کریں گی وہ اس کی مخالفت میں گریز کریں گی۔ چنانچہ میثاق ورسیلز کی رُو سے اس نے تمام مشرقی مقامات پر جہاں پٹرول پیدا ہوتا تھا براہ راست یا بالواسطہ اقتدار حاصل کر لیا اور جب اس پر جانبین کے دستخط ہو گئے تو اعلانیہ کہنا شروع کر دیا کہ برطانیہ نے دنیا کے آدھے پٹرول پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کا احساس دوسری اتحادی قوتوں کو بھی تھا انھوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ حصہ تقسیم میں برطانوی مفاد سب سے زیادہ محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور ہمارے ساتھ ناانصافی برتی گئی ہے۔

اس مقصد کے لئے برطانیہ نے اپنا ایک محاذ قائم کیا اور چند ایجنٹوں کی خدمات حاصل کیں جن میں کرنل لارنس۔ گرٹ ڈوبی سڈنی دیلی۔ سر ارنیسٹ کیسل۔ جنرل الن بائی۔ سر پرسی اور سائکس وغیرہ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کوششوں، ترکیبوں اور حکمتوں سے مشرق کے آزاد حکمرانوں کو طرح طرح کا لالچ دیکر اور اپنے ..... سیاسی اقتدار سے دباؤ ڈال کر کسی نہ کسی طرح ان حصوں کو جن میں پٹرول پیدا ہوتا تھا قبضہ میں کر کے برطانوی سرمایہ داروں کے حوالے کر دیا۔

ان سرمایہ داروں میں جنھوں نے اس متحدہ محاذ میں حصہ لیا صرف ایک انگریز ہے۔ بقیہ یہودی ہیں جن میں ایک اسکاٹ۔ ایک یونانی۔ ایک ڈچ۔ اور ایک آرمینین ہے۔

ان سب میں ممتاز ڈچ ہے اس کا نام سر ہنری ڈیٹرڈینگ کے، بی، ای، ہے اس نے رائل ڈچ شیل کمپنی قائم کی اور اپنی اعلیٰ دماغی اور برطانوی معاونت سے اسے بہت جلد بام عروج پر پہنچا دیا بعض دوسرے برطانوی سرمایہ داروں نے بھی سر ہنری ڈیٹرڈینگ کی مدد کی اور آج اسے اس قابل بنا دیا کہ کئی شاہانہ قصروں کا مالک ہے ارب پتی ہے اور عام رائے کے مطابق پٹرول کی تجارت کا حکمراں ہے اس نے اسٹنڈرڈ آئل کمپنی کا بخوبی مقابلہ کیا اور اس کی مزاحمت کی تمام کوششیں رائیگاں کر دیں۔ آج رائل ڈچ شیل اپنی پیداوار کا کثیر حصہ جرمنی، فرانس، اٹلی۔ اور جاپان وغیرہ کے ہاتھ فروخت کرتی ہے۔

برطانیہ کو اب امریکہ کی بھی فکر نہیں کیونکہ اس کے چشموں میں اب پٹرول بہت کم رہ گیا۔ برعکس اس کے برطانوی ملک کے چشمے پٹرول سے لبریز ہیں۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ برطانیہ سے پہلے امریکہ کے چشمے خالی ہو جائیں گے۔

روسی پٹرول

لیکن ایک تیسری قوت نے ان ———— دونوں قوتوں کو بہ حسن وجوہ پریشان کر دیا ہے اسے ان دونوں پر ہر طرح فوقیت حاصل ہے۔ یہ سوویٹ روس تاریخ کی پہلی حکومت ہے جس نے اپنی دولت قوم کی مساوی ملکیت ثابت کر دی۔ اس کے پاس پٹرول کے لاتعداد چشمے ہیں۔

فی الحال ان چشموں کا دائرہ باکو تک محدود ہے یہ خطہ زار کے زمانے سے وسیع پٹرول رکھنے کی بدولت مشہور ہے۔ انقلاب روس سے پہلے یہ چشمے مختلف اقوام کی ملکیت تھے۔ لیکن موجودہ ہر دلعزیز حکومت نے اقتدار حاصل کرتے ہی اس ناانصافی کا خاتمہ کر دیا اور قوم کی ملکیت قوم کے لئے ہی رہنے دی۔ انھوں نے اپنے زیر انتظام دنیا میں اتنی کم قیمت پر پٹرول پھیلا دیا ہے جو دوسری سرمایہ دار کمپنیوں کے لئے سخت پریشان کن ہے۔ اور پھر خوش قسمتی سے بہترین قسم کا ہے۔ اس تجارت کی بدولت باکو کی آبادی تقریباً دس لاکھ تک پہونچ گئی ہے اور حکومت کا تیسرا بڑا شہر تصور کیا جاتا ہے۔

انقلاب روس سے پہلے اسٹالن پٹرول کے کارکنوں میں کمیونزم کی اشاعت کیا کرتا تھا اسی دوران میں اسے احساس ہو گیا تھا کہ مستقبل میں پٹرول کتنی اہمیت اختیار کرے گا۔ چنانچہ صدر بنتے ہی اس نے پٹرول کی ترقی کو اپنا مطمح نظر بنا لیا وہ آج بھی کہتا ہے کہ روس میں پٹرول نہ ہوتا تو بہت پہلے اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

روس میں یقین کیا جاتا ہے کہ یورپی سامراجی قوتوں کا اس سے خار کھانا اس کے پٹرول کی بدولت ہے۔

جرمنی کی طمع

جنگ عظیم کی ایک بڑی وجہ جرمنی کی یہ خواہش بھی تھی کہ وہ مشرق کی طرف بڑھ کے پٹرول کے خطوں پر قبضہ حاصل کر لے مگر اس سعی میں رومانین خطے بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اختتام جنگ پر سوڈین ڈورف نے کہا تھا کہ اس کے ملک کی شکست پٹرول کی کمی پر ہوئی ہے۔

آج جرمنی کافی مقدار میں پٹرول خریدتا ہے مگر اس کی خواہش یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے وہ اپنے لئے پٹرول کا خود ہی انتظام کرے یہی وجہ تھی کہ پٹرول کے خطے اپنے قبضہ میں نہ دیکھ کر اس نے کوئلہ میں سے پٹرول نکالنے کی کوشش کی، کوئلہ میں سے تیل نکالنے کا موجد ڈاکٹر برجیس ہے۔ اور اس کی مدد بعض ملکی و غیر ملکی کمپنیاں کر رہی ہیں۔ لیکن ابھی تک مصنوعی پٹرول کافی مقدار میں نہیں نکالا جا سکا۔ اور نہ قیمت اصل کے برابر ہو سکی۔

پٹرول کے خطوں پر قبضہ کرنے کی خواہشات آج ہر حکومت کے دل میں پارہ کی طرح بیقرار ہیں۔ مسولینی اور ہٹلر کے مشرق کی طرف بڑھنے کے ارادے کم و بیش اسی منصوبے کے تحت ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ جنگ میں نقشہ بہت کچھ تبدیل ہو جائیگا

جنگی خطرہ

مخالف قوتوں کے اسی لالچ سے کمپنیوں کے مالکان کو ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ آئندہ جنگ میں غنیم ان کے چشموں پر بمباری نہ کریں اس لئے وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایسی زمین دوز ٹینکیں بنائی جائیں جو فضا سے دکھائی نہ دے سکیں، اور ان میں پٹرول کی کافی تعداد سما سکے۔

سب سے زیادہ خطرہ عراق پٹرولیم کمپنی کی اس پائپ لائن کو ہے جو میڈیٹرین تک پہونچی ہوئی ہے جنگ کی صورت میں اٹلی کی طرف سے کامیاب حملہ ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مشرق کے وہ جہاز جو پٹرول سے برطانیہ کو مدد پہنچانا چاہتے ہیں۔ ان کا بھی نہر سوئز سے گذرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ اسفیف آف گوڈ ہوپ کا پرانا راستہ اختیار کرنا پڑے گا اس صورت میں پہونچنے پہونچتے کو دیر کافی لگے گی مگر محکمۂ جنگ میں اتنا پٹرول رہتا ہے۔ جو اس وقفہ میں کام آ سکے



HERR VON RIBBENTROP

THIS SAD LOOKING DEPLOMAT IS RESPONSIBLE FOR THE PRESENT BLOOD-SHED MORE THAN ANY ONE MAN.

ہٹلر کا دلال

از:- ولیم ڈی ہلیس سابق نامہ نگار "لائف" برلن (جرمنی)

سینٹ جیمز کی عدالت میں جو چم دن ربن ٹراپ ایک عجیب وغریب شخصیت رکھتا ہے۔ یہ جرمن سفیر کی حیثیت سے لندن میں تھا۔ ایک مرتبہ اس کو جارج ششم کی عدالت اول میں حاضر ہونا پڑا یہ نہایت بے باکی اور بے حیائی سے عدالت میں داخل ہوا۔ جو عدالت کی شان کے صریحی خلاف تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی نووارد بادشاہ کے دربار میں باریابی کا حکم پاتا ہے تو وہ مودب ہو کر دو دو قدم پر سر جھکا کر جاتا ہے لیکن اس نے شاہی دربار کی شان کے خلاف کیا۔ اور دو قدم آگے بڑھا کر بادشاہ کے قریب پہونچ گیا اور ہاتھ اٹھا کر ہیل ہٹلر کا نعرہ لگایا۔

سارے دربار میں ایک سکتہ کا عالم ہوگیا۔ درباری نہایت خاموشی سے کھڑے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اس کی طرف سے ایک نفرت سی پیدا ہوگئی تھی کہ پھر یہ ہیل ہٹلر چلایا۔ بادشاہ مسکرا دیا کہ اتنے میں اس نے پھر تیسری بار ہیل ہٹلر کا نعرہ لگایا۔ اور بادشاہ کے ہاتھ کو جنبش دی ربن ٹراپ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ دربار کی شان کے خلاف کر رہا ہے لیکن وہ اس اداب ہی سے ناآشنا تھا۔ اور بادشاہ کے سامنے اپنے بادشاہ کا نعرہ لگا کر اپنی محبت کا ثبوت دینا چاہتا تھا لیکن تمام اخبار کیپ ٹاؤن سے لے کر سنگھاپور تک کے چلا اُٹھے کہ نازی نے بادشاہ کی بے عزتی کی۔ ہٹلر کا ساتھی انگریزوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اور ہٹلر کی موافقت کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ جرمنی وزیر

برطانوی فارن آفس نے ربن ٹراپ کو اطلاع دیا کہ عدالت کے اندر یہ بے عنوانی کسی طرح بھی قابل عفو نہیں۔

سارے زمانہ کی پھٹکار سے اس پر بہت اثر پڑا اس کے دل میں انتقام کی آگ سلگنے لگی یہ انگلینڈ سے متنفر ہوگیا۔ اور انگریز دوست ہونے کے بجائے اب انگریز دشمن بن گیا۔ اور موقعہ کی تاک میں لگا رہا۔ جب یہ غیر ملکی وزیر ہوگیا تو کارروائی کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہٹلر کو بھی اس نے اچھی طرح ورغلایا اور اپنی وزارت کے دو ہی برس کے بعد ہٹلر کو انگلینڈ پر حملہ آور ہونے پر مجبور کر دیا۔

ربن ٹراپ پہلے ایک کلال تھا اور اس کے بعد ہٹلر کا دلال ہوگیا اس کام میں اس نے بڑی مہارت پیدا کی کیونکہ یہ غیر ملکوں میں گیا وہ رہتا تھا اس کا زیادہ وقت دوسرے ہی ممالک میں گذرا جب یہ بخوبی تجربہ کار ہوگیا تو ہٹلر اینڈ کمپنی کا سیل مینجر ہوگیا۔ دیگر امور کے علاوہ اس کی سب سے بڑی خریداری یہ ہوئی کہ اس نے اسٹالین (ڈکٹیٹر روس) کو ہٹلر کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اور جنگ کے بعد کا فیصلہ اس کا کمیشن ہوگا۔

یہ ویلس کے ایک چھوٹے سے موضع میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے پرورش پائی۔ اس کا باپ ایک معمولی افسر تھا جو پنشن پا رہا تھا۔ ربن ٹراپ اپنی قسمت آزمائی کے لئے سنہ ۱۹۱۰ء میں کناڈا آگیا لیکن وہاں پہونچنے کے بعد جنگ جرمن کا آغاز ہوا۔ اب اس کے لئے ایک مصیبت تھی کہ جرمنی کے لئے واپس آئے۔ بلکہ کناڈا میں بھی خطرات کا احساس ہوتا تھا۔ آخرکار یہ ایک ڈچ جہاز میں جو نیویارک جانے والا تھا روانہ ہوا۔ اسے جہاز میں بھی خدشات لگے رہتے تھے۔ جب یہ جہاز کنارے پہونچا تو انگریزی انسپکٹر ان جہاز کے معائنہ کے لئے جہاز کے اندر گئے۔ اس کو فوراً معلوم ہوگیا۔ اور یہ کوئلوں کے انبار میں جاکر چھپ گیا۔ بہرکیف افتاں و خیزاں وہ جرمن پہونچ گیا۔ یہاں آنے پر اسے فوج میں ملازمت مل گئی اور کام کرنے لگا۔ چند ہی دنوں کے بعد جنگی وزارت کے دفتر میں کوئی جگہ خالی ہوئی اور وہاں یہ معمور کیا گیا۔ چونکہ یہ غیر ملکوں کی سیر کر چکا تھا۔ اور ان کی زبان سے بھی واقف تھا خصوصاً فرانسیسی اور انگریزی زبان کا یہ ماہر تھا۔ اس لئے اس کو جرمن کا ڈیلی گیٹ بنا کر (پیس کانفرنس) صلح کانفرنس جو پیرس میں منعقد ہوئی تھی بھیجا گیا۔ یہاں آنے پر اس نے اپنے وقت کا بہت تھوڑا حصہ کانفرنس کے کاموں میں صرف کیا بلکہ سارا وقت فرانس کی سوسائٹیوں میں صرف کرنے لگا۔ اس کی دلچسپی اس میں زیادہ بڑھتی گئی اور ان سے تجارت وغیرہ کے تجربات بھی ہوتے گئے۔

رہین لینڈ کی تجارت جو فرانس کا ایک مشہور و معروف پیشہ ہے جرمنیوں نے اس کے متعلق اظہار خیال کیا تھا کہ یہ پیشہ ترقی کا ایک زینہ ہے۔ جرمنی عموماً اس پیشہ کی طرف بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

ربن ٹراپ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ اس کے دل میں روپیہ کمانے کی بے پایاں خوشی موجزن ہوگئی حالانکہ یہ پیشہ کلالی ہے۔ لیکن روپیوں کے سامنے عزت و اقتدار کوئی شے نہیں ہے۔ اس خیال کے ماتحت ربن ٹراپ نے فوراً ہی اس تجارت میں ہاتھ لگایا۔ اس پیشہ میں عموماً نفع زیادہ ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ نہ تو ٹیکس ہے اور نہ ڈیوٹی ادا کرنی پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں نفع اور زیادہ ہوتا ہے۔ ایک عقلمند آدمی کے لئے ایسی حالت میں یہ پیشہ اختیار کرنا کوئی بری بات نہ تھی یہ آہستہ آہستہ کافی ترقی کر گیا۔ تجارت میں دھوکہ نہایت ہی برا عیب ہے۔ اس نے اپنے خریداروں کو اتنا دھوکہ نہیں دیا جتنا کہ اپنی گورنمنٹ کیونکہ وہ اس کے کام سے آیا اور یہاں تجارت شروع کر دی۔

ربن ٹراپ کو اپنے ملک کی ہلچل اور بے چینیوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔ اور اسے یہاں ایک مدت تک رہنا پڑا جس کی وجہ سے اس نے کافی روپیہ پیدا کر لیا۔ اسی دوران میں اپنی زبردست پالیسیوں سے کام لیا اور اپنے کو سوشلسٹ مشہور کر دیا۔ آخرکار اس کی شراب کی تجارت اس قدر ترقی پذیر ہوئی کہ وہ یہودی بنکروں میں ایک مشہور ہستی ہوگیا آہستہ آہستہ اس نے پیرس اور لندن سوسائٹی میں بھی کافی حصہ لینا شروع کیا اور تھوڑے ہی دنوں کے اندر ان سوسائٹیوں کا ایک کامیاب ممبر ہوگیا۔

اس کے بعد وہ برلن۔ فرینکفورٹ اور کولوگن کے شوشل مرکزوں میں ایک نمایاں انسان بن گیا۔ یہ اس لئے بیان کیا جاتا ہے جس سے نازی پالیسی کا انکشاف ہوسکے اور ربن ٹراپ کی چالبازی کا پتہ بخوبی چل سکے۔

اس کی زندگی میں سنہ ۱۹۲۰ء کی ابتدا نہایت ہی مبارک ثابت ہوئی اور اس کی ترقی کے دو واقعات اس کی ابتدا میں رونما ہوئے پہلا واقعہ یہ ہوا کہ اس نے ایک ایسی لیڈی سے شادی کی جو لاکھوں روپیہ کی وارث تھی اس کی ساری ملکیت اس کے قبضہ میں آگئی۔ اسی زمانہ میں اس کی بیوہ چچی جو ایک بہت بڑی جائداد کی مالک تھی اس سے جاکر ملا اور ترغیب دلائی کہ وہ اس کو اپنا بیٹا بنائے۔ اس کی چچی نے اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اور یہ رقم بھی اتنے آسانی کے ساتھ مل گئی اب وہ آسانی کے ساتھ ہر مقام پر اپنے معاملات حل کر لیتا۔ اسی زمانے میں یہ ہر دن ربن ٹراپ ہوگیا۔

اس کا سسر بھی جرمن کا ایک مشہور کلال تھا۔ اس کے یہاں سب سے بڑا ذخیرہ شراب کا رہا کرتا تھا۔ اور اسے سارے تجار اچھی طرح جانتے تھے ان وجہوں سے ربن ٹراپ اور بھی ترقی کرتا گیا۔ جس قدر کہ یہ دولت مند ہوتا جاتا تھا اسی قدر یہ جمہوریت سے ہٹتا جاتا تھا۔ اور آخرکار سنہ ۱۹۲۵ء میں یہ ویمبر ریپبلک کے خلاف ہوگیا۔ اس میں اس کے ذاتی فائدے پوشیدہ تھے اسے یہ اچھا موقع ملا کہ یہودی تجار جو وہاں نہایت ہی دولتمند اور بڑھے ہوئے تاجر تھے اُن کو آسانی کے ساتھ دبا دے آخر اس نے اپنی کارروائی شروع کی اور اس کا پہلا شکار شیل اینڈ کمپنی ہوئی۔ ہرشیل نے ربن ٹراپ کو اپنا امپورٹر بنایا تھا۔ ربن ٹراپ اسے زبردست دھوکے کر قانونی زد میں لایا جس کی وجہ سے اس کو اپنی ساری ملکیت چھوڑ کر فرانس بھاگ جانا پڑا کیونکہ وہ قانون کی زد میں آرہا تھا۔ اور بے لائسنس شراب فروخت کرتا تھا اس کی ملکیت ۵۴ لاکھ مارک (جرمنی سکہ) کی تھی جس کا ربن ٹراپ مالک بن بیٹھا۔

اس ملکیت کے حاصل کرنے کے بعد ربن ٹراپ نے ہٹلر کی قربت حاصل کی۔ اور مالی امداد سے ہٹلر کا پورا پورا ساتھ دیا۔ ابھی نازی طاقت پورے طور پر طاقت نہ پکڑنے پائی تھی کہ اس نے کئی مقام پر اپنی سابق پالیسی کے ماتحت جرائم پیشہ کے محکمے قائم کئے تاکہ ان کی تلاش ہو اور ان کو گرفتار کیا جائے۔ جن سے ملک میں امن رہے وہ سنہ ۱۹۳۶ء میں سینٹ جیمز کی عدالت کا سفیر مقرر ہوگیا۔ اپنی سفارت کے چند ہی دن بعد اس نے ادھر ادھر ترمیم و تنسیخ کرنا شروع کیا۔ جرمن سفارت خانے کو اس نے جدید طور پر دوبارہ تعمیر کرنا چاہا جو کہ کارلٹن ہاؤس ٹرلیس کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں اس نے یہ مطالبہ کیا کہ اس میں دو کمرے نہایت وسیع اور شاندار ہونے چاہئیں ایک کمرہ ایسا ہو جس میں دو سو آدمی بیٹھ کر آرام سے کھانا کھا سکیں اور دوسرا کمرہ ایسا ہو جس میں ایک ہزار آدمی آسانی سے چل پھر سکیں۔ اس کے بعد اٹھارویں صدی کے نقشے کی ترمیم کی طرف رجوع ہوا

اس نے نقشہ کو مکمل طور پر تبدیل کر دینا چاہا اور اس میں کسی حد تک وہ کامیاب رہا۔ اسی زمرے میں انگلش سوسائٹی سے تنفس پیدا ہوگیا جو قومی مینارے کی محافظت کے لئے بنائی گئی تھی۔ ربن ٹراپ اس منار کو ہٹانا چاہتا تھا حالانکہ محافظ کمیٹی اس کے خلاف تھی۔ معمولی تصادم کے بعد آپس میں صلح ہوگئی لیکن حقیقتاً یہ صلح نہ تھی بلکہ عارضی دیوار پر آرائش کے سامان تھے۔ دیکھنے میں صلح تھی لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ اسی طرح کے حادثے بھی انگلش جرمن رشتہ کے بارہ میں پیش آئے لیکن وہ جلد ہی ختم ہوگئے۔

اس کا لڑکا اس وقت انگلینڈ میں مقیم تھا۔ اس کو نہایت ہی خفیف ہونا پڑا کیونکہ لندن کے ہر ایک کلب نے اس کو اپنے یہاں جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ جب ربن ٹراپ کو ہر طرف سے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا تو اس نے لیلا ہر اپنی پالیسی بالکل تبدیل کر دی۔ اور انگریزوں کی طرح رہنے لگا۔ یہانتک کہ خانساماں اور بہرے بھی اپنے دفتر میں اسی لئے انگریز رکھے۔ اور ان کو اتنا مانوس کیا کہ وہ جرمن اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اسی دوران میں ڈاکٹر لے جو نازی لیبر فرانٹ لیڈر تھے اس کے یہاں آئے اور انہوں نے نہایت ہی تعجب کے ساتھ اس کے ہر فعل کو دیکھ کر کہا کہ ربن ٹراپ اس قدر انگریز ہوگیا ہے کہ اپنے دفتر میں اپنے انگریز ملازمین سے بھی جرمنی بولتا ہے انہیں سیاسی چالوں اور تجارت کی وجہ سے ربن ٹراپ کا کئی مقام پر نہایت شان سے خیر مقدم کیا گیا۔ اور سوسائٹی والوں نے نازی جرمنوں سے اپنے تعلقات قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

عدالت میں ہیل ہٹلر کے حادثہ کے بعد ربن ٹراپ سیدھا جرمن آیا۔ اور کچھ دنوں تک لندن نہ گیا۔ اس وقت کی اس کی غیر حاضری ضرور معنی خیز تھی۔ یہاں آنے پر ہٹلر نے اس کی بڑی عزت کی اس زمانہ میں ہٹلر ون تیورتھ کی پالیسیوں سے کچھ بیزار ہو چلا تھا۔ اور اس بیزاری سے ربن ٹراپ نے کافی فائدہ اٹھایا کہ ۱۸ فروری ۱۹۳۸ء میں ربن ٹراپ وزیر خارجہ کے عہدہ پر ممتاز ہوگیا۔

اس وقت فوراً ہی ربن ٹراپ کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ انگلینڈ والوں سے مخالفت کا بدلہ کسی نہ کسی طرح لینا چاہیئے اور ہٹلر کے سر انگلینڈ کی فتح کا سہرا باندھنا چاہیئے۔ کیونکہ انگلینڈ میں رہ کر وہاں کی تہذیب اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ انگلینڈ کے جنگی انتظام سے ہر وقت وہ خوفزدہ رہا کرتا تھا۔ آخرکار اس نے ہٹلر سے کہا کہ انگلینڈ والے بڑے ہی بزدل ہیں انہیں تو صرف دھمکیوں سے ڈرایا جا سکتا ہے۔ ہٹلر بھی ایک سال قبل ہی سے ان باتوں کی ادھیڑبن میں پڑا رہتا تھا۔ بلکہ آپس میں روزانہ جنگ ہی کے موضوع پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ایک روز ایک غیر ملکی سفیر نے ربن ٹراپ کو نہایت ہی افسردہ اور ماندہ پایا اس نے ربن ٹراپ سے دریافت کیا کہ آپ بہت ہی تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ آج دو روز سے میں ہٹلر سے گفت و شنید میں مصروف تھا سونے کا کوئی وقت نہ ملا۔ جس کی وجہ سے نیند کی پریشانی ہے۔ ان جملوں سے سفیر کو سخت حیرت ہوئی اور وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

مگر اس کی عقدہ کشائی دو روز کے بعد ہی ہوگئی جب کہ جرمن افواج زیکوسلوویکیا میں داخل ہوگئیں۔

زیکوسلوویکیا کے قبضہ کے بعد ربن ٹراپ نے اپنے دفتر میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں ایک سو پچاس آدمیوں کو انتخاب کر کے ممبر بنایا گیا۔ یہ سارے کے سارے آدمی ربن ٹراپ کے خاص آدمیوں میں سے تھے ان لوگوں کو خاص وردی ہرے اور بھورے رنگ کی دی گئی جو آج بھی بھوری اور ہری وردی پوش کے نام سے مشہور ہیں۔ ان لوگوں کے سر یہ کام رکھا گیا کہ روزانہ صبح کو قلعہ میں جا کر سارے سپاہیوں کی پریڈ وغیرہ کا ملاحظہ کریں۔ اور کبھی کبھی فوجی معائنہ کرتے رہیں۔

انگریزی لائن کے قریب اس کی عمارت ڈھیلم منشن کے نام سے مشہور ہے۔ اس عمارت میں ربن ٹراپ نے چائے کی پارٹی کی جس میں تمام سفیر بلائے گئے اور پریس کے نمایندوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کے لڑکے کی عمر ۱۰ سال کی تھی وہ بھی اس پارٹی میں موجود تھا۔ اس کو میں نے دیکھا کہ مین کیف کی ایک نقل لئے ہوئے پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد جب دوسرے سال اسی موقعہ پر یہی پارٹی کی گئی تو اس وقت مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ یہ پھر وہی کاپی لئے ہوئے پڑھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے دو لڑکے تھے اور دونوں میں دس سال کا فرق تھا۔ اس کے بعد جب یہ ہٹلر کا قوت بازو ہوگیا تو اسے دو اولاد ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور ہوئی اب گوئبلس کی طرح اس کے بھی چار اولاد ہیں۔ ربن ٹراپ اس وقت گوئبلس کے مقابلے میں ایک پر کیف منظر پیش کر رہا ہے جس سے ہٹلر کی آیندہ توقعات وابستہ ہیں۔

گو ہٹلر ربن ٹراپ کو بہت مانتا ہے لیکن اس سے بدگمان بھی رہا کرتا ہے۔ اور بلا سوچے سمجھے اس کے کسی فیصلہ پر کوئی کام نہیں کرتا، کیونکہ اسی گورنمنٹ میں ربن ٹراپ کے بے شمار دشمن بھی ہیں۔

گوئرنگ جو ہٹلر کا قوت بازو کہے جانے کا مستحق ہے اس سے ربن ٹراپ بیحد جلتا ہے، اور اسے اپنا ایک رقیب تصور کرتا ہے۔ اس کو اپنے کسی کام میں مداخلت کرنے نہیں دیتا۔ اکثر موقعوں پر اس نے گوئرنگ سے نہایت برا برتاؤ کیا ہے۔

گذشتہ موسم بہار میں گوئرنگ جنرل فرانکو کو مبارکباد دینے کے لئے فرانس روانہ ہوا۔ اس کی اطلاع ربن ٹراپ کو ملی۔ اس کے سینہ میں رشک وحسد کی آگ جلنے لگی۔ اور اس نے ہٹلر کو تار دیا کہ وزیر خارجہ کے معاملات میں گوئرنگ کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے آخرکار ہٹلر نے مجبور ہو کر گوئرنگ کو فوراً ہی ٹیلیگرام دے کر واپس بلا لیا۔ ان لوگوں میں اس حد تک رقابت بڑھ چکی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ملاقات تک نہیں ہوتی۔

روسی سفیر نے بالشویک ریزولیوشن کی گذشتہ سالگرہ کے موقع پر سب کو مدعو کیا۔ ہٹلر نے ربن ٹراپ کو بھیجا اس کے بعد ہی گوئرنگ نے اطلاع دی کہ وہ بھی شرکت کرے گا۔ تمام پبلک میں استعجاب تھا کہ آج دونوں رقیب اکٹھا ہوں گے۔

پہلے ربن ٹراپ آگیا، تمام لوگوں کی آنکھیں سوائے چند لمحوں کے اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ جنگل کا شیر ہے۔ اس کے دس منٹ بعد گوئرنگ اپنے گہرے رنگ کی نیلی پوشاک میں باقاعدہ تمغہ وغیرہ لگائے آیا۔ سب کی آنکھیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ ابھی چند ہی سکنڈ گذرے ہوں گے کہ ربن ٹراپ وہاں سے چلا گیا۔

اٹلی کے معاہدہ کی فتح گوئرنگ کے سر ہے۔ اور روس کی خرید و فروخت کا معاملہ ربن ٹراپ کے ذریعہ طے پایا تھا۔ جس پر ربن ٹراپ کو بیحد فخر ہے۔

ہٹلر کو پولینڈ پر بھی حملہ آور ہونے کی ترغیب اسی نے دلائی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ اس جنگ میں بھی برطانیہ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوگا۔

ابھی تک ہٹلر ربن ٹراپ ہی کی شطرنجی چال میں پھنسا ہوا تھا۔ اب اس کو خیال ہوا ہے۔ اور گوئرنگ سے مشورہ لے رہا ہے۔ ربن ٹراپ، ہمیر اور لے کی رہنمائی اور ان کی پالیسیوں کا نتیجہ ہٹلر کو اس طرح بھگتنا پڑا ہے آئندہ بھی اگر یہی حالت رہی تو ہٹلر اپنی تباہی خود مول لیگا

جرمنی میں جنگ کا اثر

از

اوٹو ڈی ٹولس کیس (برلن)

تعارف

فاضل مقالہ نگار اس مضمون کو بڑی دشواریوں اور مشکلوں کے ساتھ نیویارک ٹائمز میں بھیج سکے بسنسر کی نگرانی چپے چپے پر ہو رہی تھی، اور سنسر کی عقابی آنکھوں سے کسی مکتوب، خبر، اور مضمون کا نظر بچا کر نکل جانا کار دارد تھا، مگر مقالہ نگار موصوف کا یہ مضمون کسی نہ کسی طرح سنسر سے بچ گیا، اور برلن سے براہ راست نیویارک ٹائمز میں پہونچ گیا۔ جس وقت فاضل مقالہ نگار نے یہ مضمون روانہ کیا ہے اس وقت آسمان یورپ پر جنگ کے گھٹا ٹوپ بادل ہر چہار طرف سے گھر کر آ رہے تھے اور پوری فضا کو مکدر بنائے ہوئے تھے۔ ہر لمحہ جنگ چھڑ جانے کا خطرہ تھا اور ہر گھڑی جنگ کے آتش فشاں شعلے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے کی دھمکی دے رہے تھے، ہٹلر کی مندگلی جامہ پہن چکی تھی۔ اور اس کی جنگجو طبیعت نے نچلا بیٹھنے کی قسم کھا لی تھی، اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ امن وامان کو حرف غلط کی طرح صحیفۂ عالم سے مٹا دے گا، اس کا دماغ اقصائے عالم پر نازی تسلط کی تدابیر کامل طور پر سوچ چکا تھا، اور اس کی نگاہیں زمانۂ مستقبل کا خوشگوار خواب دیکھ رہی تھیں، غرضکہ وہ تمام باتیں جمع ہو چکی تھیں، جن سے جنگ کا امکان ناگزیر ہو گیا تھا —— اور یہ مضمون آخری تھا جو برلن سے بیرونی دنیا کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد ہی جنگ کے نقاروں پر چوب پڑنے لگی۔ سپاہیوں نے زرہ بکتر پہن لئے، گھوڑوں پر چابکیں پڑنے لگیں، اور بندوقوں نے چنگھاڑنا شروع کر دیا، اور ساری دنیا جنگ، جنگ، جنگ کی چیخ سے گونج اٹھی۔

جرمنیوں میں جنگ کا ولولہ نہایت دھوم سے پیدا ہوا۔ اور ان لوگوں پر جنگ کا بھوت سوار ہو گیا مشینیں اور جنگ کے اسلحے نہایت ہی تیز رفتار سے تیار کئے جانے لگے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ دس کروڑ انسانوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ ان سامانوں کی تیاری کے بعد جنگ کا آغاز کیا گیا۔ یہ جنگ کا آغاز نہیں بلکہ اپنے پیروں اور اپنے فوجی سپاہیوں کو تہ تیغ کر دینا ہے۔ ان کی ہر چال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بھی اس وقت کر رہے ہیں۔ صرف اپنی ہی تباہی بلا رہے ہیں۔ فوجی سپاہیوں پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اور کشت وخون کا دریا بہایا جا رہا ہے۔ پولینڈ کے باشندے اور یہودی جو اس کے قبل نہایت ہی آرام وسکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کا سرمایہ بھی جنگ میں صرف کر دیا گیا ہے۔ ان پر قبل ہی سے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ کیوں کہ نیشنل سوشلسٹ نے

جنگ کے ختم ہونے کے بعد بھی جرمن عملداری میں اس کا اثر کافی دنوں تک رہے گا۔ دفعہ دارانسوں کی تفصیلی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ سال جرمنی کی آمدنی اسقدر زیادہ تھی کہ جرمنی کی صفحۂ تاریخ میں نہیں ملتی لیکن اس کے برعکس آج اتنی ہی کمی پیدا ہو گئی ہے۔ اس وقت گذشتہ جنگ عظیم سے زیادہ نقصان یہاں ہو رہا ہے۔ اور اس کی امید بڑھتی ہی جاتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اگر اسی طرح کمی واقع ہوتی رہی تو کچھ ہی دنوں بعد بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ بالکل سچ ہے کہ یہاں امیر وغریب دونوں کی حالت اس وقت یکساں ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں تک آمد خوراک کا تعلق ہے قریب قریب ہر درجے کے لوگوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہاں جن لوگوں کے پاس پہلے سے رسد سات برس تک جرمن کو جنگ سے بھی زیادہ بے چینیوں میں ڈال رکھا تھا۔ کسی دوسرے ملک میں ایسا ظلم نہیں ہوا

مہیا کر یہاں کیا گیا۔ آخر اب جنگ نے نہایت ہولناک صورت اختیار کر لی۔ جس کا اثر خود جرمن باشندوں پر نہایت ہی خطرناک صورت میں پڑ رہا ہے۔ دوسرے ممالک جہاں پر کہ اچانک حملے ہوئے، اور مظالم ڈھائے گئے، انسے زیادہ برا اثر جرمن پر پڑ رہا ہے

یہ اس لئے نہیں کہ ساری رات جرمن کے شہر تیرہ و تاریک پڑے رہتے ہیں۔ اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہوتی ہیں اس لئے نہیں کہ جنگ کی گھنٹی رہ رہ کر بجتی ہے جس سے تمام لوگ پریشان نظر آتے ہیں۔ اور نہ تو لڑائی کا کوئی خاص اثر ہے۔ بلکہ یہ جنگ کا ایک معمولی سا عکس ہے جس کی وجہ سے سارے جرمن باشندے پریشان ہیں۔

جرمن سوشلیزم جس کا ذکر یہاں لازمی ہے، اسکے ماتحت یہاں کی رہائش پر کافی اور نمایاں اثر پڑا ہے۔ اور اس میں کسی حد تک تغیر وتبدل پیدا ہو گیا ہے۔ اور

موجود رہی ہے۔ انلوگوں کو آرام ہے۔ بقیہ تمام لوگوں کی حالت خراب ہو رہی ہے۔

امیر و غریب دونوں کے یہاں کافی کفایت سے کام لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ ضرورت کی ہر چیزیں کافی طور پر مہیا نہیں ہو رہی ہیں۔ اب تو حالت یہاں تک پہونچی ہے کہ کھانے کی میز وغیرہ ننگے ہی رہتی ہے۔ یا آئل کلاتھ وغیرہ بچھا کر کھانا کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ میز پوش گندے ہو جانے کی وجہ سے بیکار پڑے ہوئے ہیں صابون تک نہیں میسر آتا کہ گندے میز پوش اور جھاڑن وغیرہ صاف کئے جا سکیں۔ ہر امیر و غریب اس وقت یہاں پیدل چلتا نظر آتا ہے۔ موٹریں پیٹرول نہ ملنے کی وجہ سے بیکار ہو رہی ہیں۔ لوٹ مار کی چیزیں البتہ اکثر بازاروں میں بکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ موقع مناسب سمجھ کر ان سے لوگ خریدنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نیشنل سوشلسٹ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسے مال بیچنے والے اور خریدنے والے کو دس سال قید بامشقت کی سزا دی جائے گی جو بہت ہی اونچے طبقے والے لوگ ہیں۔ انلوگوں کے پاس ملازم اب تک ہیں۔ عورتیں اپنے سونے کے کمرے کا خود انتظام کرتی ہیں۔ سیر و سیاحت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔

اس وقت ڈاکٹری صیغوں سے تمام پبلک کے لئے اتنی ہی غذا خریدنے کی اجازت ہے۔ جو انکو ہفتہ بھر کے لئے کافی ہو۔ حساب لگا کر ان لوگوں کو ہدایتیں کر دی گئی ہیں۔ جو تفصیل وار درج کی جاتی ہیں۔

ایک ہفتہ کی خوراک جو ایک آدمی کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے کافی ہے۔ دودھ ۱۱۔ اونس۔ گوشت ۱۱ اونس، اور گوشت کا مصالحہ سات اونس۔ مکھن ۴½ اونس تا ۲¼ اونس۔ سلاد وغیرہ ۱۳ اونس۔ چینی ۹ اونس۔ پنیر ۱½ اونس۔ کافی ۵¼ اونس۔ اور ایک عدد انڈا۔ دودھ صرف بچوں کو تقسیم کیا جاتا ہے وہ بھی جن کی عمر دس سال سے کم ہے۔ صرف ترکاری اور پھل پر ابھی کوئی قید نہیں۔ لگائی گئی۔ اور اپنے مقدور کے مطابق انسان خرید کر کھا سکتا ہے۔

لیکن جو چیزیں دوسری جگہوں سے آتی تھیں مثلاً کافی چائے نارنگی وغیرہ وہ محض خواب و خیال ہو گئی ہیں۔

غذا کی قید و بند جرمن حکومت اور دوکاندار دونوں کے لئے ایک تکلیف کا باعث ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب پہلے کا سسٹم کہ بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دیکر اور اپنے مکان پر سوداری کے کرایہ ادا کرنے سے چیزیں مل جایا کرتی تھیں۔ بالکل بند ہو گیا ہے۔ اب عورتیں اس کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ کہ کب قصاب اور دوکاندار سودے لیکر آتے ہیں۔ انلوگوں کو سب کے یہاں سے کوپن جمع کرنا پڑتا ہے، اور نمبر وار ہر شخص کے یہاں چیزیں پہنچایا کرتے ہیں اور باقاعدہ وزن کرنا پڑتا ہے، ہر عورت نہایت ہی افسوس کی نظر سے دیکھتی ہے کہ جس کو جتنی چیزیں چاہئے پورے طور پر ہم نہیں پہنچ رہی ہیں۔ اس رسم کی وجہ سے صرف خریدار ہی نہیں بلکہ دوکاندار بھی تنگ آ گئے ہیں۔ ٹیکس بڑھا دیا گیا۔ ہر چیز کی قیمت تعین کر دی گئی۔ کاغذ کی کیابی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ باقاعدہ طور پر اصنیں، چیزیں دے نہیں سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خریداروں اور دوکانداروں میں یہ بدمزگی پیدا ہو گئی۔ جس کو سرکاری حکام نے رفع دفع کیا۔ بہت سے جرمنی باشندے اب ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جو ان کے لئے کسی طرح شایان نہ تھی۔ ان کو جہاں جو چیزیں مل جائے۔ زبردستی لیکر کھاتے ہیں۔ بہت سے صرف کیک ہی کھا کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیونکہ ابھی اس میں کوئی قانونی قید نہیں لگائی گئی ہے۔ آلو اور دیگر اہنیں اقسام کی چیزوں کا قحط ہے۔ جو کہیں میسر نہیں آتی ہیں۔ مرد نہایت کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ ان کے خلاف عورتیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں کیونکہ نرم غذائیں ان کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہیں،

غذا کے مسئلہ سے زیادہ اہم مسئلہ جو آج درپیش ہے وہ کپڑوں کا مسئلہ ہے۔ وہی برلن ایک روز پیرس کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور اپنے کو پیرس کے مقابلے میں رکھتا تھا۔ لیکن آج اس کی حالت بالکل تبدیل ہو گئی ہے عورتوں اور مردوں کی پوشاکوں میں کافی تغیر ہو گیا ہے، نئے ڈیزائن درکنار اب پرانے پرانے کپڑے جو بیکار سمجھکر رکھ چھوڑے گئے تھے۔ استعمال کئے جا رہے ہیں آجکل نئے کپڑے اس وقت ملتے ہیں۔ جب بدن کے کپڑے بالکل بیکار ہو جاتے ہیں۔ اس پر ہزار دقتیں پیش آتی ہیں۔ عورتوں کے لباسوں میں بھی اس طرح کی تخفیف اور کفایت سے کام لیا جا رہا ہے۔ ریشمی موزوں کی بجائے سوتی موزے بنائے جا رہے ہیں۔ کپڑوں پر بھی حکومت کیطرف سے قید لگا دی گئی ہے۔ ایک مرد سال بھر میں ایک سوٹ خرید سکتا ہے، عورتوں کے لئے تھوڑی مہربانی برتی گئی ہے کہ ان کو ایک سال میں چھ جوڑے کپڑے دئے جاتے ہیں۔ کفایت شعاری کے متعلق روزانہ ریڈیو۔ پریس، وغیرہ میں تقریریں کی جاتی ہیں۔ اور ان کے دلوں میں جوش پیدا کیا جاتا ہے، کہ کسی نہ کسی طرح کامیاب بنائیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر عورت کو چاہئے کہ چاہے وہ گھر میں ہو یا باورچی خانہ میں لیکن لڑائی جیتنے کی کوشش کرے۔

گورنمنٹ کی طرف سے ایک خاص بورڈ کفایت شعاری کا قائم کیا گیا ہے۔ جس کا نام جی، ایچ، کیو، ہے جس میں نیشنل سوشلسٹ ارمن آرگنیزیشن پورا پورا کام کر رہی ہے۔ اور کفایت شعاری کی طرف ساری پبلک کو توجہ دلائی جا رہی ہے۔ فی الحال اسی بورڈ کا ایک بلیٹن شائع کیا گیا ہے۔ جس میں تحریر ہے کہ صابن کے معاملے میں ابتک فضول خرچی برتی جا رہی ہے، کیونکہ تیس فیصدی کپڑا اگندہ ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ چالیس فیصدی کپڑے پر دھبہ ڈالنے کی وجہ سے صابن خرچ ہوتا ہے بیس فی صدی صابن ٹھیک سے برش نہ کئے جانے کی حالت میں ضائع ہوتا ہے۔ اور بیس فی صدی کھانے پینے میں حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے برباد ہوتا ہے، اگر ان باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے تو صابن کم مقدار میں خرچ ہو۔

اگر یہ باتیں نہیں دور کی جا سکتی ہیں تو کپڑوں کو دریا کی ریت اور لکڑی کی راکھ سے صاف کیا جا سکتا ہے اس طرح بھی کپڑا صاف ہو جائے گا۔ بہر کیف ان باتوں کے علاوہ اور بھی پریشانیاں یہاں محسوس کی جاتی ہیں تمام باشندوں کی سیر و تفریح ایک طرح بالکل بند ہی معلوم ہوتی ہے۔

تھیٹروں و سینماؤں کی آمد و رفت بالکل بند ہے باشندے نہ تو گھر میں دروازے بند کرکے بیٹھ سکتے ہیں۔ اور نہ سیر و تفریح میں طبیعت لگتی ہے۔ جہاں دو ایک شخص جمع ہوئے اس مقام پر جنگ کے متعلق گفت و شنید کرنے لگتے ہیں۔ اور اس کے نتائج پر غور کرتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ سوسائٹی اور کلب بالکل سنسان نظر آتے ہیں۔ نہ تو بکنگ ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی سامان ہے بلکہ ہر بحث پر ایک عام خطرے کا احساس معلوم ہوتا ہے کسی کے گھر کوئی مہمان داری کرنے نہیں جاتا۔ اگر بالفرض کوئی کسی کے ہاں جاتا ہے تو اپنا کھانا اپنے ساتھ لیجاتا ہے یعنی "کھانے کا ٹکٹ" ساتھ رکھتا ہے۔ ایکدوسرے سے جب اپنی تکالیف بیان کرتے ہیں تو سب سے پہلے کھانے کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد سیاسی حالت پر گفتگو ہوتی ہے یا فوجی حالت پر۔ عورتیں کھانے اور کپڑے کے مسئلہ میں الجھی رہتی ہیں۔ جرمنوں کی ساری امید و خوشی فوری فتح و صلح پر ختم ہے۔ اگر یہ امید ختم ہو گئی تو جرمنوں کے سارے منصوبے اور ان کی کفایت شعاری خاک میں مل جائے گی۔ ان لوگوں کو ابھی تک کامیابی کا یقین نہیں ہے۔ جس سے یہ لوگ بہت زیادہ متفکر اور پریشان ہیں۔"

ہٹلر کے داؤ پیچ



"پیامبر امن وامان"
اپنے اصلی روپ میں

(از قاضی محی الدین یمنی، مدیر "چنچل" میرٹھ)

اللہ میاں نے باوا آدم کو بنا کر فرشتوں سے کہا تھا کہ میں کرۂ زمین پر اپنا خلیفہ بھیجوں گا۔ فرشتوں نے اندراہ دور اندیشی اعتراض کیا کہ کیا ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنایئے گا جو زمین پر خون خرابہ کرتے کرتے نہ تھکے۔ مگر فرشتوں کا منہ یہ کہکر بند کر دیا کہ چپ رہو۔ جو بات ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے خواہ مخواہ دخل در معقولات ہماری بارگاہ میں مقبول نہیں۔

بیشک اللہ میاں کے علم پر فرشتے کے فرشتے بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ ان کا اعتراض اپنی حالت و حیثیت کو دیکھتے ہوئے کہ جنکو موت ہے نہ رزق ہے آدم پر تھا وہ یہ نہ جانتے تھے کہ آدم موت اور رزق دونوں کیلئے مکلف ہے مگر پھر بھی فرشتوں کی پیشین گوئی روز ازل سے ابتک اولاد آدم پر من وعن پوری ہو رہی ہے چنگیز خان ہلاکو خان اور ان جیسے ہزاروں خونخوار انسان تماشا دکھلا کے گذر چکے۔ جو سب آدم ہی کی اولاد تھے اور اب یورپ کی زمین پر گوری تہذیب کی گود کے پروردہ ہٹلر اور مسولینی چنگیزی سنت کو زندہ کر رہے ہیں ہٹلر مسولینی کے دماغ میں یہ سما گیا ہے کہ تمام دنیا پر حکمرانی کریں۔

جب تک ہٹلر کا مقابلہ برطانیہ سے نہ پڑا تھا یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ہضم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ فرانس کو نگل گیا۔ ہٹلر کی یہ حیثیت دیکھکر اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی کو بھی تحریک اٹھی۔ اور وہ بھی جنگ میں شامل ہو گیا۔ اب ہٹلر نے ذرا اطمینان کیا تو برطانیہ پر ہوائی حملے شروع کر دیئے۔ لیکن خدا کی شان ہر مرتبہ ناکامی و نامرادی نصیب ہوئی۔ اب تک کوئی واقعیت کا پہلو نہیں آیا۔ انگلستان

چائنل کے پار جرمنی کے ایک سپاہی کا بھی سبز قدم نہ پہنچ سکا بیشک لندن کا بڑا حصہ دن رات کی بمباری کے تودہ خاک بن گیا۔ مگر انگلستان کی سخت جان حکومت نے صلح کا ہاتھ پاکٹ میں اطمینان سے رکھ چھوڑا ہے یہ مستقل جذبات نہ صرف ارکان حکومت کے نمایاں ہیں۔ بلکہ انگلستان کا کوئی باشندہ بھی نازی یا نازی حکومت سے ہاتھ ملانا نہیں چاہتا۔ وطن دوستی اور حریت قومی کے تحفظ میں لندن جیسے بہت سے عروس البلاد قربان کر دینا انگلستان والوں کا ملک ہو گیا ہے۔

اب ہٹیا ہٹلر نے ایک اور کروٹ لی ہے۔ اسپین کے ڈکٹیٹر جنرل فرانکو کو ملانے کی طرح ڈالی ہے اس طرح باپ۔ بیٹا۔ روح القدس اقنوم ثلاثہ کی برکت سے برطانیہ کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں لیکن خدائے لا شریک کا کچھ اور ہی منشا نظر آرہا ہے اسی کے ساتھ ساتھ مشرق کے خود ساختہ لیڈر جاپان کو بھی اتحاد کے ڈھول پر بلا لیا ہے۔ صحیح یا غلط آج ۲۸ ستمبر کے اخبارات میں روایت کی گئی ہے کہ جرمنی اور اٹلی نے متفقہ طور پر جاپان کو مشرق اقصیٰ کا اور جاپان نے جرمنی و اطالیہ کو یورپ کا لیڈر تسلیم کر لیا ہے۔ ایک اور معاہدہ بھی دس سال کیلئے ہو چکا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہوائی پودے جو اپنے آپ کو شرقی ممالک کا کرتا دھرتا بننے کے خیال میں چین کو بھی مکمل طور سے فتح نہ کر سکا۔ جرمنی سے ہوائی چارہ کرنے کے بعد کیا کھیل کھیلتا ہے۔

ہمارے خیال میں جاپانی ہلاکو کو ہٹلر نے جو مشرقی پردھان بنایا ہے اس سے دو ہی فائدے مرتب ہو سکتے ہیں اول تو برطانیہ کے رفیق اتحاد امریکہ کو برطانیہ کی اخلاقی امداد دینے سے باز رکھے اور مقابلے کیلئے برابر خم ٹھونکتا رہے۔ دوئم چند دنوں بعد ہٹلر کے ہوائی حملے شدت سرما اور برف باری سے انگلستان پر افسردہ ہونے والے ہیں۔ اس لئے جلد سے جلد لڑائی ختم کرنے کی دھن میں جاپان کو شہ دی جائے گی۔ یا دی گئی ہو۔ کہ وہ ہندوستان اور برما جو تاج برطانیہ کے درخشاں ہیرے ہیں کو کھسوٹنے کے لئے قدم بڑھائے۔ تاکہ برٹش حکومت کے حواس باختہ ہوں۔ اور مایوس ہو کر ہٹلر سے صلح کرے لیکن "ایں خیال است ومحال است وجنوں"

ہندوستان جاپان کے لئے تر لقمہ نہیں۔ یہ تسلیم کہ اکثریت والی پارٹی یورپ ازم سے لوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھائے۔ چونکہ بعض چوٹی کے مفکرین میں جاپان کی لیڈری کا پیغام سنکر خوش گپیاں ہونے لگی ہیں، لیکن خدا شریروں کے کاموں سے واقف اچھی طرح واقف ہے اس کے کسی داؤ کو سرسبز نہ ہونے دے گا۔

ہٹلر۔ مسولینی۔ جنرل فرانکو جاپان باحسرت دنیا اس بندگان خدا کے خون ناحق کا بار گردنوں پر لے کر چلتے بنیں گے۔ نہ وہ یورپ کی لیڈری کر سکیں گے۔ نہ یہ مشرق پر مسلط ہو سکے گا۔

دعائے صلح

از پروفیسر عبد الصمد قمر صدیقی ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ لکچرار گورنمنٹ کمرشیل کالج، کلکتہ

جہانِ عقل و دانش میں کھنچی ہیں آج تلواریں
عوامِ دہر برہم کر رہی ہیں جن کی جھنکاریں

جہاں تھی زیب و آرائش جہاں تھا امن و آسائش
وہاں سفاک حربوں سے رواں ہیں خون کی دھاریں

دلوں میں بغض ہوتا ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے
بڑی سنگین ہو جاتی ہیں چھوٹی، چھوٹی تکراریں

اثر کوئی نہیں آہ و فغاں کا ظالموں پر
صدائے الاماں سے بڑھ گئیں تیغوں کی جھنکاریں

نہیں سنتے ہیں تو فطرت ہی اب ان کا گلا گھونٹے
اسی انداز سے جاری ہیں اب تک انکی للکاریں

سرِ انسانیت پر کس قدر ظلم و ستم ٹوٹے
تہ و بالا ہوئیں کس کس طرح یورپ کی سرکاریں

یہ جنگِ ملک و دولت کیا ہے اک جنگ بہیمانہ
کہ جس سے مثلِ دریا چل رہی ہیں خون کی دھاریں

تمدن لرزہ براندام اور تہذیب کو دھڑکن
سنی جاتی نہیں اب ان شمشیروں کی جھنکاریں

تفنگ و توپ کی بارش کا یہ سیلاب تھم جائے
کہاں تک اب بہیں گی خونِ انسانی کی یہ دھاریں

کسی عنوان سے پھر جاگزیں ہوں تیر ترکش میں
کسی تدبیر سے پھر نیام میں آجائیں تلواریں

ہمہ تن گوش ہے عالم کوئی ایسا پیام آئے
کہ میدانِ وغا میں رک گئیں تیغوں کی جھنکاریں

وہی پھر دور ہو امن و اماں کا سارے عالم میں
وہی پھر رنگ ہو اہلِ جہاں کا سارے عالم میں

"جبل الطارق"

از:- سید علی ملتانی۔

جبل الطارق (جبرالٹر) پر دشمنوں کے ہوائی حملے ہونے شروع ہو گئے ہیں اور ان میں کچھ جانوں کا بھی نقصان ہو چکا ہے۔ زیادہ سخت حملوں کے امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے، حفظ ماتقدم کے طور پر بچوں، عورتوں اور ایسے عمر رسیدہ لوگوں کو جو جنگی خدمات ادا کرنے سے قاصر ہیں وہاں سے ہٹا لیا گیا ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جرمن فوجوں کی ہسپانوی سرحدوں پر جمع ہوتے ہی جنرل فرانکو نے علی الاعلان کہہ دیا ہے کہ "جبل الطارق کو ہسپانیہ میں پھر شامل کرنا ہمارا اہم ترین ملکی اور قومی فریضہ ہے"۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے قبل اس چٹان پر جس قدر حملے ہوئے، ان سب میں ملک بربر کا ساحل جو اس علاقہ کے بالمقابل واقع ہے ہمیشہ غیر جانبدار رہا، گزشتہ آخری محاصرہ میں جو ۱۷۷۹ء سے لیکر ۱۷۸۳ء تک رہا، انگریزی فوجیں وہاں پر اترتی اور پھر وہاں سے رات کی تاریکی کے سایہ میں جبل الطارق پہنچتی رہیں۔ لیکن موجودہ لڑائی میں حالات بالکل مختلف ہیں۔ مقابل کے تمام علاقے، الجیریا، مراکو، ٹیونس، وغیرہ وغیرہ ایسی حکومتوں کے ماتحت ہیں جو کہ جرمن اثر و اقتدار میں ہیں۔

جبل الطارق کی جملہ تواریخی کتابوں میں عموماً یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "جبل الطارق کا آخری محاصرہ ۱۷۰۴ء میں ختم ہوا جو شمار میں تیرہواں تھا اور پہلا محاصرہ وہ تھا جس میں کہ الونزو پیریز دے گزمان (ALONZO PEREZ DE GUZMAN) نے اسے ۱۳۰۹ء عربوں سے چھینا تھا۔ مگر اس قسم کے تمام بیانات حقیقت و صداقت سے بہت دور ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صدیوں پہلے بھی اس پہاڑ پر جو ان دنوں مولس کالپے (MONS-CALPE) کہلاتا تھا، حملہ آوروں کے حملے ہوئے اور بہت سی قومیں اس پر قابض رہیں۔

سب سے پہلے جس قوم کے لوگ باہر سے یہاں پہنچے وہ فنیقی تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کہ کتاب مقدس میں صیدونیوں کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ لوگ بحیرہ احمر سے چل کر ساحل افریقہ کے کنارے کنارے چکر لگاتے ہوئے، مغرب کی راہ سے بحر متوسط میں پہنچے اگرچہ یہ بات اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ناممکن سی معلوم ہوتی ہے، مگر ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تواریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ۱۱۰۰ ق م میں ہرقل کے ستونوں (PILLARS OF HERCULES) سے گذر کر مولس کالپے پر پہنچے اور اس کے نزدیک ایک نوآبادی قائم کی، جس کا نام انہوں نے بائطیقہ (BAETICA) رکھا، یونانی اس نوآبادی کو طارطیسس کے نام سے جانتے تھے مگر ہم لوگ اس نوآبادی کو کتاب مقدس والے نام سے جانتے ہیں کیونکہ سلاطین کی کتاب میں مرقوم ہے کہ سلیمان بادشاہ کے پاس سمندر میں حیرام کے بیڑے کے ساتھ ایک ترسیسی بیڑا بھی تھا۔ یہ ترسیسی بیڑا تین برس میں ایک بار آتا تھا اور سونا چاندی اور ہاتھی دانت ...... لاتا تھا۔

فنیقیوں کے بعد جس قوم نے اس علاقہ پر حملہ کیا وہ رومن تھے۔ فنیقیوں نے رومن لوگوں سے اپنا آخری مقابلہ اسی چٹان پر کیا، مگر زیادہ عرصہ تک مقابلہ نہ کر سکے کیونکہ یہ لوگ دراصل تجارت پیشہ تھے، فاتحین نے ان لوگوں کو باہر نکال دینے کے بعد پہاڑ کی مغربی جانب ایک شہر آباد کیا جس کا نام جولیا طرادکٹا (JULIA TRADUCTA) رکھا گیا۔ ہماری موجودہ معلومات کے مطابق یہ اس چٹان کا پہلا محاصرہ تھا۔ بدقسمتی سے اس محاصرہ کی صحیح صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی۔

اس کے بعد کارتھیج کے لوگوں نے مشہور جنرل ہنی بال کی ماتحتی میں یہ علاقہ رومنوں سے چھین لیا۔ مگر ۲۰۶ ق م میں سیپو افریقانوس (SCIPIO-AFRICANUS) نے نہ صرف یہ علاقہ بلکہ تمام اسپین بھی رومن ایمپائر میں ملا لیا۔ رومن قوم کے زوال کے بعد کچھ عرصے تک وحشی اقوام اس ملک پر قابض رہیں۔

مسلمانوں کی آمد

انہیں وحشی اقوام کے وامبا نامی ایک بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں نے سب سے پہلے اس سرزمین پر قدم رکھا۔ اگرچہ پہلی مرتبہ انہیں بحری لڑائی میں شکست نصیب ہوئی، مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری ۷۱۱ء میں وہ دوسری مرتبہ حملہ آور ہو کر مولس کالپے میں اپنی فوجیں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس مرتبہ حملہ کرنے والی اسلامی فوج کا سردار طارق ابن زیاد تھا، چنانچہ آج تک یہ پہاڑ اسی کے نام سے مشہور ہے۔ جبرالٹر جبل الطارق کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اس کے معنی ہیں طارق کا پہاڑ۔ اس سپہ سالار نے یہاں پر ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرایا تھا جس کے نشانات فی زمانا بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔

اسلامی حکومت

یہ چٹان اور ہسپانیہ کا بہت سا حصہ تقریباً ساڑھے سات سو برس تک مسلمانوں کے قبضے میں رہا تاہم ۱۳۰۹ء میں الونزو دے گزمان نے یہ چٹان مسلمانوں سے چھین لی۔ یہ حال دیکھ کر مسلمان اس قدر برافروختہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے بادشاہ کو (جس کا نام محمد تھا) بزدلی اور کمزوری کی پاداش میں جان سے مار ڈالا ۱۳۱۶ء میں غرناطہ کے بادشاہ اسمعیل نے اس قلعہ کو لینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا، لیکن ۱۳۳۳ء میں ابا ملیک نے اس کا محاصرہ کر کے اسے ہسپانویوں سے واپس لے لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ محاصرہ اس قدر سخت تھا کہ ہسپانوی سپاہی بھوک سے تنگ آ کر اپنی ڈھالوں کا چمڑا تک بھی کھا گئے۔ اسی سال میں ڈون الونزو (DONALONZO) یازدہم نے اس قلعہ کو لینے کی کوشش کی مگر غرناطہ کے بادشاہ اسمعیل نے ابا ملیک کی امداد کی اور الونزو کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا کچھ عرصہ کے بعد الونزو نے پھر ایک بار حملہ کیا۔ اسے اتنی کچھ کامیابی بھی ہوئی کیونکہ مسلمان محاصرہ سے تنگ آ کر اپنے ہتھیار پھینک دینے والے ہی تھے کہ اچانک وہ خود پلیگ کا شکار ہو کر راہی ملک فنا ہوا۔

۱۴۳۶ء میں ہسپانویوں نے ڈون اینریک دے گزمان۔ (DONENRIQUE) (DE GUZMAN) کی سرکردگی میں دوسری مرتبہ کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے آخرکار الونزو دے آرکاس نے ۱۴۶۲ء میں یہ مقام مسلمانوں سے ایسا چھینا کہ آج تک پھر کبھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آیا الونزو سے یہ علاقہ میدینہ صیدونیہ کے ڈیوک کو ملا

(جبل الطارق کا بقیہ)

اور بالآخر ۱۵۰۱ء میں سلطنت ہسپانیہ میں مدغم کر لیا گیا۔

انگریزی قبضہ

۱۷۰۰ء میں آسٹریا کے آرک ڈیوک چارلس نے اس بنا پر کہ صرف وہ ہی ہسپانیہ کے تخت کا جائز وارث ہے، انگریزوں اور ولندیزیوں کی متحدہ افواج کے ساتھ ہسپانیہ پر حملہ کر دیا۔ شہزادہ ہیس دارمسٹاڈ (HESSE DARMSTADT) نے جو کہ پیادہ افواج کا سپہ سالار تھا [illegible] آدمی خاکنائے جبل الطارق [illegible] مگر چٹان سے [illegible] کی وجہ سے [illegible] کا کوئی [illegible] ثابت نہ ہوا [illegible] سے [illegible] زیادہ گولے [illegible] پھینکے۔ مگر سب بے سود۔ ہسپانویوں [illegible] اپنے ستھے [illegible]

ایک عجیب اتفاق

[illegible] کا سلطانوں کرنیوالوں [illegible] کی [illegible] یہ لوگ جو [illegible] ان کے ساتھ ساتھ رہتی ہے [illegible] ان کا ساتھ دیا۔ ۴ر اگست ۱۷۰۴ء کی بات ہے کہ انگریزی فوج کے کچھ آدمی ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار ہو کر سمندر کی سیر کو نکلے۔ چلتے چلتے ان کی کشتی ایک ایسے بند (MOLE) کے پاس جا پہنچی جو حال ہی میں بنایا گیا تھا اس بند پر بہت سی توپیں بھی نصب کی گئی تھیں۔ مگر کسی آدمی نے انہیں چلانے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ ہسپانویوں کی اس غفلت سے کشتی سوار سپاہیوں کے دل اور بھی دلیر ہو گئے۔ وہ کشتیوں سے اتر کر جھٹ ساحل پر چڑھ گئے انہوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے ہم قوموں کو اطلاع دینے کی غرض سے ایک سرخ کپڑا بانس سے باندھ کر ہوا میں لہرا دیا۔ اس نشان کو دیکھتے ہی انگریزی فوجیں کشتیوں میں سوار ہو کر فی الفور اس مقام کی طرف دوڑ پڑیں اور تھوڑے ہی عرصے میں آٹھ مشین گنوں کی ایک بیٹری پر قابض ہو گئیں۔ اس حیران کن حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر کے لوگوں نے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اگر یہ حملہ شہزادہ ہیس کی سرکردگی میں ہوتا تو یقین ہے کہ یہ چٹان آرک ڈیوک چارلس کے قبضہ میں چلی جاتی۔ مگر خوش قسمتی سے جیتنے والے انگریز تھے۔ سر جارج روک نے جو کہ انگریزی بحری بیڑے کا سردار تھا اس پر انگریزی جھنڈا لہرا دیا۔ اور ملکہ این کے نام سے اس پر قابض ہو گیا۔

۱۷۰۵ء میں فرانسیسیوں اور ہسپانویوں کی متحدہ افواج نے جبل الطارق کا محاصرہ کر لیا۔ مگر ایک طرف سے شہزادہ ہیس کی زبردست مدافعت نے اور دوسری طرف سے امیر البحر لیک (LEAKE) کی فرانسیسی بیڑے پر ظفر مندی نے مخالف اتحادیوں کو مجبور کر دیا کہ محاصرہ اٹھا لیں۔ اترخت (UTRECHT) کے معاہدہ میں جو ۱۷۱۳ء میں ہوا جبل الطارق انگریزوں کو دے دیا گیا۔

ہسپانیہ کے بادشاہ فلپ پنجم کے عہد میں پھر ایک بار ہسپانوی سپاہ نے مارکوئیس دے لا طورس کی سرکردگی میں جبل الطارق کا محاصرہ کیا مگر فرانس اور برطانیہ کی وجہ سے ۱۷۲۷ء میں ہی محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

آخری اور سب سے زیادہ طویل محاصرہ وہ ہے جو اس چٹان پر ۱۷۷۹ء سے لے کر ۱۷۸۳ء تک رہا۔ اس کا بیان کرنے کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ خدا نے توفیق دی تو قارئین کرام سے پھر کبھی بیان کریں گے۔

جرمنی کا جہنم نما جہاز

اور

اس سے برطانوی اسیروں کی رہائی!

از
فرانسس مک مرٹری



اس میں شک نہیں کہ جرمن کے عظیم الشان بحری جہاز "ریڈمیرل گراف سپی" کی تین چھوٹے برطانوی جہازوں کے ہاتھوں شکست تعجب انگیز ہے۔ مگر "کوسک" نامی برطانوی جہاز نے غیر جانب دار سمندر میں برطانوی ملاحوں کو دشمن کی قید سے آزاد کرانے کے لیے "التمارک" نامی جرمن جرمن جہاز پر جو حملہ کیا وہ اس سے بھی جرأت اور بہادری میں بڑھا ہوا ہے۔ "التمارک" جسے جرمن بحری قیدیوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اب تک اس کے حالات پردۂ راز میں تھے اور گذشتہ جنوری تک اس جہاز کے متعلق پریس میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اور ابھی تک جرمن کے ارباب بست کشاد نے بحری اطلاعات میں اس جہاز کا نام نہیں آنے دیا۔

ان تمام حالات پر غور کرنے کے بعد اسکے متعلق تو صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ یہ پراسرار جہاز خفیہ طور پہ تیار کیا گیا۔ جرمن کے حکام کا خیال تھا کہ اس پراسرار جہاز کو تجارتی جہاز کے بھیس میں استعمال کیا جائے۔ مگر یہ باور کرنے کے لئے کافی شہادتیں موجود ہیں۔ کہ جس وقت جنگ شروع ہوئی اسے سمندر میں اتارا جا چکا تھا۔ ان تمام حالات اور شہادتوں کے باوجود جرمنی کے پروپاگنڈا ڈیپارٹمنٹ کے افسر اعلیٰ ڈاکٹر گوئبلز نے نہایت دلیری سے یہ کہہ کر دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کی کہ "التمارک تو ایک غیر مسلح تجارتی جہاز تھا جو اس سے پہلے ہمبرگ اور جنوبی امریکہ کے درمیان باربرداری کے کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور جب سے جنگ شروع ہوئی ہے۔ اس جہاز کو جرمنی اور سکنڈ نیویہ کے درمیان تجارتی سامان کی باربرداری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

لائڈ جہاز ران کمپنی کے رجسٹروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں "التمارک" نامی جرمن جہاز کا کوئی اندراج نہیں ملتا۔ مگر "کوسٹ اینڈ شپ" نامی بلیٹن جو برلن (سویٹزرلینڈ) کی بین الاقوامی ٹیلیگراف اور وائرلیس یونین کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی اشاعت جون ۱۹۳۹ء کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک جرمنی جہاز ہے۔ جس کا نام "التمارک" تھا "التمارک" نام کے ساتھ دو تلواروں کا نشان بھی بنا ہوا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن دنوں اس فہرست میں اس پراسرار جہاز کا نام آیا۔ ان دنوں اسے بطور جنگی جہاز استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ مذکورۂ بالا فہرست میں متعلقہ حکومت کی مہیا کردہ اطلاعات کے مطابق اس جہاز کے متعلق ذکر کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ نازیوں نے بین الاقوامی یونین کو خود یہ اطلاعات مہیا کیں۔

برلن کی وزارت باربرداری کی طرف سے شائع شدہ جرمن بحری بیڑے کی فہرست میں بھی اس بحری جہاز کا نام موجود ہے۔ اس کے علاوہ برطانوی جنگی جہازوں کو جرمنی کے جو پیغامات ہاتھ لگ سکے۔ ان میں "التمارک" جہاز جس میں لفظ (STAK) استعمال کیا گیا ہے۔ وہ بھی

بعینہ وہی ہیں۔ جو مذکورہ بین الاقوامی یونین کی فہرست میں اسی نام کے جہاز کے لئے استعمال کئے گئے اس لئے اس بحث کو برطرف کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ "الٹمارک" مسلح تھا۔ اسے "ریڈمیرل گراف سپی" (جو غرق ہو چکا ہے۔) کے لئے بطور رسدی جہاز استعمال کیا گیا۔ اور نیز یہ کہ جرمنی حکام کئی مہینے تک اسے جرمن بحری بیڑے کے لئے بطور قیدیوں کے جہاز کے استعمال کرتے رہے، اب اس امر کی تشریح جرمن گورنمنٹ کے طرف سے رہ جاتی ہے کہ گذشتہ ماہ جون میں اس جہاز کو بطور جنگی جہاز کیوں ظاہر کیا گیا۔ اور پھر جب اس کے قیدیوں کو "کوسک" نامی جہاز نے رہا کرایا تو پھر ایک براڈ کاسٹ میں اس پراسرار مسلح بحری جہاز کو "معصوم تجارتی جہاز" کا نام کیوں دیا گیا۔ ایک امر اور قابل ذکر ہے۔ کہ گذشتہ ماہ فروری کے دوران میں جب یہ جہاز کے کپتان نے ناروے کے کسٹم آفیسروں کو اس کی تلاشی دینے سے انکار کر دیا حالانکہ اسی دن اس سے پہلے یہی جہاز "ریمرسنڈ" کی بندرگاہ کے سامنے سے گذرا تو اس کے عرشے پر ناروے کے دو ہوا باز موجود تھے۔ جو جرمن کا جھنڈا اُڑا رہے تھے۔ اسی جھنڈے کی شکل کے نشانات۔ جرمنی کے امدادی بحری بیڑے اور تیل کی باربرداری کے بحری جہازوں کے آفیسروں کی وردیوں پر لگی ہوئے تھے۔ چنانچہ ان حالات کی موجودگی میں حکومت برطانیہ ان حالات سے دوچار ہونے کے لئے سخت ذرائع اختیار کرنے میں رائے عامہ کی حمایت کر سکتی تھی۔

لارڈ ہالیفیکس نے اپنے ایک خط میں ناروے کے وزیر متعینہ انگلینڈ پر یہ حقیقت روشن کر دی تھی۔ کہ جب برجن کے مقام پر اس جہاز کی تلاشی لی گئی تھی۔ اس جہاز کے ۲۹۹ برطانوی قیدیوں کی موجودگی کا پورا پورا ثبوت دیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس صورت میں اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ حکومت ناروے بحیثیت ایک غیر جانبدار ملک کے اپنے فرائض سر انجام دینے میں ناکام رہی ہے۔ اس لئے ان حالات کے ماتحت مناسب سمجھا گیا کہ جہاز ہی کو زیر حراست کر لیا جائے۔

یہ اصلیت ہے کہ جہاز ناروے کے ساحل کا ناجائز فائدے اٹھاتے ہوئے برطانوی بحری قیدیوں کو غیر جانبدار سمندر کے راستے جرمنی لے جانیکا خواہشمند تھا۔ اور یہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی تھی۔

چنانچہ پہلے برطانوی طیاروں نے اس کو دیکھا اسکے بعد برطانوی جہاز "انٹریڈ" سے اس کا مقابلہ ہوا۔ اس مرحلے پر جہاز مذکورہ نے جوسنگ فجورڈ میں پناہ لی۔ برطانوی وزارت بحریہ نے فوراً قرب وجوار کے تباہ کن جہازوں کو احکام جاری کر دے۔ "ایچ، ایم، ایس" "کوسک" نامی بحری جہاز کے کپتان کو غیر جانبدار ممالک کے سمندروں میں داخل ہوکر جرمن بحری جہاز "الٹمارک" کی تلاش اور قیدیوں کو رہا کرانے کا حکم دیدیا گیا۔

ناروے کی دو تارپیڈو کشتیاں فجورڈ کے دہانے پر مقیم تھیں۔ ان کشتیوں کے اعلیٰ افسر کو برطانوی جہاز "کوسک" کے کپتان نے یہ پیشکش کی کہ اس کے جہاز میں برطانوی اور ناروے کے محافظ دستے کر دئے جائیں۔ اور پھر اس جہاز کو ناروے اور برطانیہ کے جنگی جہازوں کی حفاظت میں جرمن پہونچا دیا جائے۔ کیونکہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق اس معاملے کی تحقیقات اسی مقام پر کی جا سکتی تھی۔ مگر برطانوی کپتان کی پیشکش مسترد کر دی گئی۔

ناروے کے کپتان کا بیان تھا کہ "الٹمارک" غیر مسلح ہے۔ اسے اس کے متعلق کوئی علم نہیں کہ اس جہاز پر برطانوی قیدی ہیں۔ اور یہ کہ ابھی دو روز پہلے برجن کے مقام پر اس جہاز کی تلاشی لی جا چکی ہے۔ اور یہ کہ اسے علاقہ جاتی سمندروں کی راہ جرمن جانے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

یہ یقین دلانے پر برطانوی تباہ کن جہازات علاقہ جاتی سمندروں سے واپس ہٹ آئے، مگر شام کیوقت وزارت بحریہ کے احکام موصول ہونے پر یہ برطانوی تباہ کن جہاز دوبارہ فجورڈ میں داخل ہو گئے، ناروے کی تارپیڈو کشتیوں نے ان کے ساتھ اشتراک عمل کرنے سے انکار کیا مگر انہوں نے مخالفت نہیں کی۔ اس عرصے میں جرمن کے جہاز نے جو فجورڈ (بندرگاہ ناروے) کے دوسرے سرے پر ایک تین یا چار سو فٹ پر جائے پناہ میں کھڑا تھا۔ اپنے انجنوں کو حرکت دینی شروع کر دی۔ باوجودیکہ اس جہاز کو رکنے کا حکم دیا گیا۔ یہ جہاز آگے چلا گیا۔ اور جب "کوسک" اس کے نزدیک پہونچا تو اس نے (کوسک) پر وار کیا۔ چنانچہ اس طرح جرمنی کے جہاز نے پہلے خود مخالفانہ کارروائی شروع کی۔

چنانچہ دونوں طرف سے وار ہوئے۔ "الٹمارک" کو ایک ضرب لگی اور اس کا اگلا حصہ نقصان رسیدہ ہوا۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے دونوں جہاز ایک دوسرے پر گولیاں چلاتے رہے۔ "کوسک" کا توپچی زخمی ہو گیا۔ "الٹمارک" نے بھاگنے کی بہت کوشش کی مگر "کوسک" نے اس کو ایسا موقع نہ دیا۔ اس واقعہ پر کوسک کے کمان آفیسر نے بہت بہادری دکھائی۔ "کوسک" کو نہایت تیزی سے "الٹمارک" کے قریب پہونچا دیا گیا۔ اور کمان افسر جان ہتھیلی پر رکھ کر "الٹمارک" پر جا چڑھا اور "الٹمارک" کے کنٹرول آفیسر سے گتھم گتھا ہو گیا۔ اور موقع پا کر جہاز کا رخ ایک برفانی ٹیلے کی طرف کر دیا۔ ادھر یہ گتھم گتھا ہو رہے تھے، اور ادھر جہاز اس برفانی تودے سے جا ٹکرایا۔ چنانچہ جہاز کا اگلا حصہ نقصان رسیدہ ہوا۔ اسکے بعد جہاز بھاگ کر جا ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ کوسک کے دوسرے آفیسر اور ملاح بھی آن پہونچے اور جہاز کی تلاشی شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے برطانوی قیدیوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ ان کو جہاز کے گودام، گودبار دو کمرے اور تیل کے خالی پیپوں میں بند کر کے رکھا گیا تھا اس دوران میں کہ برطانوی جہاز کے آفیسر اور دیگر ملاح ان قیدیوں کو رہائی دلانے میں مصروف تھے۔ جرمنی مسلح گارڈ کے سپاہی جہاز کے اوپر چڑھ گئے جہاں سے انہیں "ریڈمیرل گراف" کے عرشے پر لے جایا گیا۔ یہ مسلح گارڈ اس کے بعد ساحل سمندر کے قریب ایک اونچے برفانی تودے پر جا چڑھے اور یہاں سے انہوں نے "کوسک" پر بندوق کی گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ برطانوی جہاز کے عملے نے ان گولیوں کا مناسب جواب دیا۔ اور دو جرمن سپاہیوں کو گولی لگی۔ اور تیسرا سپاہی شکستہ برف کے تودوں کے درمیان آن گرا۔ "کوسک" جہاز کے دو آفیسر فوراً بڑھے اور ان کو جہاز کے اوپر لے جایا گیا۔ مگر یہ برف میں گرنے کے صدمے کو برداشت نہ کر سکا۔ اور ہلاک ہو گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ "الٹمارک" پر چار توپیں نصب تھیں۔ "الٹمارک" کے ایک آفیسر کا بیان تھا کہ ناروے میں قیام کے دوران میں دو مرتبہ ناروے کے متعلقہ حکام اس جہاز پر آئے انہوں نے مختلف سوالات کئے مگر "الٹمارک" کی تلاشی نہیں لی گئی۔

اس شہادت سے یہ امر صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس جہاز کے ۲۹۹ برطانوی قیدی جو رہائی کے لئے شور مچا رہے تھے، ان کی آواز کی چنداں پرواہ نہیں کی گئی۔ وہ وقت قابل یاد ہے جبکہ "الٹمارک" کے برطانوی قیدیوں نے کبھی اوپر سے برطانوی آفیسروں کو کہتے سنا۔

کیا یہاں کوئی برطانوی بھی ہے؟

جہاز کے نچلے حصے کے برطانوی قیدیوں نے یک زبان ہو کر "بحری بیڑہ یہاں ہی ہے" کا شور مچا دیا۔

ایک دوست کا خط

این۔ سی گھوش

مجھے انگلینڈ کے قیام کے زمانہ میں کیمبرج یونیورسٹی کا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ میں جب کبھی ان ایام پر غور کرتا ہوں جبکہ میں اس یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ تو مجھے چار دوست بھی یاد آجاتے ہیں۔ ان میں سے دو تو انگلینڈ کے ہی باشندہ تھے۔ اور دو جرمن کے باشندہ تھے۔ جو حصول علم کے لئے انگلینڈ آئے تھے۔ میرے انگلش دوستوں کا نام جان براؤن اور گلبرٹ رولینڈ اور جرمن دوستوں کا نام ہرکیلش اور رڈرو اکرٹ تھا۔ میں نے اپنے دونوں ملکوں کے دوستوں کے نام سے متعلق کچھ احتیاط سے کام لیا ہے کیونکہ ایسا نہ ہو اب جبکہ جنگ جاری ہے۔ ان کی متعلقہ حکومتیں ان سے کس قسم کی بازپرس کریں۔

ہم چاروں میں کیمبرج یونیورسٹی کو چھوڑنے کے وقت سے خط و کتابت جاری ہے۔ ہماری خط و کتابت میں زیادہ تر آرٹ کے متعلق بحث ہوا کرتی ہے۔ ہرکیلش اگرچہ ایک ماہر ریاضی داں ہے مگر اس کے ساتھ ہی نقاش بہار یہ شاعری کا بھی بہت دلدادہ ہے۔ یہ بات ذرا عام واقعات سے مختلف معلوم ہوگی کیونکہ مشہور ہے کہ جرمن کے لوگ سائنس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں مگر وہ ایسا ہی تھا۔ میں نے جرمنی زبان کے متعلق جو کچھ سیکھا وہ سب کیلش کی بدولت تھا۔ کیلش کہا کرتا تھا کہ اس کو مشرق کی تہذیب اور معاشرت کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا۔ وہ اس نے یا تو میری زبانی مجھ سے سیکھا اور یا میرے خطوط سے غرضکہ ہم پانچوں دوست ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے۔ جب تک ہم سب انگلینڈ میں رہے بالمشافہ اور تعلیم ختم ہو جانے کے بعد بذریعہ خط و کتابت ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتے رہے۔

سال گذشتہ کا ذکر ہے کہ مجھے وقتاً فوقتاً حسب معمول چاروں دوستوں سے خطوط موصول ہوئے مگر ان میں سے ایک کا خط پڑھکر میرے دل کو ٹھیس لگی۔ میرے دوست نے یہ خط خاص طور پر مجھے لکھا تھا۔ میرے لئے یہ خط باعث صد برکت ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اس خط میں میرے جرمن دوست کیلش نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ قارئین کو بھی ان سے متعارف کراؤں۔ کیونکہ یہ خیالات ایک کیلش کے نہیں بلکہ جرمن کے لاکھوں کیلشوں (یعنی اہل جرمن) کے یہی خیالات ہیں۔

ڈوزلڈروت (جرمنی)

جولائی ۱۵، ۱۹۳۸ء

مائی ڈیر راجہ۔

میں یہ خط آپ کو نہایت عجلت کی حالت میں لکھ رہا ہوں کیونکہ خوف ہے کہ آئندہ کوئی خط جرمن سے باہر نہ جا سکے گا۔ جنگ کسی کے دلی جذبات کی کوئی پرواہ نہیں کرتی۔ اور آپ کو معلوم ہی ہے۔ کہ جنگ شروع ہونے میں کچھ ہی دیر ہے۔ ایک دن شاید میں یہ جاننے کے لئے بیدار ہوں کہ جرمنی نے اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اور اگر اعلان جنگ انگلینڈ کے ہی خلاف ہوا تو پھر گویا میں اپنے ان دو جاں نثار دوستوں کا بھی اصولاً دشمن ہو جاؤں گا۔ کیونکہ جنگ ان لوگوں کے سروں پر بھی منڈھ دی جاتی ہے جو اس کے خواہشمند نہیں ہوتے۔ مگر کیا آپ میرے متعلق یہ یقین کر سکیں گے۔ کہ میں انگلینڈ کے خلاف اعلان جنگ ہو جانے کی صورت میں اپنے انگلش دوستوں سے لڑوں اور رولینڈ سے دشمنی کا خیال بھی دل میں لاؤنگا میں ان کو جب بھی ایسا ہی عزیز اور محبوب تصور کرونگا جیسا کہ اب جنگ شروع ہونے سے پہلے۔

جرمن میں میری مانند لاکھوں اشخاص ایسے ہیں، جو اس دہشت انگیز نازی حکومت کو یک لخت مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظروں کے سامنے روزانہ ہزاروں بندگان کو محض اس وجہ سے نازی حکومت طوق و سلاسل پہناتی ہے۔ کہ وہ اس کی متشددانہ پالیسی کے مخالف ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا ملک ان نازی لیڈروں کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ جرمن کے لوگ گذشتہ جنگ کے تلخ تجربات سے واقف ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ ان کو دوبارہ اقتصادی بدحالی، درماندگی، بیچارگی، اور بھوک، اور پیاس کی خوفناک آگ میں ڈھکیل دیا جائے۔ باوجودیکہ حکومت بہت سخت گیر ہے۔ تاہم جرمن میں اب بھی کلمۂ حق کہنے والوں کی کمی نہیں۔ چنانچہ اب تک ہزاروں نہیں لاکھوں کو محض اس وجہ سے گولی کا نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ کہ انہوں نے موجودہ نازی حکومت کی لغزشوں اور اس کو جنگ کی خطرناکیوں میں ہاتھ ڈالنے سے خبردار کیا تھا۔ ان کا یہی قصور تھا۔ کہ یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ چند غدار اور سیاسی لیڈر اپنے انفرادی جاہ و حشمت کے لئے مادر وطن کی صدیوں کی مصیبت اور افلاس پر مہر ثبت کر دیں۔ میں اپنے لاکھوں جرمن بھائیوں کے ساتھ دل سے خواہش مند ہوں کہ جرمن جرمنی بہت جلد لیڈروں کے دام سے نکلے تاکہ اس کا نام بدستور دنیا پر قائم رہے۔

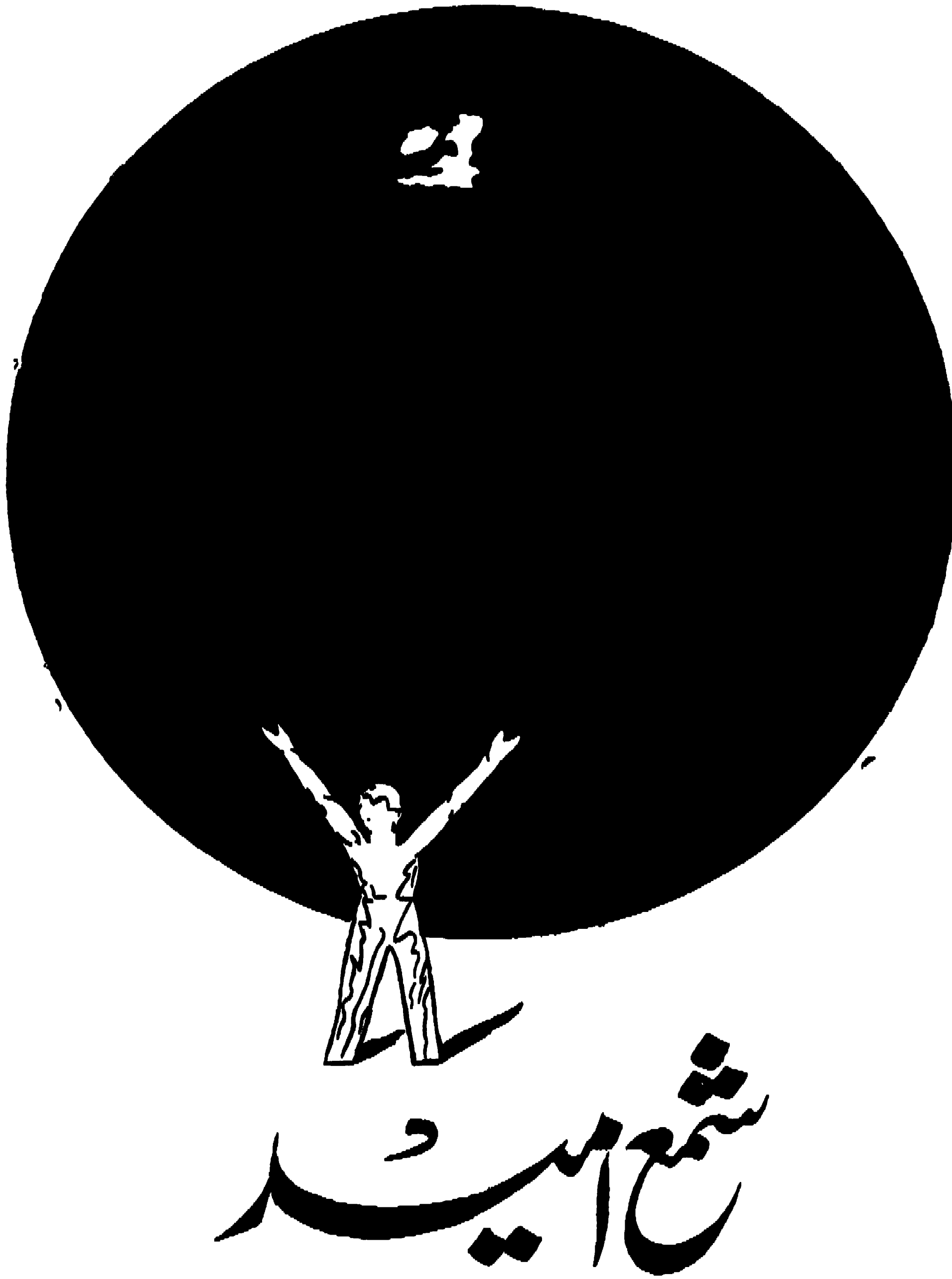
آپ کا مخلص دوست

کیلش

میرا خیال ہے کہ شاید میں بھی پھر اپنے دوست کو نہ دیکھ سکوں۔ خدا معلوم کتنے لوگوں کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا ہوگا۔ مگر جن خیالات کا اظہار کیلش کے خط میں کیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جرمن کے لوگ اس جنگ کے مخالف ہیں مگر نازی لیڈروں نے نہایت چالاکی سے بیرونی دنیا کو جرمنی کے لوگوں کے صحیح جذبات سے بےخبر کر رکھا ہے۔



مس شمیم



شمع امید

سیاست دانوں اور مدبروں نے ہم سے بتایا ہے کہ ہم کس لئے جنگ کر رہے ہیں۔ بہتیرو ں کو ان کے مقاصد غیر حقیقی اور دور از حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔ اس مضمون میں سیدھے سادے اور سادہ لفظوں میں بتایا گیا ہے کہ انگریز کس مقصد کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ اور پھر یہ کہ کس مقصد کے خلاف جنگ میں مبتلا ہوئے ہیں۔ (۲۱۵۱ساہ)

یکے بعد دیگرے یورپ سے روشنیاں مفقود ہوتی گئیں۔ اگر ہم لوگ اس جنگ میں فتح حاصل کریں۔ جو اس موسم سرما میں لڑی جائے گی۔ تو ممکن ہے کہ وہ روشنیاں پھر سے جل اٹھیں۔ ہم لوگ اور صرف ہم لوگ ہی ایشیا کو تباہی و بربادی سے بچا سکتے ہیں۔

اگر ہٹلر چاہتا ہے کہ وہ اس آخری روشنی کو بھی گل کر دے تو اب وہ اس وقت کر سکتا ہے۔ جب ہمارے جسموں سے روحیں پرواز کر جائیں۔ اور ہماری لاشوں کو روندتا ہوا۔ وہ اس چراغ کی طرف بڑھے۔ اس قدر عظیم خطرہ کبھی رونما نہیں ہوا تھا۔ اور ایسا سنسنی خیز موقعہ کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ برطانویوں کے پچاس خاندان امسال زندہ رہنے کیلئے اپنی روحیں فروخت کر دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ان میں ایک بھی ایسا نہ ملے گا۔ جو اس جنگ کی نوعیت اور حقیقت کو شناخت کر سکے۔

یہ جنگ ہے۔ جنگ اس سرزمین کی۔ جس پر ہم لوگ سانس لے رہے ہیں۔ ویلز۔ اسکاٹ لینڈ۔ اور آئرلینڈ جیسی سرزمین کے لڑنے کے مقاصد دیگر جو کچھ ہوں مگر اس جنگ کا اولین مقصد ہم لوگوں کیلئے یہ ہے کہ برطانیہ کی جسمانی ساخت و نشوونما ہو۔ ہم ان ملکوں کے لئے جنگ کر رہے ہیں جن میں ہم لوگ رہتے ہیں کینٹ یا کارنوال کارڈیگن یا آئر۔ یہ جنگ نشیب و فراز، بلند و پست فنس اور ڈیلس کے لئے ہے۔ یہ جنگ ان دیہاتوں کے لئے ہے جہاں ہم رہتے ہیں۔ اونک ہانگر موضع کی آزادی کے لئے ہیڈلمی گرین کی ملکی توسیع کیلئے۔

یہ جنگ ہر اس چیز کے لئے ہے جسے ہم اپنی کھڑکیوں سے دیکھتے ہیں اور اس پل کیلئے جو کارخانہ کے پاس واقع ہے۔ ہم برطانیہ کی زمین کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ ہزار ہا برس سے اب تک اسپر کسی نے نگاہیں نہیں ڈالی اور اب بھی اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا لمبا ہاتھ والک طوفانی فوجوں کا آماجگاہ نہیں بن سکتا۔ اسٹراٹ فورڈ

اول اوان کا قطعۂ ارض گورنگ کیلئے عالیشان محل کا حصہ نہیں بن سکتا۔ کاردلی گٹا پو کو اپنے یہاں دخیل نہیں ہونے دے گا۔

اس لئے پہلی بات یہ کہ ہم لوگ ایک جزیرے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ محض چند سو مربع میل کے ایک علاقہ کیلئے جو بحر شمالی میں واقع ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ہم اس طریقہ زندگی کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ جو اس جزیرے کی خصوصیت بن چکی ہے۔ کسی آدمی کو نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کا حق کہ ہمارا طرز زندگی مکمل نہیں ہے۔ ہم لوگ بہتر سے بہتر طرز زندگی بنانے کیلئے جنگ کر رہے ہیں اور اس اچھے طرز زندگی کو بہترین طرز زندگی سے بدلنا نہیں چاہتے۔ ہم آزادیٔ تقریر اور آزادیٔ رائے کی بچاؤ اور تحفظ کے لئے تلوار اٹھا رہے ہیں۔ جس کے لئے ہمارے اسلاف نے جد وجہد کی۔ اور ہماری نسلوں کے لئے اس راہ کو کھلا رکھنے کیلئے جنگ کر رہے ہیں تاکہ اس میں کوئی سد راہ نہ ہو۔ اور اس کی آزادی میں۔ کوئی خلل نہ ڈالے۔

اگر پوچھا جائے تو ہم کہیں گے کہ ہم اس چیز کے تحفظ کیلئے جنگ کر رہے ہیں۔ جو ہماری پسند اور ناپسند ہونے پر منحصر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس کو پسند کرتے ہیں اس کو باقی رکھیں۔ جس کو ناپسند کرتے ہیں اس کو ناپسند کرنے کا حق رکھیں۔ ہم اپنے ان حقوق کو بچانے کیلئے جنگ کر رہے ہیں۔ ہم لوگ برطانیہ میں ۱۹۴۲ء کے اس موسم سرما میں سانس لے رہے ہیں۔ برطانیہ کے ماضی و مستقبل کو بچانے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ اگر ہم لوگ ثابت قدم رہے تو ہم لوگوں کو موقعہ مل سکتا ہے کہ ہم آگے کی طرف ایک ساتھ بڑھ جائیں۔ اگر ہم لوگوں نے سپر ڈال دیا۔ تو ہم لوگ پھر چھ سو برس پیچھے کی طرف ڈھکیل دیئے جائیں گے۔ ہم تمام لوگ۔ کوئی ایک یا دو افراد نہیں۔ ایک جماعت یا ایک طبقہ نہیں۔ بلکہ ہم سب لوگ۔ ہم میں سے ہر ایک۔

لیکن اس کے باوجود اس ملک کا ہر طبقہ خاص کسی چیز کے لئے جنگ کر رہا ہے۔ اس سرزمین اور اس طرز زندگی سے قطع نظر جو ہمارے مابین مشترک ہے کسی اور مقصد کیلئے جنگ میں مشغول ہے۔ ہر طبقہ کو جدا جدا بہت کچھ ہاتھ سے دینا ہے۔ نقصان اٹھانا ہے۔

برطانیہ کے مزدوروں کو بہت کچھ نقصان اٹھانا ہے۔ مینوں اور کھیت کے کارکنوں دہقانوں دست کاروں۔ انجینئروں۔ ان کی زندگیاں اس وقت مکمل نہیں ہیں۔ ان لوگوں سے اس قدر کام لیا جاتا ہے۔ جتنا وہ معاوضہ نہیں پا سکتے۔ لیکن نازی برطانیہ میں ان لوگوں سے موجودہ محنت سے بھی زیادہ محنت لی جائے گی اور موجودہ معاوضہ سے بھی کم ترین معاوضہ انہیں ملے گا۔ آزاد برطانیہ میں ان لوگوں کو موقع حاصل رہے گا۔ کہ وہ اپنے محنت کے ثمرین کی جد وجہد کو جاری رکھیں۔ آزاد برطانیہ میں ان کا مستقبل خود ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔

مزدوروں کو مادی طور پر بہت کچھ نقصان اٹھانا ہے۔ اجرت میں کام کے اوقات میں۔ کام کی شرائط میں۔ ان لوگوں کو کچھ نہ کچھ قربان کرنا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے پاس اور بھی بہت کچھ ایسا سامان موجود ہے۔ جسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ تمام باتیں جن سے زندگی زندگی بن جاتی ہے۔ اور وہ کام سے آکر ان سے محظوظ ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے ہیں وہ سب اس وقت خطرہ میں ہیں۔

شام کا وقت وہ اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں شام کا وقت وہ اپنے گھروں میں باغبانی کر کے ختم کرتے ہیں شام کا وقت وہ ساتھیوں میں بیٹھکر خوش گپیاں کر کے ختم کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ان کی تباہی نظر آ رہی ہیں۔ ان کی بجائے نازیوں کی پیش کش یہ ہوگی کہ شام کو قواعد کرنی پڑے گی۔ شام کو پروپیگنڈا لکچروں میں شریک ہونا پڑے گا۔ شام کو مارچ جنگ اور فوجی سلام کرتے ہوئے گذرنا پڑے گا۔ دنیا کے گرد جس کا کوئی اختتام نہیں ہے بڑھنا پڑے گا۔ ہر جگہ پولیس ہو گی۔ پولیس گھریلو زندگی میں، پولیس کلب میں۔ پولیس۔ باغ کی دیواروں کے نیچے پولیس جو کسی برطانوی ضلع سے تعلق نہیں رکھیں گے۔ غرضکہ ہر جگہ پولیس ہی پولیس ہوگی۔

زمینداروں اور مصنوعاتی کارخانوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ ان لوگوں کو بہت کچھ ضائع کرنا پڑے گا۔ ان لوگوں کو روایات وراثتیں قربان کرنی پڑیں گی۔ حب الوطنی کی شہرت جس پر تمام دنیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ ان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ دنیا۔ اور اس ملک کے عامۃ الناس بڑی گہری اور دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ دوسرے ملک میں کل ہی کیا تھا۔ اور کیا ہو گیا۔ دوسرے ملک میں مختصر مگر طاقت ور مصنوعاتی کارخانہ داروں اور زمینداروں کے گروہ نے اپنی جائدادوں زمینداریوں کے مال و منال کو اپنے ملک کی آزادی کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اپنے ملک کی مزدور حکومت سے وہ ہٹلر کی حکومت سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے اپنی حکومت کو برباد ہو جانے دیا لیکن اب وہ زیادہ دنوں تک اپنی جائدادیں بھی بچا نہیں سکینگے۔ لیکن تمام دنیا سمجھ رہی ہے اور اس پر یقین کرتی ہے۔ کہ برطانوی مصنوعات ایسے نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی بہت کچھ ہاتھوں سے دینا ہے۔

برطانیہ کے متوسط درجوں کے حجم غفیر کا آئندہ کیا حال ہوگا۔ بحالت موجودہ غالباً وہ سبھوں سے زیادہ مطمئن طبقہ ہے۔ وہ ایک طرح سے بے غرض سے ہیں۔ انہیں زندگی میں خوشگوار طرز کے انتخاب کا موقعہ حاصل ہے۔ وہ اختیار رکھتے ہیں کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کاموں کو منفعت بخش بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے انہیں کافی سے زیادہ موقعہ حاصل ہے۔ ایک وکیل اچھا وکیل بنا سکتا ہے۔ ایک تاجر بہترین کاروباری سے آدمی بن سکتا ہے۔ اور اپنی تجارت کو فروغ دے سکتا ہے۔ ایک جرنلسٹ ایماندار جرنلسٹ بننے کا موقعہ رکھتا ہے۔ من حیث المجموع کوئی بھی اوسط درجے کے آدمیوں کی زندگی میں خلل نہیں ڈال رہا ہے۔ کوئی ان کے کاموں میں حارج نہیں ہو رہا ہے۔ پریشان نہیں کر رہا ہے۔ دق نہیں کر رہا ہے۔ ان لوگوں کو کامل آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے کام کو اپنے پیسے کو۔ اپنی تجارت کو۔ اپنی وکالت کو فروغ دیں یا نہ دیں۔ وہ جیسا کرنا چاہتے ہیں کریں۔ ان کی خواہش ان کی مرضی پر۔ ان کی طبیعت پر کوئی پابندی نہیں۔ کوئی رکاوٹ نہیں۔ کوئی بندش نہیں۔

اگر ہم لوگوں نے جنگ میں شکست کھائی تو ایک بات ایسی ہے جس کا اثر اوسط درجے کے لوگوں پر فی الفور پڑیگا ان لوگوں کو انتخاب کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ وہ مرضی کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ ان لوگوں کو حکم دیا جائیگا کہ وہ فلاں کام کریں۔ اور ان کو ہدایت کی جائے گی۔ کہ اپنے فرصت کے اوقات کو وہ کس طرح استعمال کریں۔ نازیوں کے تمام افعال کو برحق بجا۔ جائز۔ اور درست ثابت کرنے کے لئے وکیل کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ اور اسے اس کام پر لگا دیا جائے گا۔ کہ وہ نازیوں کی ہر بات کو بجا ثابت کرتا رہے تاجروں کو ان کے کاروبار سے الگ کر دیا جائے گا۔ اور انہیں تجارت سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا جائے گا۔ زندگی اس حیثیت کی ہو جائے گی کہ وہ دوسروں سے احکامات حاصل کرتا رہے جن کی ذہنیت نہایت پست ہو۔ لیکن جن کے جاسوس نہایت خطرناک اور ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہوں۔

برطانیہ کے ہر ممتاز اور اہم طبقوں کو مختلف حقوق کو کھونا اور ضائع کرنا ضرور ہے۔ لیکن اس کے باوجود دو چیزیں ایسی ہیں جس سے سب کے سب مشترکہ تعلقات رکھتے ہیں۔ اور وہ مذہب۔ اور بچے ہیں۔

کارخانہ دار اور مزدور۔ زمیندار اور کاشتکار

کلرک اور ڈاکٹر یہ سب کے سب آزاد ہیں۔ کہ جس طرح چاہیں۔ عبادت کریں۔ پرستش کریں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ کوئیکر اور یہودی، میتھوڈسٹ۔ اور پلا کی ماؤ مقہ برادر۔ ان کا مذہب ان کا عقیدہ۔ خفیہ پولیس کی دلچسپی کی چیزیں نہیں ہیں۔ ان کے گرجاؤں کے فنڈ۔ ان کی عبادت گاہوں کے خزانے بمبار طیاروں کے بنانے کے لئے لوٹے نہیں جاتے۔ مفتوح ومغلوب برطانیہ میں نازی خدا کیلئے کوئی جگہ باقی نہیں رکھیں گے اگر رکھیں گے تو فقط فوہرر (ہٹلر) کے لئے۔ نیشنل زیٹنگ۔ جرمنی اخبار نے ۳ر جون ۱۹۳۷ء کو ان لفظوں میں اس کا اظہار بھی کر دیا ہے۔

"خدا نے پھر نیا جنم لیا ہے۔ مگر عیسی مسیح کے قالب میں نہیں۔ بلکہ ایڈولف ہٹلر کے قالب میں۔"

اب آخر میں بچوں کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ ہر شخص کا بچہ چاہے وہ شہر کا بچہ ہو یا دیہات کا۔ نواب زادہ یا مفلس زادہ۔ ہماری تعلیمی طریق بہت چاہے جو بھی خرابیاں ہوں۔ مگر ہر بچے کو یہ حق حاصل ہے۔ اور اسے اس کا موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بابت صداقت کی بابت۔ حق وشرافت کی بابت۔ عدل وانصاف کی بابت معلومات حاصل کرلے۔ خود سے فیصلہ کرے سوچے پڑھے۔ تعلیم حاصل کرے۔ یہ نہیں کہ قومیت کا غلط نظریہ، غلط تاریخ۔ روزانہ دوا کی خوراک کی طرح اس کے شکم میں اتار دی جائے۔ جس کی بنیاد ہر اچھی چیز کے خلاف نفرت وحقارت ہو۔ سنئے کہ اس موسم سرما میں ہم اپنے بچوں کی توقعات، مسرت ولذات کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اپنے آج کے بچوں کیلئے۔ ۵۰ برس بعد کے بچوں کے لئے۔ اور دو ہزار برس آئندہ بچوں کے لئے۔ ہم جنگ کر رہے ہیں لیکن اگر ہم ناکام رہے۔ تو کیا ہوگا۔؟ یہ مجھ سے نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر لی۔ جرمن وزیر محنت کی زبان سے سنو۔

جب بچہ تین برس کا ہوتا ہے تو ہم اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ جونہی اس کا دماغ سوچنا شروع کرتا ہے ہم فی الفور اس کے ہاتھ میں ایک جھنڈا دے دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا اسکولی دور آتا ہے۔ ہٹلری نوجوان۔ طوفانی فوج۔ جنگی تربیت۔ وغیرہ سے ہم اس کو مکمل بنا دیتے ہیں ہم اس کو جانے نہیں دیتے۔

بلا شبہ یہ جنگ ہم سبھوں کیلئے ہے۔ ہم لوگوں کو بہت کچھ ضائع کرنا ہے نقصان اٹھانا ہے۔ لیکن ہم لوگوں کو بہت کچھ حاصل کرنا بھی ہے۔ یہ جنگ۔ بلا شبہ۔ ہم سبھوں کی جنگ ہے۔ اس حقیقت کی یہ جنگ ہے جس کو ہم لوگ جانتے ہیں۔ ہم لوگوں کو یہ ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ نازی بھی وجہ ہیل ہٹلر کا نعرہ لگاتے ہوئے بڑھے آتے ہیں، اپنے

خوابوں کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور ان کا خواب کیا ہے۔ ایک تباہ شدہ براعظم، اس براعظم کا خواب جسے دنیا کی ممتاز ترین قوم نے مفتوح کر لیا ہو۔ اس لئے اگر ہم لوگوں کو اس جنگ میں فتح حاصل کرنا چاہیے تو ضروری کہ ہمارا خواب ان کے خوابوں سے زیادہ بلند ہمہ گیر۔ پر عظمت۔ اور رفیع الشان ہو۔ ایک ایسا خواب جو زندگی اور اخوت اور رواداری و مروت پر مبنی ہو۔ موت اور منافرت پر نہیں۔ نفاق اور شقاق پر نہیں۔ ایک ایسے ملک کا خواب۔ ایک ایسے براعظم کا خواب جس میں ہر شخص اپنا آپ مالک ہو۔ اور اپنا آپ آدمی ہو۔ ایک ایسی دنیا کا خواب جو مرد وعورت کے رہنے کے لئے موزوں ومناسب ہو۔ یہ خواب ان خوابوں کی طرح نہیں ہے جس کا وعدہ مدبروں کی طرف سے کیا جائے۔ یا جوان لوگوں کی طرف سے عطا کیا جائے۔

یہ وہ خواب ہے جسے ہم لوگ۔ عوام الناس۔ خود تعبیر کا جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اپنی محنت ومشقت۔ جرات وبلند ذہنیت سے۔ اور اپنی قوت بازو سے۔ اگر ہم لوگ نازیوں کا دم خم توڑ دیں۔ اگر ہم ان پست ومغلوب کر دیں تو البتہ ہم لوگوں کو موقعہ مل جائے گا کہ ہم اپنے خوابوں کو عملی اور حقیقت کا جامہ پہنائیں۔ اور اگر ہم نازیوں کے مقابلہ میں ہار گئے تو پھر ہم لوگوں کیلئے کوئی موقع نہیں ہے۔

نازیوں کے عہد حکومت میں زندگی کی داستان

اور دیکھو۔ نازیوں کے عہد حکومت میں زندگی کی داستان یہ ہے۔ ۲۷ر فروری ۱۹۳۳ء کی ایک تاریک رات کو جرمنی خاموش و پرسکون پڑا ہوا تھا۔ بچے اپنے اپنے بستروں پر اوقات معمولہ پر پڑے سو رہے تھے۔ اور بڑے بڑے پیلے رنگ کا بس۔ برلن کے مضافات میں اوقات مقررہ پر دوڑ رہے تھے۔ ٹرین کبھی کبھی تاریکی میں چھک چھک کرتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی آواز سکوت میں ہنگامہ برپا کر کے پھر خاموش ہو جاتی۔ ہر چیز حسب معمول ہو رہی تھی۔ جرمن آبادی محو خواب تھی۔

زمین دوز گذرگاہوں سے لوگ ریشتاغ کی طرف جلدی جلدی قدم بڑھاتے جا رہے تھے۔ وہ لوگ ایسے بنڈل اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ جس سے تارکول کی بو آ رہی تھی۔ شیونگ کا سامان بندھا ہوا تھا۔ جرمنی آبادی سو رہی تھی۔ اور پھر وہ کبھی بیدار نہیں ہوئی۔ ریشتاغ یکا یک شعلوں میں گھر گیا۔ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ اور عمارت کے شراروں نے اپنے حلقہ میں لے لیا۔

"یہ سرخ پوشوں کا کام ہے" ڈاکٹر گوبلز نے چلا کر کہا۔ "یہ آثار قیامت ہیں" اور ہرمن گورنگ چلایا۔ "یہ آسمانی علامت ہے" چانسلر ہٹلر بولا۔

اور اسی رات کو فوہرر کے نام پر ہزاروں کی تعداد میں مرد اور عورتوں کو مقید کر لیا گیا۔ اسی رات کو مخالف پارٹی کو تشدد اور جبر سے توڑا گیا۔ اور اس کے بعد تشدد اور لاٹھی کی حکومت عادی ہو گئی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ اہالیان عالم کو علم ہے۔ کہ اس کے بعد کیا واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ ناقابل یقین۔ ناگفتہ بہ۔ ظلم وسفاکی۔ معمولی درجہ کے آدمیوں کی سست اور مہربانی۔ بیشتر آدمیوں کی لاعلمی کہ خود ان کے ملک میں کیا ہو گیا۔ ایک پوری ذہین قوم کو کیڑوں مکوڑوں کی سطح پر لانے کی کوشش۔ یہ تمام باتیں عام طور پر معلوم ہیں۔

مخالف کو کوڑوں سے۔ بجلی کے تاروں سے کلہاڑوں اور گنڈاسوں سے خاموش کرنے کی نازی پوشیدہ چالیں بہتیرے برطانویوں کو اس قدر اچھی طرح معلوم ہیں کہ انہیں اپنے اپار کی تاریخ کا اس قدر علم نہیں ہوگا۔

لیکن اس موقع پر میں جرمن قساوت کے منفی چیز پہلو کو بیان کرنے اور ان سے صفحات سیاہ کرنے کی کوشش نہیں کرونگا۔ بلکہ اس مرحلہ پر ہم لوگوں کو یہ سوچنا اور غور کرنا چاہیے۔ کہ جرمن کے تمام باشندوں کے لئے نیشنل سوشلزم کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا یہی جیسے کہ اس کا ہرسمڈٹ اور اس کی بیوی۔ جو بھلا تن کا پر سکون۔ باپ خوش چہرہ بتاتا ہے۔

پہلی بات یہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ نازی حکومت کا اثر عوام پر یوں ڈالا جاتا ہے۔ کہ جرمنوں کی تجدید حیات کا باعث نازی ہیں۔ ان میں از سر نو زندہ کرنے والی جماعت نازی ہے۔ اور اس طرح وہ عوام پر خوشامد۔ تملق۔ اور خوف کے ذریعہ حکومت کرتی ہے۔ کفایت شعاری کی ترغیب دیتی ہے۔ تاکہ ضروریات جنگ پایۂ تکمیل کو پہونچ جائیں۔ ضرورت جنگی تمام معاشری زندگی پر فوقیت تمام حاصل کرے۔ اور اب اسے چاہیے آپ پسند کریں یا نہ کریں۔ جرمن فوجوں کو قوا عد کے وقت یہ گانا گانے کی ہدایت کی جاتی ہے "ہم اپنے فوہرر کے شکر گذار ہیں۔" لیکن کس امر کے شکر گذار؟ کیا فوجی چیزوں کے دوبارہ بنائے جانے پر؟ نہیں۔ تو پھر کام پیدا کرنے پر؟ شاید! کیا اس احساس کی پیداوار کے لئے کہ برسوں کی

ذلت اور رسوائی کے بعد جرمنی پھر ایسی قوت بن گیا ہے۔ جس کا شمار کیا جائے؟ ہاں۔

جرمن باشندے۔ جب اپنی بیوی بچے کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو والدین کو خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کہ وہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالیں۔ جو جرمنی حکومت کی نکتہ چینی ہو۔ یا اس کے کسی امر پر اعتراض۔ مبادا ان کے بچے۔ سنکر حکام کو اس کی پرائیوٹ رپورٹ پہونچا دیں۔

ہٹلر نے چاہے اور جو تعلیم دی ہو۔ مگر اس نے سب سے پہلا کام جو بسر اقتدار آنے کے بعد کیا وہ یہ تھا کہ اس نے مزدوروں کی زبردست تحریک کو توڑ دیا۔ جرمنی کی یہ وہ زبردست تجارتی تحریک تھی جس کے ممبر ۶ ملین۔ یعنی ۶۰ لاکھ تھے۔ طوفانی فوجوں نے ہر یونین کے دفتر پر چھاپا مارا دھاوے کئے۔ اور سوشلسٹ پارٹی کے دفتروں کو بھی نہیں چھوڑا۔ جن لوگوں نے چاہے عوام ہوں یا خواص۔ شہری یا فوجی۔ افسر ہوں۔ یا سپاہی۔ اگر مقابلہ کیا تو انہیں۔ پکڑا گیا۔ پیٹا گیا۔ زدوکوب کیا گیا۔ حتیٰ کہ بااوقات مار ڈالا بھی گیا۔ اس سے پہلے کمیونسٹوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جا چکا تھا۔ اور ان کے استیصال کا حل کرنے کیلئے ہر نوع کی کارروائیوں۔ وحشتوں۔ اور بربریتوں سے کام لیا گیا تھا۔ ان لوگوں کو جس قدر دولت۔ فنڈ۔ جائداد وغیرہ ملے۔ یا حاصل ہو سکے۔ ان سبھوں کو ضبط کر لیا جرمنی کے مزدوروں۔ غریب اور فاقہ کش کارکنوں نے برسہا برس سے جو رقم مجموعی چندوں سے جمع کر رکھی تھی۔ وہ سب نازیوں کے بھینٹ چڑھ گئی۔ ان کو اچھی طرح لوٹا گیا۔ اور جی بھر کر ستایا گیا۔ یہ لوٹ یہ غارت گری بڑی لرزہ انگیز تھی۔ صرف میل ورکرس یونین کی طاقت ور مجلس کے مد میں ۴۲ لاکھ ملین مارک سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ جو ۲ ملین پونڈ کے برابر ہوتے ہیں۔ ان مزدور یونینوں کی خاک سے ایک جدید تحریک پیدا ہوئی۔ لیبر فرنٹ (مزدورانہ محاذ) نازیوں کی وہ مشترکہ آرگنائزیشن جو مزدوروں اور کارخانہ داروں کے لئے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔

اس لیبر فرنٹ کے قیام کا مقصد تباہ شدہ وغارت کردہ یونینوں کی بجائے تھا۔ اس کا کام ہمیشہ یہ ہے کہ وہ اجرت اور کارخانہ داروں میں مداخلت سے روکتا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں وزیر محنت نے کئی بار مزدوروں کے نام انتباہی احکام جاری کرکے انہیں سمجھا دیا ہے کہ وہ کارخانہ داروں سے کسی امر میں الجھنے کی کوشش نہ کریں اور ان کے امور میں مداخلت سے کام نہ لیں۔

جرمنی مزدوروں کو کبھی پرانے دن اور پرانے ارگنائزیشنوں کی یاد آتی ہوگی۔ اور وہ دونوں کے فرق کا احساس کرتے ہوں گے۔

لیبر فرنٹ کے ماتحت حالت یہ ہوئی ہے کہ کام کے گھنٹوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اجرت میں تخفیف ہوگئی ہے۔ اور اشیا میں ہر چیز کی پیداوار میں سرعت کے ساتھ غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مزدوروں کی اجرتیں بیش بڑھیں۔ تجدید اسلحہ کا مطلب یہ ہے کہ قومی آمدنی کے نصف کو جنگی اغراض ومقاصد پر صرف کردیا جائے۔ اور لڑائی کی تیاریوں کے لئے وقف کردیا جائے اس کا اثر ہر چیز پر پڑنا ضروری ہے۔ لباس۔ غذا وغیرہ وغیرہ سب اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ اور ان باتوں کو حاصل کرنے کا محض ایک ہی ذریعہ تھا۔ اور وہ یہ کہ مزدوروں کی اجرتیں روک رکھی جائیں۔ اور بہت کم ادا کی جائیں۔

دوسری طرف اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں خطرناک طور پر اضافہ ہوگیا ہے۔ ایک جرمن افسر کے قول کے بموجب قبل از جنگ ۸ سال سے زیادہ عمر والوں کے لئے روزانہ دس گھنٹے کام مقرر تھے یہ کم سے کم ہے۔ ورنہ حکام کی اجازت سے اس میں ۱۶ گھنٹے بڑھائے جاسکتے ہیں۔ اور ہر مزدور سے روزانہ ۱۶ گھنٹے کام لئے جاتے ہیں۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عام اس سے کہ ہر کارخانہ جرمن جاسوسوں سے معمور ہو یا نہ ہو۔ لیکن جرمن مزدور نہایت سستی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اخبارات نے لکھنا شروع دیا تھا۔ کہ مزدوری میں سستی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے کارخانہ داروں۔ اور حکام نے فیصلہ کیا کہ حالات کے آگے جھک جانا چاہئے۔ اور جنگ کے بعد بعض وہ پابندیاں بھی اٹھالی گئیں۔ جو ان لوگوں نے مزدوروں پر قبل از جنگ عاید کر دی تھیں۔ ۲۶ ر نومبر ۱۹۳۹ء کو ہر اتوار کو چھٹیاں اور تمام تعطیلات مزدوروں کو عطا کر دی گئیں۔ اور اس کے بعد فوراً ہی وزیر محنت نے اعلان کر دیا کہ چھٹیاں بھی مزدوروں کو دی جائیں گی دسمبر کے آخر میں اوقات مقررہ سے زیادہ کام لئے جانے کی پابندی اٹھالی گئی۔ اور ڈاکٹر لی۔ لیبر فرنٹ کے لیڈر نے ایک جلسۂ عام میں تقریر کے دوران میں اعلان کیا کہ:۔

"مزدور مرد اور عورتو۔ یہ سب کچھ اسلئے نہیں کیا گیا ہے کہ لیڈرشپ تمہارے مطالبات کے آگے پسپا ہونے پر مجبور ہوگئی ہے"

اور یہ جملے جرمن سوشلسٹ کے بلند بانگ دعاوی کا بہت اچھا مطلب ادا کر رہے ہیں۔ اور لیبر فرنٹ کے لیڈروں کے مزدوروں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے اس پر مذکورہ بالا قولوں سے بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ نیشنل سوشلسٹوں نے جو بڑے بڑے بلند دعاوی کئے ہیں کہ مزدوروں اور کارخانہ داروں کے مابین شرمناک طبقاتی مدارج اب موجود نہیں ہیں۔ اور مزدور و آقا ایک سطح پر لا کر کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مزدوروں کی یہاں جو حالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔



MISS SHEELA

THE TALENTED ARTIST OF

MINERVA MOVITONE

HAS ACTED MARVELLOUSLY WELL IN

"BHAROSA"

جرمنی کی موت اور زندگی کا سوال

از:- میکس ڈبلو بول

اس مضمون کا مصنف امریکہ کے ماہران پٹرولیم کی ایسوسی ایشن کا پریسیڈنٹ تھا۔ اور ہر قسم کے تیل کے کنوؤں کے پتہ چلانے والوں کا چیرمین تھا۔ اس کے باوجود یہ دنیا کے ہر بڑے تیل کے چشموں پر ممالک متحدہ امریکہ کی طرف سے بھیجا جا چکا ہے دنیا کا ہر وہ ملک جہاں تیل نکلتا ہے نہ صرف اس کو جانتا ہے بلکہ ماہر فن ہونے کی حیثیت سے اس کو عزت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مضمون کی اہمیت اور صحت کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ امر حق جس کو فی الحال موجودہ جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

طیاروں، ٹینکوں اور دیگر جنگی مشینوں کو مصروف رکھنے کے لئے جرمنی میں تیل کی سخت قلت محسوس کی جا رہی ہے۔ تیل کے معمولی ذخیرے کے علاوہ اس وقت جرمنی کے پاس زیادہ سے زیادہ کل ضروریات کا ۱/۲ حصہ تیل موجود ہے۔ اگر جرمنی بہت جلد اس کمی کو پورا نہ کر سکا، تو اس کی بری، بحری اور ہوائی فوج کی کارروائی بعینہٖ اس طرح رک جائیگی جس طرح پٹرول ختم ہو جانے پر ایک موٹر چلتی چلتی ٹھہر جاتی ہے۔ جدید قسم کی جنگوں میں فتح کا دارومدار تیل ہی پر منحصر ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں پہلی مرتبہ طیاروں، ٹینکوں کا استعمال کیا گیا۔ موجودہ جنگ گذشتہ جنگ عظیم سے تو صرف پچیس سال کے بعد شروع ہوئی مگر اس دوران میں تیل سے چلنے والی جنگی مشینوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم میں فوج کے ایک ڈویژن کو بار برداری کے لئے چار ہزار ہارس پاور کی گاڑیوں کی ضرورت پڑی تھی۔ مگر جدید فوجی ڈویژن کو بار برداری اور توپوں کے حمل و نقل کے لئے تیل سے چلنے والی ایک لاکھ ستاسی ہزار ہارس پاور کی طاقت کی گاڑیوں کی ضرورت ہے۔ کوئلے پانی سے چلنے والے جنگی جہازوں کا استعمال اب ترک ہو چکا ہے۔ بار برداری اور جنگ میں حصہ لینے والے تمام طیاروں کو اب تیل اور پٹرول کی ضرورت ہے۔ طیاروں کو پٹرول کی مدد کے بغیر چلایا ہی نہیں جا سکتا۔ سامان جنگ تیار کرنے کے کارخانوں میں تیل بطور ایندھن صرف ہوتا ہے۔ اور وہ پیداوار جن سے تیل صرف حاصل ہوتا ہے انکو جدید قسم کی مشینوں کے پرزوں کے لئے موٹی قسم کا تیل بنانے کے لئے بھاری مقدار میں خرچ کیا جاتا ہے۔ جدید بحری۔ بری اور ہوائی فوج کو تیل کی بھاری مقدار کی ضرورت پڑتی ہے۔

۱۹۴۰ء کی جنگ کے لئے حکومت جرمنی نے اندازہ لگایا تھا۔ کہ اس جنگ میں جرمنی کی افواج کو کم از کم تیل کے نو کروڑ پیپوں کی ضرورت پڑے گی۔ اور اگر جنگ نے زیادہ شدید صورت اختیار کی تو حکومت جرمنی کو جنگ جاری رکھنے کے لئے تیل کے چودہ کروڑ بیس لاکھ پیپوں کی ضرورت پڑے گی۔ تیل کی یہ مقدار جرمنی کے زمانۂ امن کے تیل کے خرچ سے ڈھائی گنا زیادہ ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ جنگ کے ابتدائی دور ہی میں جرمنی کو تیل کی ضرورت محسوس ہو گی اور بعض ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ جرمنی کو زمانۂ امن کی نسبت زمانۂ جنگ میں دس گنا زیادہ تیل خرچ کرنا پڑے گا۔

۱۹۳۸ء کے دوران میں جرمنی اور جرمنی کے مقبوضہ علاقہ جات میں تیل کی کل پیداوار ایک کروڑ نوے لاکھ پیپے تھی۔ گو جرمنی کو تیل حاصل کرنے کیلئے نئے ذرائع حاصل ہو چکے ہیں مگر ان نئے ذرائع کی پیداوار کو بھی شامل کر کے جرمنی فقط دو کروڑ نوے لاکھ پیپوں سے زیادہ مہیا نہ کر سکے گا اور یہ تمام مقدار جرمنی کی اصلی ضروریات کا صرف ۱/۴ حصہ ہے۔

گذشتہ جنگ کے دوران میں جرمنی نے دیگر رومنی پیداوار سے تیل نکال کر کمی پوری کی۔ مگر گذشتہ جنگ عظیم میں جرمنی نے سالانہ جتنا زیادہ سے زیادہ روغن کشید کیا وہ اس کی موجودہ فوج کے لئے صرف چند دن کے لئے کفالت کر سکتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ روئیدگی پیداوار سے تیل حاصل کرنے کے لئے جرمن پارلیمنٹ سٹیٹسن میں ایک کارخانہ تعمیر کر رہی ہے۔ جہاں ہر سال تین کے پچیس لاکھ پیپے تیار کئے جا سکیں گے۔ مگر اس کارخانے کی بقیہ کا کام دو سال میں ختم ہو گا۔ اور جرمنی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایسے بیس کارخانوں کی ضرورت ہے جرمنی میں ۱۹۳۸ء کے دوران میں جو تیل تیار کیا گیا اس کی مقدار صرف تیرہ لاکھ پیپے تھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جرمنی کے پاس اس وقت کتنا تیل موجود ہے۔ ۹ جنگ کے شروع میں اندازہ لگایا گیا تھا۔ کہ جرمنی کے پاس جتنا زیادہ سے زیادہ تیل موجود ہے۔ وہ اس کمی کو ایک سال تک پورا کر سکے گا۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جرمنی کو ایسے ممالک کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ جہاں سے تیل برآمد ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر رومانیہ ہے۔ رومانیہ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں اپنی ضروریات پوری کر کے سالانہ تیل کے ایک کروڑ اسی لاکھ پیپے باہر بھیجا جا سکتا ہے اگر جرمنی اور رومانیہ کے تعلقات دوستانہ رہے تو شاید جرمنی یہ تیل خرید سکے۔

اگر جرمنی نے رومانیہ سے بزور تیل حاصل کرنے کی کوشش کی اور تیل کے میدانوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو جرمنی اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو سکے گا۔ گذشتہ جنگ میں جرمنی نے تیل حاصل کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کیا تھا۔ اور اسے ناکامیابی کا تلخ تجربہ ہوا کیونکہ اہل رومانیہ نے اپنے تیل کے کارخانوں کو اس بری طرح تباہ کیا تھا کہ یہ کافی عرصے کے لئے ناکارہ ہو گئے تھے۔

اگر جرمنی کو سالانہ نو کروڑ پیپوں کی ضرورت درپیش ہے تو رومانیہ سے تیل خریدنے کے بعد بھی جرمنی کے لئے سالانہ

جتنے تیل کی ضرورت ہے اس میں تیل کے دو کروڑ ستر لاکھ پیپوں کی کمی رہ جائے گی۔ کیونکہ خود جرمنی کی ملکی پیداوار تیل کے دو کروڑ پچاس لاکھ پیپوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اس صورت میں جرمنی کس سے مدد حاصل کرے گا۔؟

کہا جا سکتا ہے کہ روس جو تیل کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا میں دوسرا درجہ رکھتا ہے۔ شاید جرمنی کو تیل کی امداد دے مگر روس ۱۹۳۸ء میں صرف تیل کے چھیاسٹھ لاکھ پیپے ہی دوسرے ممالک کو روانہ کر سکا۔ اور اس میں معتدبہ مقدار ایسے تیل کی تھی، جس کی خود روس کو ضرورت تھی۔ مگر ملکی ضروریات کو نظر انداز کر کے سیاسی مصالح کی بنا پر اتنی مقدار بیرون ملک روانہ کرنی پڑی، اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں روس کو اپنی ضروریات ہی پورا کرنے کے لئے تیل کی پیداوار میں اضافہ کرنا ہوگا۔

اگر تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ روس اچانک طور پر اس قابل بھی ہو جائے اور وہ تیل کی پیداوار کو اس قدر بڑھائے کہ اس سے روس کی ملکی ضروریات بھی پوری ہو جائیں اور پھر بھی اتنا تیل باقی بچ رہے جس سے جرمنی کی ضروریات کی کفالت بھی ہو سکے۔ تب بھی یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ اس قدر تیل جرمنی تک کس طرح پہونچایا جائے گا۔ یہ تیل کے چار کروڑ ستر لاکھ پیپے سالانہ بذریعہ جہاز بھیجنے کا یہ مطلب ہے کہ کم از کم تیل سے لدی ہوئی ایک ہزار گاڑیاں روزانہ روانہ کی جائیں۔ روس کی ریلوں کی حالت اس قدر ردی ہے کہ وہ اس قدر تیل کی باربرداری کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ روس کی ریلوے جرمنی کی ریلوے سے زیادہ چوڑی ہے اس لئے ضروری ہے کہ دونوں ممالک کی سرحد پر یہ تیل روسی ریلوں سے اتار کر جرمنی ریلوں پر لاد دیا جائے چنانچہ نہایت آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام بیس ہزار گاڑیاں دے سکتی ہیں۔ ان گاڑیوں کو لگاتار جرمنی اور روس کے درمیان دوڑتے رہنا ہوگا۔ مگر غور کرنے پر معلوم ہوگا۔ کہ صرف روس سے تیل حاصل کرنے کے لئے اتنی گاڑیوں کی ضرورت ہے۔ اور ان گاڑیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ جو رومانیہ سے حاصل شدہ تیل کے ایک کروڑ اسی لاکھ پیپوں کی باربرداری کے فرائض انجام دیں گی، اور زمانۂ جنگ کا تمام خرچ جو جرمنی اور روس کے درمیان ان ریلوں کی آمد و رفت پر صرف ہوگا۔ اس کے علاوہ ہے۔ ان سب امور کو مدنظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عملی طور پر جرمنی کے لئے روس سے تیل حاصل کرنا سخت دشوار ہے۔

کیا روس اسقدر تیل کی مقدار بحیرۂ اسود اور بالائی ڈینیوب کے راستے روانہ کر سکتا ہے۔؟ یاد رہنا چاہئے کہ روس کے جہاز روس کی ریلوں سے بھی زیادہ کم رفتار ہیں۔

چنانچہ جس طرح جرمنی روسی تیل ریلوں کے ذریعہ لانے سے قاصر ہے۔ اسی طرح روس کا تیل سمندری راستے نہیں بھیجا جا سکتا۔

اس طرح روس کے راستے میں دو رکاوٹیں ہیں۔ جو جرمنی کے لئے تیل مہیا کرنے سے مانع ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی دقت تو یہ ہے کہ روس کے پاس فالتو تیل ہے ہی نہیں اور اگر کچھ تیل ہے بھی تو اس کی باربرداری کے ذرائع نہیں ہیں۔

مشرق قریب کے تیل کے چشمے البتہ فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ مگر عراق، برطانیہ، ترکی، امریکہ وغیرہ کے مفادات کے ماتحت ہے۔ اس حصے میں تیل کے دوسرے ذرائع پر بھی برطانیہ اور امریکہ کا قبضہ ہے۔ اگر یہ تیل حاصل کرنے کا بیڑہ اٹھا لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اثر یہ ہوگا۔ کہ متحدہ حکومتوں کو تیل کی سپلائی نہ کی جا سکے گی، مگر جرمنی اسے کسی صورت میں حاصل نہ کر سکے گا۔

کیونکہ تیل کے کنوؤں کو حملہ آوروں کے ہاتھوں میں جانے سے پہلے ہی تباہ کر دیا جائے گا۔ مشرق بعیدہ میں تیل کے جن ذرائع پر برطانوی قبضہ ہے۔ وہ جرمنی اور روس کے حملوں سے محفوظ ہیں۔ تیل کی پیداوار کے سب سے زیادہ اہم مراکز ممالک متحدہ امریکہ میں واقع ہیں۔ چنانچہ ممالک متحدہ میں ۱۹۳۸ء میں تیل کے ایک ارب اکیاون کروڑ اسی لاکھ پیپے پیدا ہوئے۔ تیل کی یہ مقدار تمام دنیا کی ایک چوتھائی ضروریات کے لئے کفایت کر سکتی ہے۔ اس مقدار کا بیشتر حصہ اس وقت ممالک متحدہ امریکہ ہی میں موجود ہے، ممالک متحدہ امریکہ ہی اس وقت ایک ایسا ملک ہے جو جنگ میں شامل اقوام کو صاف ستھرا تیل مہیا کر سکتا ہے۔ صرف امریکہ ہی ایسا ملک ہے جو طیاروں کے لئے تیل مہیا کر سکتا ہے چنانچہ اس خالص تیل کی مدد سے چلنے والے طیارے معمولی تیل کے ذریعہ چلنے والے طیارے کی نسبت بیس سے تیس فیصدی تک زیادہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ بیس سے تیس فیصدی تک زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کر سکتے ہیں۔ اور پچیس فی صدی زیادہ تیزی کے ساتھ بلندی پر جا سکتے ہیں۔ اپنے مخالفین کی طرح اتحادی بھی تیل کے لئے بیرونی ممالک کے ہی محتاج ہیں۔

۱۹۳۹ء میں اتحادی ممالک نے تیل کے تیرہ کروڑ ساٹھ لاکھ پیپے صرف کئے۔ اتحادی ممالک کی ملکی پیداوار صرف پندرہ لاکھ پیپے تھی۔ مگر اتنا تیل زمانۂ امن کے دوران میں بھی صرف چار دن کفایت کر سکتا ہے۔ اگر جرمنی انگلینڈ کو تیل کی سپلائی جانے سے روک سکے تو انگلینڈ چھ ماہ کے اندر اندر جرمنی کے رحم پر ہوگا۔

۱۹۳۸ء میں اتحادیوں نے اپنی تیل کی ضروریات اس طرح پوری کیں کہ انہوں نے اپنی ضروریات کا اکتیس فی صدی مشرق بعیدہ سے، ۲۵ فی صدی ممالک متحدہ امریکہ اور ۳۷ فیصدی لاطینی امریکہ سے حاصل کیا، چنانچہ اس طرح اتحادیوں نے اپنی تیل کی کل ضروریات کا ۶۲ فیصدی حصہ نصف مغربی کرۂ ارض سے حاصل کیا۔ اگر فرض کیا جائے کہ روس جرمنی کا طرفدار بن کر عراق کے تیل کے ذرائع پر قبضہ کر بھی لے۔ تو صرف ممالک متحدہ امریکہ کے ذرائع اتحادیوں کو جنگ کے زمانے میں تیل کی مناسب مقدار مہیا کر سکتے ہیں۔

اگر جرمنی چاہے کہ اتحادی حکومتیں تیل کی قلت محسوس کریں تو اسے بحیرۂ روم اور راس امید کے راستے عراق کے تیل اور بحیرۂ اوقیانوس کے راستے امریکہ کے تیل کی سپلائی کو اتحادیوں پر بند کرنا ضروری ہوگا۔

تمام حالات پر غور کرنے سے نہایت آسانی سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ یورپ میں نہ تو تیل کی اس قدر پیداوار ہے اور نہ ہی بری طور پر باربرداری کے ذرائع ہی یورپ تیل کی مناسب مقدار جو ایک طویل جدید ترین جنگ کیلئے کفایت کر سکے۔ حاصل کر سکتا ہے۔

کسی حد تک سوائے روس کے، جرمنی یا یورپ کا کوئی دوسرا ملک ایک طویل جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا جب تک وہ سمندر کے راستے آزادانہ طور پر تیل کی سپلائی حاصل نہ کر سکتا ہو۔

اس جنگ میں فاتح ہونے کے لئے جرمنی کے لئے ضروری ہے کہ وہ یا تو بحاطور پر تیل کے ایسے چشمے پیدا کرے جو موجودہ چشموں سے زیادہ تیل مہیا کر سکیں
(۲) یا سمندر کے راستے تیل کی سپلائی حاصل کرے۔
(۳) سمندر کے راستے جو تیل برطانیہ کو جاتا ہے۔ اس کی سپلائی کو روک دے۔
(۴) یا اس جنگ کو جلد از جلد ختم کر دے۔

مگر اب تک جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ جرمن ان میں سے ایک شرط بھی جلد یا بدیر نہیں پوری کر سکتا اور نتیجہ کے طور پر شکست اس کی قسمت میں لکھی ہے۔



SARDAR AKHTAR

Her acting in 'PUKAR' was not just an accident. It was a product of practice, experience and complete understanding with the famous director S. Modi

Sardar Akhtar gives another example of her superb acting in

جنگی تغزل

مصنفہ :- مرزا محمد عالی قدر گورگانوی المتخلص بہ تبسم لکھنوی

لوگ تو کرتے ہیں بندوق سے تلوار سے جنگ　　　ہم تصور میں کیا کرتے ہیں اغیار سے جنگ
دل نے چھیڑی ہے عبث کاکلِ خمدار سے جنگ　　　کیا یہ ممکن ہے؟ کہ مینڈھک بھی کرے مار سے جنگ
پاس اپنے نہ ہے طیارہ نہ طیارہ شکن　　　کرتے رہتے ہیں فقط آہ شرربار سے جنگ
وہ تو ہے ایک مگر چاہنے والے ہیں بہت　　　کس طرح چھیڑیگا عشاق کی یلغار سے جنگ
اے دل، اتنا تو نہ ڈر دیکھ کے تلوار کی شکل　　　تجھ کو کرنا ہے ابھی ابروئے خمدار سے جنگ
ہم سے بدمست سے کیوں کرتا ہے تو تو میں میں؟　　　ساقیا! کرکسی فرزانہ وہشیار سے جنگ
سانپ کے منہ کی چھچھوندر نہیں بننا اچھا　　　دلِ بیتاب نہ کر کاکلِ خمدار سے جنگ
آہ کی توپ جو چھوڑوں تو دھواں دھار کروں　　　کیا میں کرسکتا نہیں شعلۂ رخسار سے جنگ
پل پڑے تان کے لاٹھی مرے سر پر اغیار　　　زاغ بھی کرنے لگے بلبل گلزار سے جنگ
نظر آتی نہیں وہ مائیکروسکوپ سے بھی (MICROSCOPE)　　　کس طرح کوئی کرے پھر کمر یار سے جنگ
"ٹلی لی بھوں" کا ہوا شور بپا دنیا میں　　　تیرے وحشی نے جو کی جامہ و دستار سے جنگ
عمر جھگڑے ہی فسادات میں گذری اپنی　　　تھی کبھی یار سے جنگ اور کبھی اغیار سے جنگ
ابرو جسکی ہے کماں تیر نظر ناک تفنگ　　　کون کرسکتا ہے اسطرح کے خونخوار سے جنگ

قطعہ

وہ پٹن اس پہ پڑے گی کہ مزا آئے گا
کانگرس جان نے ٹھانی ہی جو سرکار سے جنگ
حق مسلمان کا پورا ہی ہڑپ کر بیٹھی
غیر تو غیر تھے، کرنے لگی اب یار سے جنگ

جنگ نمبر یہ نکالا ہے تبسم کیسا؟
حضرت چونچ بھی کرنے لگے منقار سے جنگ

مس کشوري

رنجیت مووییتون کي اسٹار هین
اگر مالکان کمپنی انکو کام
کرنے کا موقع دین تو انکا
مستقبل روشن
هو سکتا هے





Mr. Sohrab Modi

The fame and fortune brought to Sohrab Modi by classical films like "PUKAR" and "BHAROSA" are not accidental.

When S. Modi makes a picture, he sees to every inch of the film himself. His productions are proofs of an organisation geared to fame, fortune and more value for the money of film gores.



Mr. K. Modi

The younger brother of Mr. Sohrab Modi is well known in India for his superb mangement of Western India Theatres Ltd. For his chain of well organised cinema houses throughout India and Burma, he has always booked pictures which receive the biggest rating from the film goers and press. His twenty years experience has tought him "what his patrons want" and he invariabiy knows where to get it.

فلمی غٹرغوں

ہندوستانی فلمی دنیا پر نظرِ عنایت

جنگ نمبر میں دل چاہتا ہے کہ فلمی دنیا سے بھی دو دو چونچیں ہو جائیں تو اچھا ہے۔ چونکہ ہندوستانی فلمی دنیا بھی ایک قسم کی جنگ ہی ہے۔ اب آپ یہ دریافت کریں کہ بھئی جنگ کس طرح ہے ؟ تو سنئے سب سے پہلے تو ننانوے فی صدی پروڈیوسرز جن کو اردو میں مالکان فلم کمپنی کہا جاتا ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنی عقلمندی، ہوشیاری و چالاکی وغیرہ سے جنگ کرتے ہیں اور اس کے بعد سرمایہ دار کو شکست دے کر کامیاب ہوتے ہی کسی نگارخانہ میں ایک راجہ یا نواب کی طرح دائی فلمی دنیا بن کر سینکڑوں سلام لینے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ ٹرام میں اور پیدل گھومنے پھرنے والے موٹروں میں اس طرح اڑے پھرتے ہیں گویا موٹریں انھی کے استعمال کے لئے ایجاد ہوئی تھیں۔ اگر یہ حضرات جاہل ہیں، بدصورت ہیں، ناتجربہ کار ہیں وغیرہ ان تمام باتوں پر بغیر دنگا فساد کئے ہوئے ان کو فتح نصیب ہوتی ہے۔

ان کی بدصورتی ان کے جان پہچان صاحب سلامی ملاقاتی، مطلب بے مطلب لوگوں کے لئے صرف یہ سن کر کہ یہ مالک فلم کمپنی ہیں تو لفظ "مالک" میک اپ کا کام کرتا ہے اور یہ بلاوجہ خوبصورت معلوم ہونے لگتے ہیں۔

ان کی جہالت کا خاتمہ اس لئے ہو جاتا ہے کہ تعلیم یافتہ اور دنیا کے بہت ہی تجربہ کار انسان ان کے آگے اپنی توند، ارے توبہ ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اچھی سے اچھی اور بری سے بری سفارشیں لاتے ہیں۔ کوئی منسٹر کا خط لے کر آتا ہے کوئی کسی دولتمند تاجر کا۔ اور گری ہوئی طبیعت کے لوگ عصمت باختہ ایکٹرسیوں کی سفارش لے کر آتے ہیں بلکہ اس فلمی دنیا میں انھی کی سفارشیں زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ چونکہ گندگی کا کیڑا گندگی میں خوش رہتا ہے۔ ایسے ایمیٹیشن اور چندروزہ پارہ نما پروڈیوسرز فلمی دنیا کو تو بدنام کرتے ہی ہیں، فلم دیکھنے والوں کو بھی سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ چونکہ فلم اپنی صورت شکل کے پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو پیسے کی بربادی ہوتی ہے اور اس کے بعد پورا فلم دیکھ کر جو تماشائیوں کے اخلاق کا سلفہ ہوتا ہے اور بچاروں کے اچھے خیالات برائیوں میں تبدیل ہونے شروع ہوتے ہیں اس کے لئے نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی داد و فریاد ہے

دوسری قسم کے پروڈیوسر

وہ ہیں جن کو اس دنیا کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوتا مگر وہ اپنے پیسے کے زور پر کچھ نہ جاننے پر اپنے دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ ڈائرکٹر اور اسٹوری رائیٹر وغیرہ کا انتخاب خود کرتے ہیں۔ چونکہ بھوکے فاقے مست بالکل ناتجربہ کار ڈائرکٹر اور جاہل پچاس سو روپیہ میں کہانی معہ مکالموں کے فروخت کرنے والے کوڑیوں کے بھاؤ اس لئے مل جاتے ہیں کہ ان کو سال سال بھر مارے مارے پھرنے کے بعد ایک عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پورا شیشے کو ہیرا سمجھنے والا ملتا ہے۔ ناتجربہ کار ڈائرکٹر اور جاہل منشی جی دونوں اپنے دل میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ ایک فلم تولد ہوتے ہی ہمارا نام روشن ہو جائے گا اور ہر طرف سے ہماری آؤ بھگت شروع ہو جائے گی ہر شرط کو منظور کرنے کے بعد فلم بندی کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اپنے ملاقاتی اور خوشامد کرنے والے ایسے دوست احباب جو ان کی مصیبت کے وقت کبھی شراب وغیرہ سے خاطر تواضع کر دیا کرتے تھے یا وقت بے وقت کچھ ان کو قرض دیدیا کرتے تھے ان کی لمبی چوڑی تعریفیں کر کے ہیرو اور سائڈ کیرکٹر کے لئے ملازم رکھا دیتے ہیں ہیروئن اور سائڈ کیرکٹر کرنے والی عورتوں کا انتخاب تو بہت ہی آسان ہوتا ہے جس عورت نے پیارے اور مائی ڈیر کہہ کر ڈائرکٹر صاحب کا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا اس کو ملازمت بھی مل جاتی ہے اور وہ نگارخانہ میں ہٹلر کی جورو تسلیم کی جانے لگتی ہے اگر پروڈیوسر صاحب کا چال چلن ڈائرکٹر جیسا ہوا یا ان کے مذاق کے مطابق بائی جی نکل آئیں تو مزے آ جاتے ہیں۔ ڈائرکٹر بھی خوش کہ میری معشوقہ صاحبہ کو پروپرائیٹر بھی اچھا اور بچہ سمجھتے ہیں۔ چونکہ ڈائرکٹر کو اس کا یقین ہوتا ہے کہ وہ سوائے ان کے کسی دوسرے کو اچھی اور محبت کی نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتی اور بائی جی ذرا سا اشارہ پاتے ہی مالک صاحب کے سر پر بھی ہاتھ دھر دیتی ہیں۔ چونکہ وہ تو ازلی گناہ کی عادی ہوتی ہے اور جہاں دونوں قبضے میں آئے اور بائی صاحبہ نے اپنے دل میں یہ سمجھا کہ میں جرمنی میں ہوں اور اب ایک مٹھی میں ہٹلر اور دوسری مٹھی میں مسولینی ہے۔ اب کیا ہے فتح ہی فتح ہے۔ اور لطف یہ ہوتا ہے کہ بائی جی جس وقت مالک صاحب سے تنہائی میں ملتی ہیں۔ تو اپنی سفارش یا اپنے متعلق ڈائرکٹر کو حکم کراتی ہیں کہ یوں سے یوں ہو۔ مالک اپنے کمرے میں بلا کر جس وقت ڈائرکٹر کو ہدایت کرتا ہے کہ فلاں آرٹسٹ کو یہ پارٹ دو اس کے کلوزپ زیادہ لو اس کے ڈریس اچھے ہوں۔ اس کی پبلسٹی وغیرہ بہت عمدہ ہو تو ڈائرکٹر یہ گفتگو سن کر اپنے دل میں بہت خوش ہوتا ہے کہ میری من مانگی مراد پوری ہوئی اور جب ڈائرکٹر کو تنہائی کا موقعہ ملتا ہے تو وہ اپنی شان بڑھانے اور اپنی معشوقہ کو خوش کرنے کے خیال سے یہ فرماتے ہیں تمہاری سفارش کرتے کرتے تھک گیا خدا کی قسم تمہارے لئے مجھے یہاں تک کہنا پڑا کہ فلاں پارٹ جو سب سے اچھا ہے اگر ان کو نہیں دیا گیا یا ان کی بہترین ڈریس نہیں بنی یا ان کی پبلسٹی اچھی نہیں ہوئی تو میں ملازمت چھوڑ دوں گا۔ اور ڈارلنگ تم میرا کچھ

خیال نہیں کرتی ہو۔ تم کو مالک اپنی بچی سمجھتے ہیں، تم سے بہت خوش ہیں، ہنس کر اور عزت سے بات کرتے ہیں اور تم میرے لئے کچھ نہیں کرتی ہو۔ تم کو میری تعریف کرنی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ میری تنخواہ بڑھ جائے اور کچھ روپے مجھے اڈوانس یعنی پیشگی مل جائیں۔

بائی جی کو اس قسم کی گفتگو سن کر دل میں ہنسی آتی ہے اور اپنی عقلمندی پر خوش ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ بھئی سبحان اللہ کیا عقلمند گدھوں سے پالا پڑا ہے۔ مگر کبھی وہ ڈائرکٹر پر یہ ظاہر نہیں کرتی کہ ڈائرکٹر کی گفتگو میں اصلیت کیا ہے بلکہ چالاک بائی جی یا جن ایکٹریسوں کی مائیں ساتھ ہوتی ہیں وہ ایکٹریس تو فوراً ڈائرکٹر سے کہتی ہیں کہ آپ نے پہلے سے نہیں کہا۔ کل ہی مالک صاحب میرے ہاں آئے تھے۔ میں نے آپ کی تعریف تو کی تھی۔ تنخواہ یا پیشگی آپ کو روپے چاہئے ہیں اس کے متعلق تو مجھے معلوم نہیں تھا خیر موقعہ ملنے دیجئے ایسا کہوں گی کہ آپ کا کام ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے میری بات ٹالی تو قسم ہے اسی وقت آپ کی خاطر نوکری چھوڑ دوں گی۔ کیا اسی کمپنی میں ہمارا رزق لکھا ہوا ہے ایسی فلم کمپنیوں میں آرٹ کے ساتھ ظلم کیا جاتا ہے۔ فلمی دنیا اور اچھے فلم پیش کرنے والے پروڈیوسروں کو شدید نقصان پہنچتا ہے واقعات پوشیدہ رہتے نہیں گھر کے بھیدی اخبارات و رسائل تک ان خبروں کو پہنچا دیتے ہیں افسانے اور سچے واقعات یا پردہ پردہ میں تمام باتیں قلمبند ہو کر شائقین سینما تک بلکہ گھر گھر پہنچتی ہیں۔ اور اس صنعت کو عوام میں برا سمجھا جاتا ہے۔ اچھے اور تعلیم یافتہ لوگ اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر شخص کی زبان پر یہ ہوتا ہے کہ فلمی دنیا

گندی دنیا ہے

اور انھی وجوہات کی وجہ سے اس صنعت میں شرفا کی تعداد اتنی کم ہے کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں

تیسری قسم کے پروڈیوسر

وہ ہیں جو واقعی آرٹ کی خدمت کرنی چاہتے ہیں تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ صاحب حیثیت بھی ہوتے ہیں وہ پروڈیوسر جن کا آپ اوپر تذکرہ پڑھ چکے ہیں ایسے پروڈیوسروں سے ان کی زندگی بھی الگ ہوتی ہے بلکہ ان سے ملنا جلنا بھی بہت ہی کم ہوتا ہے۔ یہ آرٹسٹوں کی عزت بھی کرتے ہیں۔ اسٹوری وغیرہ کا انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ مکمل پروڈیوسر کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان بچاروں کو سب سے پہلے تو بوگس یعنی وہی جاہل عاشق مزاج پروڈیوسر تھرڈ کلاس اخلاق سوز اور مہمل فلم بنانے والے جو اس صنعت کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کی غلطیوں اور لغویت کا کچھ اثر ان کی کمپنی اور فلموں پر بھی ضرور پڑتا ہے چونکہ روپے میں چار آنے فلم دیکھنے والے برے فلم دیکھنے کے بعد اچھی فلموں کو دیکھنا بھی اپنا وقت برباد کرنا سمجھتے ہیں۔ اس لئے اچھے پروڈیوسروں کو اپنے فلم کی پبلسٹی بہت ہی شان و شوکت سے کرنی پڑتی ہے بلکہ اتنی زبردست پبلسٹی کرنی پڑتی ہے کہ آمد و خرچ برابر ہو جاتا ہے اتفاق سے ایسے پروڈیوسروں کی کوئی پکچر کمزور یا کسی وجہ سے مکمل طریقہ سے کامیاب نہیں ہوتی تو کمپنی کو بہت ہی زبردست دھکا لگتا ہے اور ان کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کامیاب پروڈیوسروں کو کئی باتوں سے نقصان ہوتا ہے اس کو اگر ہم لکھیں تو ایک دفتر کی ضرورت ہے مگر مختصر طریقے سے لکھنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ چونکہ ان کی خامیوں کو لکھنے کے لئے آزاد فونٹن پن کی ضرورت ہے اور ایسے آزاد فونٹن پن ملنے ذرا مشکل ہیں چونکہ وہ فونٹن پن بھی آرٹسٹوں کی طرح ایک قسم کے ملازم ہی ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی امیدیں لگی ہوئی ہوتی ہیں اور فائدہ کی صورتیں قطعی نکلتی ہیں اس لئے ان کی خامیوں کو ظاہر کرنا اپنا بہت بڑا نقصان سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ دوستی نہیں بلکہ جان بوجھ کر اپنے عنایت فرما پروڈیوسر کے ساتھ پردے کے اندر غداری ہے۔ ایسے کامیاب پروڈیوسروں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے مروت سے اور جی حضوری کہنے والے ملازموں سے —— جی حضوری اور مالک کے مزاج کو خوب اچھی طرح سمجھنے کے بعد —— جی ہاں حضور —— اور ان کی ہر بات پر یہ کہنا کہ —— بجا فرمایا سرکار نے —— سبحان اللہ کیا خیال ہے —— اجی حضور بس اس انڈسٹری میں اگر کوئی سمجھدار ہے تو آپ —— اردو ہندی کے عالم فاضل پنڈت ہیں آپ —— جس آرٹسٹ کو آپ نے ملازم رکھا ہے قسم اپنی جان کی اس پرکھ کی کوئی داد دینے والا نہیں —— نئے فلم میں سرکار ہیروئن کون ہیں؟ —— ہیروئن کا پورا نام سننے سے پہلے یا بغیر اس کو جانے بوجھے یہ کہنا، اس کیرکٹر کے لئے بالکل فٹ ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ جی حضوری صاحب کو اسٹوری سے بھی کچھ واقفیت نہیں ہے

ایسے زہریلے کمپنی کو نقصان پہونچانے والے لوگ آرٹ کی خدمت کرنے والی کمپنیوں میں ضرور پائے جاتے ہیں اور نیک دل پروڈیوسر ان کی بچو بچو والی باتیں سن کر یا ان کے کہنے پر چلنے کی وجہ سے سخت ترین نقصان اٹھاتے ہیں ایسے لوگوں سے تمام مالکان فلم کمپنی کو بچنے کی ضرورت ہے۔

ہٹلر کے چچا کلکتہ میں

وہ ہٹلر جو دنیا کو لنکا سمجھ کر اپنے کو راون بنائے ہوئے ہے اور اپنی شرارتوں کی وجہ سے دمدار ستارے کی طرح مشہور ہو رہا ہے، جانتے ہیں آپ، پہلے وہ کیا تھا؟

آرٹسٹ یعنی مصوّر

اور ایسا مصور کہ جرمنی میں اپنا جواب آپ تھا۔ اس فنِ مصوّری میں ہمارے خیال سے ——

ہٹلر کے چچا

انسانیت و اخلاق کا مجمہ شرافت کی تصویر کلکتہ میں بھی موجود ہیں، جن کا نام :-

"مسٹر تراب" ہے !!

جنہوں نے چونچ کے جنگ نمبر میں اپنے فن کا نمونہ پیش کیا ہے اور اس قدر محنت کی ہے کہ دل چاہتا ہے گورنمنٹ آف انڈیا سے کوشش کر کے ان کو خطاب دلوا دیا جائے

ویری گڈ مسٹر تراب

ان کا فون نمبر:- کلکتہ ۹۵۲ ہے اور پتہ :- ۳۵ بنٹنک اسٹریٹ، کلکتہ



SHUBHKARAN KHEMANI Esq

The Prominent Businessman of Calcutta Photographed with their Excellencies, Lady Mary Herbert and the Governor of Bengal at the Opening of a Stage show in Calcutta for the War Fund

فل بائل انڈے

ایک بیوقوف فوج میں بھرتی ہو گیا کچھ مدت کے بعد اسس کو لڑائی میں جانا پڑا۔ جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو یہ بہادر ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگ اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لئے خوب مزے سے لڑائی دیکھنے لگا۔ ایک ساتھی نے اس کو کہا۔ یار! بہادر بنو۔ کچھ کرکے دکھاؤ بیوقوف بولا۔ بھائی میں تو مجبور ہوں۔ ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگ ہے اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ تیسرا ہاتھ کہاں سے لاؤں جس سے لڑائی کروں۔

سپاہی:۔ (ندی میں کودنے والے سے) تم کیا کر رہے ہو؟

آدمی:۔ خودکشی۔

سپاہی:۔ تو پھر سر پر ہوا کا ٹیوب کیوں باندھے ہو!

آدمی ۔ تاکہ ڈوب نہ جاؤں۔

افسر (سپاہی سے) تم کیا کر رہے ہو۔

سپاہی:۔ بندوق کی نالی کاٹ رہا ہوں۔

افسر:۔ (گھبرا کر) کیوں۔

سپاہی:۔ تاکہ گولی جلدی سے باہر نکل آئے۔

فوجی ۔ (اپنی بیوی سے) پیاری مجھکو امید ہے کہ بہت جلد کامیاب واپس ہو کر تمہارا دیدار کروں گا۔

بیوی مگر تم تلوار تو یہیں چھوڑے جا رہے ہو۔

فوجی ۔ اسی وجہ سے تو بہت جلد واپسی ہوگی۔

لڑکا۔ ابا ہٹلر کی کیا تعریف ہے

باپ۔ ایک ظالم جو بغیر کسی وجہ کے ہر شخص پر حملہ کر بیٹھے۔

لڑکا ۔ بس بس میں سمجھ گیا۔

باپ ۔ کیا۔

لڑکا ۔ آپ امی کی بالکل ٹھیک تعریف کر رہے ہیں۔

شاگرد:۔ ماسٹر صاحب یورپ کیسا ملک ہے

ماسٹر:۔ وہ ملک جہاں خون کی ندیاں بہتی ہیں۔

شاگرد:۔ تب ہی وہاں کی اکثر دواؤں کا رنگ بھی سرخ ہوتا ہے۔

سپاہی:۔ (کپتان سے) حضور اس کی حرکتیں بہت ناشائستہ ہیں میں اس کو دوبارہ طمانچہ رسید کرنا چاہتا ہوں۔

کپتان ۔ کیا تم نے پہلے بھی ایسی حرکت کی تھی۔

سپاہی ۔ جی ہاں کل بھی میں نے ایسا ہی محسوس کیا تھا۔

انسپکٹر:۔ (امیدوار سے) تمہاری ٹانگیں بہت پتلی ہیں اس لئے فوج کے قابل نہیں ہو۔

امیدوار ۔ حضور قطعاً خاطر جمع رکھیں میں بھاگنے کے وقت سب سے آگے رہوں گا۔

یورپین استاد:۔ کیا تم لوگ بتا سکتے ہو کہ۔ مہذب ملک کی کیا پہچان ہے۔

ایک شاگرد:۔ جی ہاں۔

استاد:۔ کیا۔

شاگرد:۔ امیر غریبوں کو لوٹتے ہیں کمزور ممالک پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے شہری آبادی پر بمباری کیجاتی ہے۔

اُستاد ۔ مثلاً

شاگرد:۔ یورپ

استاد:۔ بتلاؤ وہ کون جملہ ہے جس کو لڑکے عموماً بولتے ہیں۔

شاگرد:۔ مجھکو نہیں معلوم۔

اُستاد:۔ شاباش تم بہت سمجھدار لڑکے ہو۔

فوجی افسر نے بھرتی ہونے والے سپاہیوں سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم سب ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھو۔ اور مجھے باپ کی طرح سمجھا کرو۔"

ایک:۔ "بہت اچھا ابا جان میرے واسطے مٹھائی منگوا دیجئے۔"

نیا بحری سپاہ:۔ اب زمین کتنی دور ہے؟

کپتان صرف ڈیڑھ میل۔

کدھر کو؟

کپتان:۔ سمندر کی تہ کی طرف

ایک نو آموز کاتب کو کسی نے قرآن شریف لکھنے کو دیا اثنائے کتابت میں جا بجا اسے شیطان کے نام ملے بیچارے کاتب نے محسوس کیا کہ قرآن جیسی محترم کتاب میں جو خاص خدا کا کلام ہے شیطان کا نام آنا مناسب نہیں اس لئے اُس نے ہر جگہ شیطان کو کاٹ کاٹ کر کہیں اپنا نام اور کہیں اپنے کسی دوست کا۔

دو کاہل الوجود ایک گولر کے درخت کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ شام کو اُدھر سے ایک سوار گزرنے لگا جو کوئی فوجی آدمی تھا۔ کاہلوں میں سے ایک نے کہا۔ میاں سوار میں رات سے بھوکا ہوں ذرا مہربانی کرکے یہ گولر اٹھا کے میرے منہ میں رکھ دینا سوار کو غصہ آگیا۔ اس نے اتر کر دو کوڑے رسید کئے۔ دوسرا کاہل جو الگ پڑا ہوا تھا۔ اس نے چلا کر کہا بھئی! دو کوڑے میری طرف سے بھی۔ کیونکہ دن بھر میرے منہ پر مکھیاں بھنکتی رہیں لیکن اس کمبخت نے اُٹھ کر ذرا ہانکا تک نہیں۔

باپ نے اپنے دونوں بچوں کو بلا کر پوچھا "رات میرے کمرے کی کرسی کسی نے توڑی ہے؟"

ایک بچہ نے جواب دیا "آپ کی کرسی خود بخود گر پڑی۔ لیکن ہم دونوں میں کسی کے چوٹ نہیں لگی۔



ANIS KHATOON

The graceful Anis does not only act her parts but lives in them. With an excellent cast and masterful directing of V. Shantaram she has superceeded all her previous hits. It is a real treat to see her

IN PRABHAT'S

[illegible]



SETH CHANDULAL SHAH
Proprietor :
Ranjit Movinton—Bombay.



SETH RAMNIK LALL
One of the Proprietors of
Mohan pictures and
Ramniklal Co.—Bombay



DR. RAHMAN
A well known dentist of Calcutta
and proprietor of
THE CALCUTTA DENTAL HALL
181, Dharamtalla St., Calcutta
(Est. 1916)



Mr. GOHAR SHADANI
A well Known Urdu Journalist and Dramatist of India. His many drama's are excepted by the All India Radio and for the Gramophone recordings,



Miss MAINKA

HEROINE OF SHAHEEDE NAZ

A MASTERPIECE DRAMA OF
LATE AGA HASHER KASHMIRI

الیکٹرک کمپنی کو روپیہ دیتی ہے، میونسپلٹی اور لوکل بورڈ کو اسے رقمیں دینا ہوتی ہیں، اور ان سب کے علاوہ سالانہ صرف اشتہار کے لئے اخبارات کو ۴۵ لاکھ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

انھیں اسباب کے سبب، سینما کی صنعت تمام صنعتوں میں ساتویں درجہ پر خیال کی جاتی ہے اور اسے اہم ترین صنعتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ایک ایسی صنعت کو جو ملک کے چپہ چپہ میں پھیلی ہے اور جس کا عوام پر اس قدر زبردست اثر و اقتدار ہے، قومی تعمیرات کی اسکیم میں بڑی اہم جگہ ملنی چاہئے۔

میں جنگ سے ماقبل حالات کا ذکر کر رہا ہوں جرمنی میں فلمی صنعت پر گورنمنٹ کا قبضہ تھا اور گورنمنٹ سے اس کو امداد مل رہی تھی۔ فلم، پروپگنڈا کا ایک ہمہ گیر آلہ تھا، عام تعلیم کا ایک موثر ذریعہ تھا۔ اطالیہ میں بھی اس صنعت پر حکومت ہی کا اجارہ تھا اور اس کے ذریعہ ایک نئی اطالوی قوم کی تعمیر ہو رہی تھی سوئٹ رشیا کے لئے تو پھر قومی زندگی لازمی تھی۔ سوئٹ رشیا میں میں تین ادارے قومی عمارت کی تعمیر کے لئے لازم تسلیم کئے جاتے ہیں، ایک تو یہی فلم اور دوسرے اخبارات و رسائل اور ریڈیو، فرانسیسی حکومت ہر سال ایک معتدبہ رقم خرچ کر کے روز افزوں تعداد میں تعلیمی فلم تیار کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ حکومت برطانیہ بھی (QUOTA ACT) کے ذریعہ قومی فلمی صنعت کے لئے ترقی و توسیع کی صورتیں پیدا کر چکی تھی، اس کے علاوہ دو اور قانون اسی غرض کے لئے عمل میں آئے تھے ایک (TARIF BARRIER) اور دوسرا قانون سینما ٹوگراف ۱۹۲۷ء غرضکہ تمام دنیا اپنی فلمی صنعت کی حفاظت اسکی توسیع اور اس کے ذریعہ قوموں کو تعلیم دینے کی کوشش میں معروف تھی مگر ہندوستان پر جمود طاری تھا اس راہ میں اس کا ایک قدم بھی اب تک نہیں اٹھ سکا ہے۔ گذشتہ ۲۶ سال سے معتدبہ رقم کو اس ذریعہ دستیاب ہوتی ہے اور گورنمنٹ چپ چاپ اسے جیب میں داخل کرتی جا رہی ہے۔

مارچ ۱۹۳۳ء میں دہلی میں لیجسلیٹو اسمبلی میں فلمی صنعت پر بحث و تمحیص ہوئی، آنرایبل سر فرانک نوائس رکن صنعت و تجارت سرکار عالیہ ہند نے ایوان کو اطمینان دلایا کہ گورنمنٹ ہند فلمی صنعت کو ایک مستقل شے تسلیم کرکے اس کے ساتھ بہت کچھ سلوک کرنے والی ہے، سات سال گزر گئے۔ سر نوائس کے قول کا ترجمہ عمل کی صورت میں نہ ہو سکا، معلوم ہوتا ہے گورنمنٹ بھول گئی کہ اس قسم کا اعلان بھی اس کی جانب سے ہوا تھا۔

اس کے مقابلہ میں گورنمنٹ ہند نے جب ریڈیو کی صنعت اپنے ہاتھ میں لی (۱۹۳۲ء) تو چالیس لاکھ کی رقم ابتدائی لاگت کے لئے علحدہ رکھ دی گئی۔ ہمارے پاس جو اعداد و شمار موجود ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند نے محاصل درآمد کے ذریعہ آٹھ سال کے اندر ۷۷ لاکھ ۸۳ ہزار ۲ سو چھ ٹکے حاصل کئے اس رقم سے اس مدت میں سالانہ اعادہ کرنے والے اخراجات پر ۶۴ لاکھ ۳۶ ہزار ۸ سو ۴۴ روپیہ کی رقم صرف کی گئی۔

ریڈیو کے مداخل کے مقابل میں اگر تمام ان آمدنی کا مقابلہ کیا جائے جو فلم کے محصول برآمد سے حاصل ہوتی ہے تو اس آٹھ سال کے اندر ۹۲ لاکھ ۹۰ ہزار ۳ سو ۹۰ روپیہ کی رقم بھاتی ہے یعنی ۱۵ لاکھ ۷ ہزار ایک سو ۴۸ روپیہ زیادہ ہوتے۔

ان اعداد و شمار کو دیکھ کر آپ حیرت کرنے لگیں گے کہ گورنمنٹ ہند کا طرز عمل اس انداز کا کیوں ہو رہا ہے۔ تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اسکی ذمہ دار خود پبلک ہے جس کے منہ میں زبان نہیں ہے۔ مسٹر کے۔ ایم منشی بمبئی کے سابق وزیر نے خود اپنی زبان سے کہا ہے کہ اس ملک میں فلمی صنعت کو جیسی ہمت افزائی کی ضرورت تھی وہ نہیں ہو رہی ہے۔ جس طرح مغربی ممالک میں ہو رہا ہے۔ اگر حکومت ہند بھی فلم صنعت کی حمایت اور اعانت کرے تو فلم، ہندوستانی قومی تعمیر میں بہت اہم حصہ لے سکتا ہے۔ ابھی ابھی۔ جرمن ہندوستان کے اشیائے خام کے امکانات کا مصور ریکارڈ تیار کرنے کے لئے مقامی ماہرین فن فلم سازی سے مدد لینا چاہتا ہے، ہمارے درمیان ایک فلمی مشاورتی بورڈ بھی ہے جو فلم کے ذریعہ جنگی پروپگنڈہ کے عنوان پر سرکار ہند کو مشورہ دیا کرتا ہے اس کا مقصد مناسب جنگی فلم کی ساخت تقسیم اور تشہیر میں معاون ہے۔ یہ دو ذرائع آل انڈیا حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے بہت بڑی حد تک فلم سازی کی توسیع اور ترقی ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں سرکاری کام ہیں اور گورنمنٹ کے آڑے وقت کی ضرورتیں اس پر بھی صنعت فلم سازی کو مدد دینے کے نام میں گورنمنٹ کی زبان بالکل بند ہے۔



سب سے بڑی چیز ——— خدا کا نام
سب سے اچھا ناصح ——— اپنا ضمیر
سب سے لذیذ کھانا ——— تندرستی
سب سے تلخ چیز ——— مفلسی
سب سے بھاری مصیبت ——— قرضہ
سب سے بڑا خزانہ ——— قناعت
سب سے اچھا راگ ——— خاموشی
سب سے حرام غذا ——— غصہ
سب سے اچھی دوا ——— امید
سب سے بڑی دولت ——— علم
سب سے بڑا جادو ——— گانا
سب سے بڑا جنون ——— خود پرستی
سب سے بڑا دشمن ——— خوشامد
سب سے بڑا کمینہ ——— احسان جتانے والا
سب سے زیادہ خوفناک چیز ——— طوائف
سب سے اچھی چیز ——— شرافت
سب سے بڑا طبیب ——— پرہیز
سب سے بڑا خوش نصیب ——— ایماندار
سب سے بڑا دولتمند ——— مخیر
سب سے بڑی عبادت ——— خیرات

(چونچ الہند)



رائے بہادر چنی لال
انسانیت و اخلاق کا مجسمہ
بمبئی ٹاکیز کے منیجنگ ایجنسی
کے مکمل ذمہ دار

مسٹر عنایت دهلوی ایڈیٹر چونچ کے
ساتھ مسٹر کمال امروهی جنکو
پکار فلم کا مصنف ہونے کا
فخر حاصل ھے





مسٹر مزمل
سابق ایڈی سی مہاراجہ الور
پرامؤنٹ فلم کمپنی
کے انتظار فلم
کے ہیرو



مسٹر اے - آر - کاردار
ہندوستان کی فلمی دنیا کے
مشہور اور کامیاب ڈائریکٹر

پردہ فلم پر آسمان سے زیادہ ستارے ہیں

مسٹر ایم کے گھوش پبلسٹی افسر منسا فلم ڈسٹری بیوٹرز

[illegible] ستاروں سے [illegible] جو اب اسی طرح [illegible] فلم بھی ستاروں سے جگمگا رہا ہے۔ کیا آسمان پر [illegible] کی ضرورت ہے؟ ہاں ضرورت ہے [illegible] کی طرح ہم نے "ستارہ" [illegible] فلمی لقب میں [illegible] مگر ایسا [illegible] کچھ بھی [illegible] حاصل کی [illegible] کہ ہم "ستارہ فلم" کے ذیل میں شمار کرتے ہیں گویا ایک طرح ہمارے فلم ستاروں پر [illegible] ستاروں کا بار پڑ گیا ہے کہ ان سے اٹھ نہیں سکتا جس کی وجہ سے فلمیں بھی اکثر ناکام ہو جاتی ہیں

معمولی اداکاروں کے ساتھ جب ویسا ہی سلوک ہوتا ہے جو ستاروں کے ساتھ ہوتا ہے تو ستارے فی الواقع نظرانداز کر دیے جاتے ہیں تمام کیرکٹروں کے ساتھ یکساں توجہ کرنے سے ہمارے فلمستا[illegible] [illegible] کمزور بنا دیتے ہیں کہ اگر فلمی قصہ جس میں صرف دو یا تین [illegible] ہوں اور چند دیگر کیرکٹر ان کی امداد کے لئے ہیں تو اس کا [illegible] ناظرین پر پڑ سکے گا کیونکہ اس وقت ان اداکاروں کو اپنی ساری قوت اداکاری کے اظہار کا موقعہ مل سکے گا درحقیقت میں زور اور اثر پیدا ہوگا اگر کوئی نہایت ہی عظیم الشان قسم کا فلم تیار کرنا ہو تو اس وقت چھوٹے بڑے ہر قسم کے اداکاروں کے اجتماع کی ضرورت ہوتی ہے تو بھی اس وقت ناظرین کی دلچسپی کیرکٹروں سے کم ہو جاتی ہے۔ بہتر سے بہتر اداکار خواہ وہ کتنا ہی ہر دلعزیز کیوں نہ ہو ناظرین کے لئے جاذب توجہ نہیں ہوتا۔

صرف یہی نہیں کہ معمولی اداکاران "ستارے" کے درجہ میں گھسے چلے آ رہے ہیں بلکہ ایک اور وجہ ہے جس نے پردہ فلم کو آسمان سے بھی زیادہ ستاروں سے بھر دیا ہے "فلمی ستارے" زوال پذیر نہیں ہوتے اور نئی نئی شکلیں آہستہ آہستہ داخل ہوتی جا رہی ہیں۔ اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ یا تو نالائقوں کو "ستارے" کی مملکت سے نکال کر کسی نیچے درجہ کی دنیا میں بود و باش کرنے پر مجبور کیا جائے یا وہ "ستارے" جن کی میعاد معینہ پوری ہو چکی ہے وہ اپنے سے بہتر ستاروں کے لئے نشستیں خالی کر دیں۔

ہندوستانی اسٹوڈیو میں فی الحال یہ طریقہ رائج ہے کہ انھی اداکاروں کا اجتماع تقریباً ہر فلم میں نظر آتا ہے؟ اور اس متواتر تکرار کا بہت برا اثر ناظرین پر پڑتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ "ستارے" کے درجہ والے اداکار اور معمولی اداکاروں میں کوئی خط فاصل کھینچ دی جائے تاکہ فلمی ستاروں کو اپنی فنی خوبیوں کے اظہار کا بہترین موقعہ ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہالی وڈ کی طرح اداکاروں کی علحدگی کا طریقہ رائج کیا جائے اس طریقہ سے مختلف اسٹوڈیوں میں اداکاروں کا باہم تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔



Mr E EHSAN, B A
Son of Khan Bahadur Md Sulaiman

His Personality is like a pocket battle ship
He is Quick and up to the point like a machine gun
His ideas are as effective as a well aimed bomb

He is

MR MOGANI

PARAKASH

The well known figure in the Indian Motion Picture Industry



MR MOGANI



SETH JAGAT NARAIN

SETH JAGAT NARAIN
Prop Jagat Pictures and Jagat Talkies Distributors

Sethji has contributed a lot towards the betterment of the Indian Film Industry



DIRECTOR VIJAY BHATT
CREATOR OF
NARSI BHAGAT

Proprietors of

PRABHAT FILM CO.

POONA

V. G. [illegible] Esq., Partner and Director, Prabhat Film Co.

Baburao K. Pai, Esq., Partner, Prabhat Film Co. Incharge [illegible] Famous Pictures.

V. Shantaram, Esq., Partner and Director, Prabhat Film Co.

مالکان

پرابهات فلم کمپنی

پونه

S. Fatehlal, Esq., Partner and Director Prabhat Film Co.

Kulkaoni, Esq., Partner, Prabhat Film Co.

قلمی چہرہ حضرت آغا حشر کاشمیری

یہ وہ قلمی چہرہ ہے جسے حشر مرحوم نے اپنی زندگی میں پڑھنے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ یار چونچ قلمی چہرہ میں نے لکھا ہی بانٹتے ہو؟ — اور دو سو روپے ڈاکٹر کی فیس کیطرح ہماری جیب میں رکھ دیئے تھے جو ہمارے لئے دو کروڑ روپے تھے (چونچ)

قد لمبے، اور مختصر انسانوں پر نالش کرتے ہوئے ایک طرفہ ڈگری لئے ہوئے۔ رنگ کسی زمانے میں روپہلی تھا، اس کے بعد سنہری ہوا فی الحال اٹھارہ کیرٹ گولڈ ہے آنکھیں بڑی برٹش پالیسی لئے ہوئے جو تقریر کرتے وقت قدرتی سرچ لائٹ کا لطف دیتی ہیں۔ دماغ علم و ادب کی کان شاعری الہام مذہبی معلومات، دل مسجد میں، جگر گرجے میں، پھیپھڑا مندر میں مطالعہ سائنس سے زیادہ۔ مذہبی بحث و مباحثہ میں مسلمانوں کی ڈھال بھی ہیں اور تلوار بھی ایک زمانہ میں آپ کی زندگی کا مقصد تبلیغ اسلام تھا اس وقت جو کچھ کیا مسلمانوں سے زیادہ عیسائیوں اور آریوں کے سینوں پر نقش ہیں۔ مسلمانوں کی قدر ناشناسی اور زبانی واہ واہ نے دنیا کا ناٹک دیکھنے کے لئے مجبور کیا۔ یہاں اندر سبھا کا دور دورہ تھا پریاں تھیں ۱۹ برس کی عمر میں "مار آستین" ڈرامہ نے گلفام بنا دیا [illegible] ایسا لگا کہ اس کی تمام [illegible] کی صورت میں دریا بن کر بہہ نکلیں [illegible] وسیع دنیا میں پہنچنے کے بعد قد کا اور [illegible] کی حالت میں دنیا کو مٹھی میں لیا۔

اسٹیج ڈراموں کی آوارگی کی وجہ سے [illegible] آنسو رو رہا تھا اس کو "مرید شک" اور "سفید خون" [illegible] اور نیک بنایا "اسیر حرص" اور "خوبصورت بلا" نے زبان درست کی "شہید ناز" "سید ہوس" "خواب ہستی" نے ہندوستانی اسٹیج کو شریف انسانوں میں شمار کرایا "جرم وفا" "یہودی کی لڑکی" "شیر کی گرج" "ترکی حور" "رستم سہراب" کے زمانے تک اسٹیج لٹریچر اور شاعری سے مالا مال ہو چکا تھا۔

اردو علم و ادب کا بادشاہ ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہندی کو پست حالت میں دیکھ کر کہتا ہے کہ "سور داس" ہے۔ اس کو [illegible] اس کے بعد "مدھر مرلی" "بھگیرت گنگا" نے سوئی ہوئی ہندی کی آنکھیں کھول دیں "ہندوستان" نے ہندی کا ڈنکا بجوا دیا۔ زبان ہندی کے دلدادہ سرمایہ داروں نے "پہلا پیار" لیا "آنکھ کا نشہ" دیکھا۔ اس کے بعد "بھیشم" "سیتا بن باس" "بھارت رمنی" "غریب کی دنیا" نے حضرت حشر کو ہندی اور اردو کے درمیان اکبر بنا دیا۔ اس کے بعد "سماج کا شکار" بہت ہی کامیاب ہوا۔ آخر میں "دل کی پیاس" نے ہندی کی پیاس بجھائی۔

آغا محمد شاہ اصلی نام ہے اسی وجہ سے محمد شاہ رنگیلے کی بہت سی حرکتیں آپ میں موجود ہیں شراب اتنی پی کہ شراب نے بنا دی [illegible] چار برس سے شراب کے مقابلہ میں ذائقہ دار اور نمکیوں کی [illegible] رہتے ہیں حسن کا معیار بہت ہی عجیب ہے [illegible] بدصورت اور ادھیڑ عمر کی عورتوں کو لفظوں سے خوبصورت ثابت کرنا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے نیم تعلیم یافتہ یا مکمل تعلیم یافتہ اگر آپ سے نیاز حاصل کرنا چاہیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ وہ [illegible] لائبریری میں ہیں ——— کسی زمانہ میں مسلمان عاشق تھے فی الحال ہندو حضرات عاشق ہیں اور مسلمان عشق کرتے کرتے ایسا تھک گئے ہیں کہ دم لے رہے ہیں۔

(عنایت دہلوی، چونچ الہند)



GOLAM MOHAMMAD

مسٹر غلام محمد

جنھوں نے اسٹیج فلم کمپنی کے پاک دامن عرف شہید ناز

میں بہترین پارٹ ادا کیا ہے

IN PAKDAMAN PRODUCER STAGE FILM CO.



شکسپیرِ ہند،
حضرت آغا حشرؔ کاشمیری

رستم و سہراب

عشق و فرض

فخر ہندوستان شکسپیر ہند حضرت آغا حشر کاشمیری کا ادبی شاہکار

(یہ ڈرامہ ابھی تک اسٹیج پر نہیں آیا)

تعارف

سہراب توران کا نامور دلیر رستم کا فرزند

ہومان / بارمان } سہراب کی تورانی فوج کے سردار

گستہم قلعۂ سفید کا مقتدر رئیس

ہجیر قلعۂ سفید کی فوج کا جنگ آزمودہ محافظ

بہرام قلعۂ سفید کی فوج کا رکن خود غرض۔ وطن فروش

گرد آفرید سرحد ایران و قلعۂ سفید کے حاکم کژدھم کی پری چہرہ شیر دل، وطن پرست لڑکی

پہلا سین

وقت شب

قلعہ میں جلسۂ مشورت

(تورانی لشکر کے روز افزوں فاتحانہ اقدام اور اپنی پیہم ہزیمت یابیوں سے شکستہ خاطر ہوکر اکابر حکومتِ ایران و عمائدین فوج مسئلہ صلح پر مصروف بحث ہیں)

بہرام۔ سہراب، زوال کا نقیب، تخریب کا علمبردار فنا کا پیامی، موت کی سانس کا شعلہ ہے ہمارا قلعۂ سفید ویرانہ عبرت، ہمارے نگارستان عیش مقتل آرزو، ہمارے محلات و باغات گھوڑوں کے طویلے بن جائیں، ہماری مالی آسودگی، معاشرتی شیرازہ، ملکی نظام، قومی وقار، جنگی ذخیرے، سربرآوردہ افراد اور بہترین سپاہیوں کی قیمتی زندگیاں برباد ہوں۔ ان المناک نتائج کے سوا اس لشکر کشی اور صف آرائی کا اور کوئی حاصل نہیں۔ سہراب کی تلوار کی جھنکار کو ہمیں اپنی شومیٔ قسمت کی طرف سے اعلان جنگ تصور کرنا چاہئے۔

گستہم۔ لیکن ہم نتیجے کے ظہور سے پہلے ہی کیوں یقین کرلیں کہ تقدیر ہمارے خلاف اس جنگ کا فیصلہ کرچکی ہے۔ جب تک ہمارے پاس قلعۂ سفید کی بلند و مستحکم دیواریں ہیں حوصلوں میں توانائی ہے، آزادی کی محبت ہے۔ سرفروشی کا جذبہ ہے۔ جوشِ فدائیت کی فراوانی ہے اس وقت تک ایک کم عمر نوخیز قوت کے سامنے تلواریں پھینک کر ایران و توران کی نظر میں اپنے دعوائے شجاعت کو ذلیل نہ کرنا چاہئے

سردار ۱۔ بے شک حوصلوں کی پستی ذلت کی طرف مرد کا پہلا قدم ہے۔ مجھے ابھی تک رادلی کی پسپائی کا کوئی معقول سبب نظر نہیں آتا دنیا امید کی جلوہ گاہ ہے۔ مایوسی کا ظلمت کدہ نہیں۔ احساس کا نام زندگی اور جوشِ عمل کا نام کامیابی ہے

سردار ۲۔ آپ کی رائے مرض کی صحیح تشخیص ہے۔ دشمن کے حملے کا خوف حملے سے زیادہ ہیبت ناک ہوتا ہے۔ یہ صرف ہمارا واہمہ ہے جو ہمارے سامنے شکست یافتہ مستقبل کی اشک بار تصویر پیش کررہا ہے۔

بہرام۔ امید، آپ لوگوں کی توقعات کو فریب دے رہی ہے۔ ہوا میں گرہ دینے کی ناکام و بے نتیجہ کوشش نہ کیجئے۔ اپنی طاقت کا غلط اندازہ کرنا یہ آپ کی پہلی غلطی اور سہراب کو طفل شیر خوار یا معمولی نبرد آزما سمجھنا دوسری غلطی ہے۔ یہ ملک کی بہبودی کے لئے بہتر

مشورہ دے کر اپنی ذمہ داری اور
قومی فرض سے سبکدوش ہو چکا۔ ہر
شخص اپنی رائے کا مالک ہے۔ لیکن
خاموش ہونے سے پیشتر ایک بار پھر
متنبہ کرتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے ہی
ہاتھوں سے اپنے لئے امن و آشتی
کا دروازہ بند کر رہے ہیں۔ وقت
کی آنکھیں بدل چکی ہیں۔ سہراب کے
قوائے حربی اور فتوحات جلیلہ کو ہیچ سمجھ
کر اس سے برسرجنگ ہونا جنگ نہیں
خودکشی ہے۔

گستہم۔ مجھے اپنی رائے کے بے خطا ہونے پر
اصرار نہیں۔ قیاس کی پیشینگوئی صحیح
بھی ہوتی ہے اور غلط بھی میں نے جلسۂ
مشورت کے سامنے اپنا ذاتی خیال
پیش کر دیا "اب آپ لوگ متفق ہو کر
خود فیصلہ کریں کہ پیش نظر مشکلات
میں کیا کرنا چاہیئے۔ جنگ یا صلح؟

سردار ۳۔ جب لشکر بے حوصلہ، اسباب مدافعت
کمزور، حالات ناموافق۔ تدبیر خلاف
امید فتح موہوم اور قوی بازو دشمن کے
حملے کامیاب ہیں تو ایسے برگشتہ وقت
میں ضرورت صلح کا احساس نہ کرنا
اپنی آسایش حیات اور ذرائع نجات
سے دست بردار ہونا ہے۔ میری
رائے صلح کے حق میں ہے۔

سردار ۴۔ سہراب کا حملہ ایک اتفاقی آندھی ہے
جو تھوڑی دیر مطمئن فضا میں اضطراب
پیدا کر کے اپنی طاقت کی نمائش کے
لئے دوسری طرف روانہ ہو جائے گی۔
اس لئے ابلہانہ جوش سے مشتعل ہو کر
ہنگامی آفت کو دائمی مصیبت نہ بنانا
چاہیئے۔ ورنہ زندگی کی غلطیوں میں یہ سب سے زیادہ
ہولناک غلطی ہوگی۔

گستہم۔ (بہرام سے) جب کثرت رائے جنگ
کی مخالف ہے تو آپ ہماری جانب
سے صلح کے قاصد بن کر جایئے۔
سہراب سے کہئے کہ دوستی کی نسیم بہار
سے دشمنی کا موسم خزاں ختم ہوا۔ ہم
جان و مال کی سلامتی کے وعدے
پر اپنا قلعہ حوالے کرنے کو تیار ہیں۔

بہرام۔ وقت کی بھی پکار تھی۔ ضرورت اور
مصلحت کا بھی مطالبہ تھا۔ ملک کی
بنیادیں آنے والے زلزلے کی دہشت
سے کانپ رہی تھیں آپ نے اس
فیصلے سے بند باندھ کر خون و تباہی
کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے
روک دیا۔ بربادی کے ہاتھ سے
حربے چھین لئے۔ بدبختی کی امیدیں
توڑ دیں۔ میں آپ کی دانائی و مآل
اندیشی کو مبارکباد دیتا ہوں میری
زبان سے سہراب کا شکریہ آمیز
جواب سننے کے لئے تیار رہئے۔

(غصہ و جوش کے ساتھ گرد آفرید کا داخلہ)

گرد آفرید۔ ٹھہرو۔ کہاں جاتے ہو؟

بہرام۔ صلح کرنے!

گرد آفرید۔ کس سے؟

بہرام۔ سہراب سے!

گرد آفرید۔ سہراب سے! ایران کے بدترین
بدخواہ سے!! قوم کی آزادی کے
غاصب سے!!! جبر و استبداد کے
نمایندے سے؟ طاقتور سے
کمزور کا۔ پتھر سے شیشے کا۔ آندھی
سے تنکے کا کبھی اتحاد نہیں ہوتا۔ صلح
برابر والوں میں ہوتی اور طاقت
کا ثبوت دینے کے بعد ہوتی ہے۔
یہ غیر مساوی صلح پست ہمتی کا اظہار
بیکسی ہے۔ ذلت کی پرستش کا معاہدہ
ہے۔ ملک فروشی کی دستاویز ہے
تمہاری عزت کی پیشانی پر دائمی غلامی
کی مہر اور تمہاری مادر وطن کے پرجلال
چہرے پر شرم کی سیاہی کا داغ ہے

مردود ہے وہ کوشش، ملعون ہے وہ خامہ
آزادئ وطن کا لکھے جو بیع نامہ
عزت سمجھ رہے ہو غیروں کی بندگی میں
مرجاؤ گر ہے جینا ذلت کی گندگی میں

بہرام۔ گرد آفرید، حریف کی طاقت اور ملک
کی کمزوری کا صحیح اندازہ کرنے کے
بعد رائے ظاہر کرو۔ غلط جوش
عقل کی گمراہی ہے۔ جس سہراب نے
اس قلعۂ سفید کے محافظ ہجیر جیسے طاقت
کے پہاڑ کو گھوڑے سمیت اٹھا کر
مٹی کے ڈھیلے کی طرح زمین پر پھینک
دیا۔ اس محبوب تقدیر و خداوند شمشیر
کو ہم یاس شکستہ تدبیروں اور مجنونانہ
تقریروں سے فتح نہیں کر سکتے۔

گرد آفرید۔ فتح، جرأت و عزیمت سے ملا کرتی ہے
سوچنے رونے اور بیوہ عورت کی
طرح ہائے ہائے کرنے سے نہیں
ملتی۔ صلح بے عزتی کے غلاموں کی
مالکہ اور ہمت کے آقاؤں کی کنیز ہے
بزدل قسمت سے فتح کی بھیک مانگتے
اور جری قسمت کے منہ پر تھپڑ مار
کر فتح کو اپنی ملک اور حق سمجھ کر
زبردستی حاصل کرتے ہیں ؎

جرأت ہے جس کے پاس وہی فتحمند ہے
جھک جائے گا جہان جو ہمت بلند ہے
اٹھو، بڑھو، دکھاؤ کہ طاقت ہے پاؤں میں
ملتی ہے فتح مرد کو خنجر کی چھاؤں میں

بہرام۔ لیکن جب صلح کر لینے سے ہمارا قلعہ
وجاہت، ثروت، زندگی، ہر شئے
شامت و ہلاکت سے محفوظ رہتی ہے
تو فولاد پیکر سہراب سے پنجہ کشی کر کے
بھی دنیا میں اپنی حماقت کا اعلان
کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

گرد آفرید۔ شرم کر، شرم کر۔ خود غرضی کے بازار
میں دولت و راحت کے مصنوعی سکوں
پر قوم کا اقتدار و حرمت فروخت
کر دینے کو تو شرافت کا سودا جانتا
ہے۔ پالتو کتے کی طرح گلے میں
سہراب کی اطاعت کا پٹہ ڈال کر اس
کے پاؤں چاٹنے کو عزت کی زندگی
سمجھتا ہے ؎

تیری زبان ہے خامہ نمک حرامی کا
سبق پڑھاتا ہے اوروں کو بھی غلامی کا

بہرام۔ خبردار گرد آفرید، تو کسی معمولی شخص
سے ہمکلام نہیں۔ میری شخصیت اور

حیثیت کا ادب کر۔ جا گھر میں جا۔ سلطنت کے انتظام میں عورت کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔

گردآفرید ۔ شرافت باختہ۔ بے حیا۔ تو مجھے عورت کہتا ہے۔ آ۔ عمل کے آئینے میں ہم دونوں اپنے چہرے دیکھیں۔ اس وقت تیری حقیقت تیرے سامنے بے نقاب ہو جائے گی۔ تیری نگاہیں شرم کے بوجھ سے دب کر زمین میں دفن ہو جائیں گی اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ گردآفرید عورت نہیں، بہرام عورت ہے، کیونکہ میں عورت ہو کر بھی دنیا کے شریف ترین مرد کی طرح ملک اور قوم کے دشمن کا سر اپنے پیروں سے روندنا چاہتی ہوں اور تو مرد ہو کر ایک آبرو فروش عورت کی طرح اپنی پلکوں سے سہراب کے پاؤں کی گرد صاف کرکے اسکی پاپوش کو اپنے سر کا تاج بنانا چاہتا ہے۔

بہرام ۔ ذلیل ——— زبان دراز (بہرام گردآفرید پر تلوار سے حملہ کرتا ہے گردآفرید اسکی کلائی مروڑ کے تلوار چھین لیتی ہے۔)

گردآفرید ۔ کتا، شیر پر حملہ نہیں کر سکتا۔ وطن کے دشمن ——— جا (لات مار کر) سہراب کے کفش برداروں کی فہرست میں نام لکھا کر اپنی عزت افزائی پر فخر کر۔ تیری قسمت میں نہ شریفوں کی زندگی ہے نہ بہادروں کی موت۔

بہرام ۔ گردآفرید، میں اس توہین کا خوفناک بدلہ لوں گا۔ تجھ سے بھی، اور جو یہ نظارہ دیکھ کر اپنی مجرمانہ خاموشی سے تیری تائید کر رہے ہیں ان سے بھی (غصے میں سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا چلا جاتا ہے)

گردآفرید ۔ ایران کے دلیرو۔ یہ دوست نما منافق جس کے پاس مردانہ روح، شرم، ایمان کچھ نہیں ہے۔ ذاتی مفاد کی نگہداشت جس کی سرشت۔ مطلب پرستی جس کی زندگی کا معیار و معراج۔ اور دغابازی جس کا ضمیر ہے۔ اپنی گویائی کی حرارت سے تمہارے دل میں ہمت کے لہراتے ہوئے چشموں کو خشک کرکے تمہیں بھی اپنی طرح مردود خلائق بنانا چاہتا تھا۔ خدا نے تمہیں اس نگون ساری و خواری سے بچا لیا۔ بہادرو، سہراب اس دنیا میں دنیا سے کوئی علٰحدہ چیز نہیں ہے۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح مٹی اور پانی سے بنا ہوا انسان ہے۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح اپنی زندگی کی مسرت اور موت کے وقت سے بے خبر ہے اس لئے تنکے کو پہاڑ اور پہاڑ کو آسمان سمجھ کر اپنی طاقتوں کو حقیر نہ سمجھو، اٹھو، اٹھو، مست ہاتھی کی طرح جھومو، آندھی کی طرح چلا کر بادل کی طرح گرج کر۔ پُر عنیف بجلی کی طرح کڑک کر۔ تلواریں کھینچ کر۔ حفاظت وطن کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ جہاں بزدلی ہے وہیں شکست ہے۔ اور جہاں جرأت ہے وہیں فتح ہے۔

گستہم ۔ خوف خیال کا خواب ہے۔ تم نے ہمیں اس خواب سے بیدار کر دیا۔

سب ۔ زندہ باد گردآفرید

گردآفرید ۔ زندہ باد ایران

(سب جوش میں تلواریں کھینچ کر بوسہ دیتے ہیں)

دوسرا سین

میدان جنگ کا ایک حصہ

(ہومان بارمان اور قلعۂ سفید کے محافظ ہجیر کے ساتھ سہراب کا داخلہ۔ ہجیر کے دونوں ہاتھ کمند سے بندھے ہوئے ہیں)

سہراب ۔ تم قلعۂ سفید کے محافظ ہو؟

ہجیر ۔ ہاں!

سہراب ۔ تمہارا نام؟

ہجیر ۔ ہجیر۔

سہراب ۔ قلعہ کے حاکم کا نام

ہجیر ۔ کژدہم

سہراب ۔ اگر قید کی زندگی کو جس کے سر پر موت کی تلوار لٹک رہی ہے آزاد زندگی میں بدلنا چاہتے ہو تو تنبیہ آمیز خط لکھ کر انجام سے غافل کژدہم کو آگاہ کر دو کہ خوفناک مستقبل تباہی اور بربادی کے جلوس میں قلعہ کے پھاٹک کے سامنے پہونچ گیا ہے۔ اس لئے رحم و معافی حاصل کرنے کے لئے میرے حضور میں آکر، نذرانۂ اطاعت پیش کرے۔

ہجیر ۔ قویٰ کے ساتھ میری قوت حافظہ بھی ضعیف ہو گئی ہے اس لئے عمر کے آخر دنوں میں غداری کا سبق یاد نہیں کر سکتا۔

سہراب ۔ یعنی؟

ہجیر ۔ تم نے میدان جنگ میں شکست دے کر میرے جسم کو قید کر لیا ہے میری روح تمہاری قید و بند میں نہیں ہے میرا ضمیر اور میرا جذبۂ وطن پرستی آزاد ہے اور ہمیشہ آزاد رہے گا۔ خلش اور خطرہ سمجھ کر انتہائی عقوبتوں کے ساتھ ختم کر دو یا فتح کی یادگار سمجھ کر زندہ رکھو۔ لیکن میں لالچ سے مغلوب اور تکلیفوں سے دہشت زدہ ہو کر اپنے ملک کی غلامی کے کاغذ پر کبھی دستخط نہ کروں گا۔

سہراب ۔ عقل کی شرکت میں اپنی غلط کارارائے پر نظر ثانی کر۔ موت کے جبڑے میں ملک کو نہ جھونک۔ میری اطاعت ہی میں تیرے اہل وطن کی زندگی ہے۔

ہجیر ۔ زمین پر رینگتے ہوئے حقیر کیڑوں کی طرح صرف حرکت کرنے اور سانس لینے کا نام زندگی نہیں ہے آزادی اور اختیار سے محروم ہو کر پامال گھانس کے مانند جینا انسانیت کی موت ہے۔ میری تمنا ہے اور دعا ہے کہ میرے اہل وطن جئیں۔ لیکن غلام بن کر نہیں، آقا بن کر کتے کی طرح نہیں، شیر کی طرح۔

سہراب ۔ کژدہم کو خط لکھ کر تسلیم شکست کا مشورہ دینا تیری طرف سے اس وقت ملک کی سب سے بڑی خدمت تھی۔ تیرے انکار نے ثابت کر دیا کہ تو سخت بیوقوف ہے

ہجیر ۔ ملک کے نمک حراموں کو ۔ ملک کے دشمن بھی احترام کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ میں بیوقوف کہلانا پسند کرتا ہوں ۔ لیکن اپنے بے داغ و معزز نام کے ساتھ دغاباز اور قوم فروش کے خطاب کا اضافہ نہیں چاہتا۔

سہراب ۔ اچھا، تو اب میرے غضب کی ہولناکیوں کو بے رحمی کا الزام نہیں دے سکتا (ہومان و بارمان سے) خون ریزی و تباہ کاری کے مقید درندوں کو زنجیریں کھول کر، قلعۂ سفید پر حملہ آور ہونے کے لئے آزاد کر دو۔ اور غم کی سیاہ رات میں برباد شدہ وطن کے تودۂ خاک پر الو کی طرح ماتم کرنے کے لئے اس بدبخت کو قید میں رکھو۔ لے جاؤ یہی ناشکرگزاری کی کم از کم سزا ہے

(ہومان و بارمان ہجیر کو لیجاتے ہیں)

یہ یقین کے فریب خوردہ یہ نیم مجنوں ایرانی امید کی زمین میں ہنسی بو رہے ہیں۔ لیکن انھیں بہت جلد آنسوؤں کی فصل کاٹنی ہوگی ۔

مرے قدموں کو بوسہ دیگی جھک جھک کر جبیں تیری
بساطِ عجز بن جائے گی سجدوں سے زمیں تیری
اٹھا سکتا نہیں سر تیغ جوہر دار کے آگے
سن او ایران ! جھک جا اب مری تلوار کے آگے

(مردانہ لباس میں انتہائی جوش و غضب کے ساتھ گردآفرید کا داخلہ)

گردآفرید ۔ ایران کی تاریخ اشرف انسانیت، و فتوحاتِ شرافت کا صحیفۂ زریں ہے فروتنی اور پامالی کا افسانۂ ذلت نہیں ہے۔ ایران اپنی علمی اخلاقی تمدنی اور جنگی قوتوں کے سامنے دنیا کا سر جھکانے کے لئے پیدا ہوا ہے جھکنے کے لئے پیدا نہیں ہوا ؎

ایران کے قدموں میں ہے جیحون سے تا گنگ
اس خاک سے پیدا ہوئے طیمورث و ہوشنگ
ہر ذرہ ہے خورشید کا ہم پایہ و ہمرنگ
ہر قطرہ ہے طوفان قضا پوش دمِ جنگ
ہر فرد یہاں کوہ فگن زور شکن ہے
یہ شیروں کا گہوارہ شجاعت کا وطن ہے

سہراب ۔ تیرے پاس پر شکوہ استعاروں اور فصیح و بلیغ لفظوں کا وافر سرمایہ معلوم ہوتا ہے لیکن تو اپنی گویائی کے اسراف سے ایرانیوں کے دو صلیوں کی بے مائگی اور عزم و ہمت کے افلاس پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ قسمت کے افق پر صبح زوال کی پہلی کرن دکھائی دے رہی ہے پھر بھی احمق ایران ابھی تک زندگی کو شب راحت سمجھ کر دیرینہ عظمت کا خواب دیکھ رہا ہے ۔

گردآفرید ۔ آفتاب کے عظمت و جلال کا انکار اپنے بے بصر ہونے کا اقرار ہے ۔ غرور کے مرض سے تیری بینائی مفلوج ہو گئی ہے ۔ اسلئے تیری نظر پلکوں کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی

سہراب ۔ جنگ کا میدان، شاعروں کی بزم خیال، منطقیوں کی مجلس، فلسفہ کا مدرسہ نہیں ہے یہاں کی شاعریت کا نام زخم، منطق کا نام تلوار اور فلسفہ کا نام طاقت ہے۔ اچھا ظاہر کر تو کون ہے، تیری موت کے بعد قلعۂ سفید میں کس نام سے تیرا ماتم کیا جائے گا ۔

گرآفرید ؎

دشمن نخوت حریف شعلہ سامانی ہوں میں
بس مرا نام و نشان یہ ہے کہ ایرانی ہوں میں
سیل خوں میں موج آہن کی روانی دیکھ لے
آج تو بھی بُرِش تیغ کیانی دیکھ لے

(حملہ ۔ خوفناک طویل جنگ ۔ گردآفرید کی شکست ۔ گھوڑے سے زمین پر گرتے وقت خود علٰحدہ ہو جانے سے گردآفرید کے بال کھلکر بکھر جاتے ہیں اور مرد کے لباس میں ایک حسین دوشیزہ کو دیکھ کر سہراب حیرت زدہ ہو جاتا ہے،

سہراب ۔ رعنائی نسائیت کی جمیل ترین تصویر مردانہ مرقع میں ! حسن کی دنیا کا ماہ کامل زرہ بکتر کے بادل میں !! موسم بہار کے تبسم کی رنگینی جنگی نقاب میں !!! ؎

چمک رہا ہے نگار قدرت کا تاج زر خاک کی جبیں پر
کہ شاخ انجم سے گر گیا ہے کوئی گل روشنی زمیں پر
طلوع نور سحر کا عالم ہے جلوۂ جسم نازنیں پر
نثار ہے حسن شام جنت بہار گیسوئے عنبریں پر
حسین آنکھوں میں سحر ناطق نظر میں انداز دلبری کے
بلوری گردن پہ روئے روشن چراغ ہے ہاتھ میں پری کے

گردآفرید ۔ اقبال مند سہراب ! وہ ایران کی بہادر لڑکی جس کے بازوؤں میں طاقت کا طوفان، جس کی تلواریں بجلیوں کا سیلاب، جس کے حملے میں کوہ آتش فشاں کا ہنگامہ پوشیدہ تھا جو حریف کو کتاب زندگی کا مہمل لفظ اور فتح کو اپنے گرز کی ضرب کی صدائے بازگشت سمجھتی تھی۔ آج اس کے اعتقاد کی دنیا ناکامی کے زلزلے سے تباہ ہوگئی۔ اس کے یقین کا فلک بوس قلعہ بنیادوں سے اکھڑ کر عاجزی کی زمین پر سرنگوں ہوگیا۔ مجھے امان دو ۔ میں انکسار در ندگی کے ساتھ اپنی شکست کا اعتراف کرتی ہوں ۔

سہراب ۔ بہادر نازنین : زندگی کی سلطنت میں عورت حاکموں کی حاکم اور فاتحوں کی فاتح ہے ۔ جو خون کا ایک قطرہ گرائے بغیر اپنی رنگین مسکراہٹ سے ایک لمحہ میں آدھی دنیا کو قتل کر سکتی ہے ۔ جو شرم آلود نگاہوں کے اشارے سے چشم زدن میں بادشاہوں کا تاج اور دلیروں کی تلوار چھین سکتی ہے ۔ اسے تیر و شمشیر لے کر میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے حسن کے مقابلہ میں ہمیشہ مرد کے غرور کو شکست ہوئی ہے اٹھو یہ میری فتح نہیں تمہاری فتح ہے

گردآفرید (دل میں) کس قدر شریف ! جتنا چہرہ خوبصورت ۔ اتنا ہی دل خوبصورت

(چونک کر)

ارے !! میں کدھر بہکی جا رہی ہوں ؟

سہراب فتحیاب حسینہ ! پنکھڑیوں کا دروازہ کھول کر باہر نکل آنے والی خوشبو کی طرح تم اپنی اصلی شکل میں عیاں ہو گئیں تو اب تمہیں اپنا نام و نشان بھی ظاہر کر دینا چاہئے ۔ یہ میرا حکم نہیں ۔ بارگاہ حسن میں مؤدبانہ درخواست ہے ۔

گردآفرید ۔ میرے نام میں کوئی ایسی شیرینی اور موسیقی نہیں ہے جس سے سماعت لذت اندوز ہو سکے ۔ میں قلعۂ سفید کے حاکم کثر دہم کی بیٹی "گردآفرید" ہوں۔

سہراب اور ۔ اور جانتی ہو میں کون ہوں ؟

گردآفرید ۔ جس گردآفرید کی ہیبت سے بہادروں کی

رگوں کا سرخ خون زرد ہو جاتا تھا تم اسے
شکست دینے والے سہراب ہو۔

سہراب۔ تمہاری نظر تمہیں مغالطہ دے رہی ہے۔
آفتاب کی تجلی میں شمع کی روشنی کی طرح میری
قدیم ہستی تمہارے حسن کے جلال میں گم
ہو گئی۔ اس چہرے کی پرستش کے لئے
اب میں نے نیا نام نیا جسم نئی زندگی اختیار
کی ہے ؎

مجروحِ شوق جورکش روزگار ہوں
زخمی جگر کا شور وفا کی پکار ہوں
دل کو نشہ ہے عشق کا آنکھوں کو دید کا
سہراب اب غلام ہے گرد آفرید کا

گرد آفرید۔ (دل میں) اس کی باتیں فردوسی نغمے
کیوں معلوم ہوتی ہیں! کیا میری روح میں کوئی
تبدیلی ہو رہی ہے؟

سہراب۔ پیاری آفرید! عرض تمنا کے جواب میں
تمہاری ایک مختصر "ہاں" عشق کی عقیدتمندی کا
بہترین انعام ہے۔ میرے دل کو تحفۂ محبت
سمجھ کر قبول کرو۔

گرد آفرید (خود سے ایک لامعلوم جذبہ انتقام
کے شعلوں کو سرد کئے دے رہا ہے مگر نہیں
عظمتِ وطن کے قاتل کا جرم، میں کبھی معاف
نہیں کر سکتی۔) سہراب سے
سہراب تمہاری تلوار نے گرد آفرید کو
فتح کیا تھا لیکن تمہارے شریفانہ سلوک نے
غیر مغلوب نفرت کو شکست دیکر گرد آفرید
کی روح کے ہر گوشے اور دل کے ہر ذرے کو
فتح کر لیا۔ تم ابتک دشمن تھے لیکن اب میری
جان کے مالک اور میرے ملک کے مہمان ہو
میں تمام ملک کی طرف سے تمہیں اور تمہاری
بہادر فوج کو قلعۂ سفید میں تشریف آوری کی
دعوت دیتی ہوں۔ اجازت دو کہ قلعہ میں جاکر
تمہارے شاہانہ خیر مقدم کی تیاریوں سے
جذبات کی فضا میں محبت کی بہشت تعمیر کروں۔

سہراب۔ اب میں تمہاری مرضی کی مخالفت نہیں
کر سکتا۔ تمہارا حکم میری زندگی کا واجب الاطاعت
قانون ہے۔ کیونکہ تم حسن کی سلطنت کی ملکہ ہو
اور میں اس سلطنت کی وفادار رعیت ہوں۔

گرد آفرید۔ تم۔ تم۔ میرے دل کی دنیا کے

بادشاہ (دونوں جاتے ہیں)

باب دوسرا

(سین تیسرا قلعہ سفید کا دروازہ)

(ہومان بارمان اور سرداران فوج معہ لشکر
کے موجود ہیں)

ہومان۔ دنیا کے حربوں میں سب سے زیادہ خوفناک
حربہ عورت کا حسن ہے۔

یارمان۔ اور حسن ہی کا دوسرا نام عورت کی فتح ہے

ہومان۔ اور یہاں بھی حسن و عشق کا معرکۂ کارزار
شروع ہو گیا ہے۔



بارمان۔ پہلی جنگ میں گرد آفرید کو شکست
ہوئی تھی اس جنگ میں سہراب کی شکست
ہوگی۔

(ازخود رفتہ حالت میں سہراب کا داخلہ)

سہراب۔ محبت۔ محبت تو زندگی کی حلاوت ہے۔
دل کی جنت ہے روح کا نشہ ہے۔ دنیا کا
حسن ہے۔ عروس آفرینش کا سنگار
ہے۔ دوشیزۂ فطرت کی رنگینی شباب کی
فردوس آفرینی ہے۔ ؎

زندہ ہے تجھ سے کیف طرب کائنات میں
تو نغمۂ ازل ہے ربابِ حیات میں
آسودگی روح نشاط نظر نہیں
دنیا میں کچھ نہیں ہے محبت اگر نہیں

ہومان۔ اے ضیغم توران اے تورانیوں کے
مرکز امید آپ معبد عشق میں حسن نسوانی کے
بت رعنا کے روبرو اظہار عبودیت کے لئے
ایران نہیں آئے ہیں اپنا عہد و ارادہ
یاد کیجئے میدان مبارزت میں محبت کی
فتحیابی تورانیوں کی فتح نہیں ہے۔

یارمان۔ میری بھی یہی گذارش ہے کہ اس رقص دار و گیر
اس ہستی و عدم کی درمیانی زمین پر آپکے
ولولہ حرب و ضرب کو صنم پرستی میں مشغول
دیکھ کر تمام تورانی لشکر چشم حیرت بن گیا ہے۔
معاف کیجئے گا محبت ناکاروں کا مشغلۂ
بیکاری، اور محبت کے لفظ کی تکرار بیمار عقل
کا ہذیان ہے۔

سہراب تم پتھر ہو۔ سرد ہو۔ بے کیف ہو زندگی کی
بہترین لذت سے محروم ہو تمہارے دل میں
محبت کی حس ہوتی تو تم بھی اقرار کرتے کہ

دنیا کا نور عورت کا حسن ہے اور حسن کا حسن گرد آفرید ہے۔
ہومان ۔ افسوس!
سہراب ۔ افسوس ان کے لئے جو محبت کی آب حیات کو زہر سمجھتے ہیں (پھاٹک کے قریب جا کر) تعجب ابھی تک دروازہ بند ہے ۔
بارمان ۔ اور دنیا کے خاتمہ تک بند ہی رہے گا ۔
سہراب ۔ کیوں
ہومان ۔ تاکہ دنیا پر ثابت ہوجائے کہ آپ نے گرد آفرید کی نمائشی، مصنوعی، پُر فریب محبت پر یقین کر کے ناقابل تلافی غلطی کی ہے ۔
سہراب ۔ خبردار تم میرے یقین کو دیوانگی کہہ سکتے ہو، میری آنکھوں کو الزام دے سکتے ہو ۔ میرے دل کو اپنی زبان سے مجروح کر سکتے ہو لیکن گرد آفرید کی محبت کو جھوٹی محبت کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے ۔ تم نے ان پھول کی پنکھڑیوں سے شہد ٹپکتے نہیں دیکھا ۔ ایسے خوبصورت ہونٹھ کبھی جھوٹ نہیں بولتے ۔
بارمان ۔ اے دام فریب کے خوش اعتقاد اسیر اب بھی اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے دشمن کے جنگی قلعہ کا دروازہ عورت کے دعدوں سے نہیں زور بازو سے کھلتا ہے ۔
(فصیل قلعہ پر گرد آفرید دکھائی دیتی ہے، ہوماں بارمان سے)
سہراب ۔ وہ دیکھو ادھر دیکھو اور اپنے قیاس کی ناتواں بینی پر نادم ہو ۔ ؎

کہتے تھے تم کہ مرہم زخم جگر نہیں
دنیائے انتظار میں شب ہو سحر نہیں
ہر ذرہ چشم شوق ہے ارمان دید میں
پھیلا ہوا ہے نور فضائے امید میں

(بیتابانہ دیوار قلعہ کے نزدیک جا کر)
پیاری آفرید روح سے قریب ہو کر اب اس قدر دور کیوں ہو فصیل قلعہ سے جلووں کی بارش ہو رہی ہے لیکن اس سے تشنہ تمناؤں کی تسکین نہیں ہو سکتی (ہومان بارمان کی طرف اشارہ کر کے) ؎

بجلی گرادے انکے خیال اور یقین پر
آ میرے دل کے چاند اتر آ زمین پر

گرد آفرید ۔ زمین کی لعنت! دنیا ظلم فروشی کا بازار غلام سازی کا کارخانہ ۔ وقار انسانیت کی قتل گاہ، عزت نفس کا مذبح نہیں ہے ۔ ہوا پانی روشنی کی طرح خدا کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں سے آزادی بھی ایک نعمت ہے ۔ ہر خطۂ دنیا اسے اپنا قدرتی ورثہ اور ہر انسان اسے اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے ۔ ایرانی قوم نے تیرے ملک کی آزادی ۔ دولت ۔ صنعت ۔ حرفت ۔ تجارت اور دنیا کی برکتوں سے کون سی برکت اور زندگی کی مسرتوں میں سے کون سی مسرت چھین لی تھی جو تو بلا استعمال بلا سبب بلا جرم اس کا تمدنی اور معاشرتی نظام غارت کرنے اور اس کے دل کا اطمینان اور ملک کی متاع نشاط لوٹنے آیا ہے؟ تو بہادر نہیں رہزن ہے ۔ جا واپس جا ۔ بہشت کے آستانے پر اہرمن کے کارندے کا اور قلعہ سفید کے دروازے پر ایک تنگ انسانیت ڈاکو کا خیر مقدم نہیں ہو سکتا ۔
سہراب ۔ پیاری آفرید یہ اہل وفا کی زبان اور محبت کا لہجہ نہیں ہے تم اس طرح غیر شناسا بنکر گفتگو کر رہی ہو گویا ہماری ملاقات اس دنیا کے بدلے خواب و خیال کی دنیا میں ہوئی تھی ۔ کیا اتنی دور سے مجھے پہچان نہیں سکتیں؟ غور سے دیکھو میں سہراب ہوں وہی سہراب جو حسن کی پرستش کو عشق کا مذہب اور تمہارے تصور رنگین کو اپنی روح کی بہشت سمجھتا ہے ۔
گرد آفرید ۔ خبردار ۔ ان سامعہ خراش لفظوں سے میرے تقدیس حسن کی توہین نہ کر ۔ مغرور اپنی اتفاقی کامیابیوں کو وقت کی سفلہ نوازی اور قسمت کی غلط بخشش سمجھنے کے بدلے یہ سمجھ رہا ہے کہ تو جہاں پر جابرانہ حکومت کرنے کے لئے اور یہ جہاں مجبور بیل کی طرح اپنے زخمی کندھوں پر اطاعت کا جوا رکھ کر تیرے دائرۂ حکم میں گردش کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے؟ لیکن ارض ایران کی وسعت قلعۂ سفید کی چہار دیواری میں محدود نہیں ہے ہماری موت کے بعد بھی ایران اپنی قوت و شوکت کے ساتھ زندہ رہے گا ۔ اور ثابت کر دے گا کہ سہراب وقت کے کھیلنے کا کھلونا اور اتفاقات کی ہواؤں میں قسمت کی لہروں پر ناچتے ہوئے بلبلے کا تماشہ ہے ۔
سہراب ۔ پیاری آفرید عورت دنیا کی سب سے زیادہ حسین اور محبوب شے ہے ۔ جذبات اس کا نام سنتے ہی ناچ اُٹھتے ہیں ۔ روح اُسکے تصور سے روشن ہو جاتی ہے ۔ اور عشق اپنی تمام نیازمندیوں کے ساتھ اس کے قدموں پر گر پڑتا ہے ۔ تمہاری اس محبت آزار گفتگو سے اس کی رفعت و محبوبیت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ۔ عورت کی تغیر پذیر فطرت کے بارے میں کتابوں کے ورق اور انسان کے تجربوں نے جو رائے دی ہے کیا تم اس غلط رائے کو آج صحیح ثابت کرنا چاہتی ہو ؎

کیوں کیا مخمور دے کے خود بادۂ سرجوش سے
کیوں دیا پیغام الفت نرگس مینوش سے
ایک فتنہ اور بالائے زمیں پیدا کیا
کیوں مرے دل میں محبت کا یقیں پیدا کیا

گرد آفرید ۔ محبت کا یقین دلائے بغیر تیری قید سے رہا ہونا ناممکن تھا بیوقوف سن اپنے اہل وطن کی روح میں نامردانہ زندگی کی حقارت ۔ اور شجاعانہ موت کا احترام پیدا کرنے ۔ اور پیدا شدہ جذبہ کو آخری سانس تک قائم و شعلہ فشاں رکھنے کے لئے مجھے زندہ رہنے کی ضرورت تھی شکر ہے کہ میں زندہ ہوں لیکن سہراب کے لئے نہیں اپنے ملک کیلئے ۔ محبت کے لئے نہیں وطن کی خدمت کیلئے ۔ تو مسمار گھروں اور بے کفن لاشوں پر قبضہ کر سکتا ہے لیکن ہماری زندگی میں ہمارے قلعہ اور ہماری آزادی پر قبضہ نہیں کر سکتا ۔
سہراب (انتہائی حیرت سے) گرد آفرید گرد آفرید
گرد آفرید ۔ رعونت کے پتلے! یہ ایران و توران کی کشاکش نہیں، مصاف حیات میں خود غرضی اور ظلم سے ایثار و قربانی کی آویزش ہے ۔ یہ جنگ جابروں کے لئے سرمایۂ لعنت اور ستم رسیدوں کے لئے تلقین خودداری و درس حریت ہے ۔ اگر قسمت کی شرکت و اعانت سے تو کامیاب بھی ہوا تو تیری فتح شکست سے زیادہ ذلیل ہوگی اور وقت کی

نامساعدت سے ہم سپر انداز بھی ہوئے تو ہماری شکست فتح سے زیادہ شاندار ہوگی۔ تاریک سائے میں ڈوبتی ہوئی شام کے آفتاب کی طرح دنیا نظروں سے غائب ہوتی جاتی ہے اب صرف دو چیزیں دھوئیں کے کاغذ پر لکھے ہوئے آگ کے حرفوں کی طرح دکھائی دے رہی ہیں **معزز زندگی یا معزز موت!**

(چلی جاتی ہے)

سہراب۔ حسین جسم میں دغاباز روح! صندل میں سوزش! چاندنی میں دوپہر کے دھوپ کی تپش!!! (ہومان بارمان سے) تم سچ کہتے تھے۔ حسن نے کبھی وفاداروں کی قدر نہ کی۔ حملہ کرو حملہ کرو۔ اس قلعۂ سفید اس حصار سنگین کی ہستی عورت کے وعدے سے بھی زیادہ کمزور ہے اُف کتنا فریب۔ عورت۔ عورت تو صرف ایک خوبصورت دھوکا ہے

(تورانی لشکر حملہ کرتا ہے فصیل قلعہ سے کھولتے ہوئے تیل گراں وزن پتھروں اور تیروں کی خوب بارش ہوتی ہے طویل و مہیب جنگ کے بعد سہراب کے گرز سے دروازہ ٹوٹ کر گر پڑتا ہے اور حملہ آور فوج قلعہ میں فاتحانہ جوش کے ساتھ داخل ہوجاتی ہے)

باب دوسرا

سین چوتھا قلعہ سفید کا اندرونی حصہ

(حملہ آوروں کا شور زخمیوں کی چیخیں ہتھیاروں کی جھنکار نعرہ ہائے جنگ کا غل سنائی دے رہا ہے بہرام منتقمانہ جذبات و شریرانہ مسرت کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔)

بہرام۔ گناہ اور سزا دونوں اعتقاد کے فریب ہیں۔ نیکی اور بدی کا تخیل بلند پرواز عقل کی ترقی معکوس ہے۔ آج سے پیشتر اپنی شمشیر و تدبیر سے ملک کے دشمنوں کی امداد کرنا میں ایک شرمناک گمراہی ایک ہیبت ناک گناہ ایک پروردۂ لعنت جرم سمجھتا تھا۔ مگر اب؟ اب نہیں موت آگ بربادی نے شہر کے ہر حصے کو گھیر لیا ہے کٹے ہوئے سر خون کی لہروں پر بلبلوں کی طرح تیر رہے ہیں ایک دریدہ دہن، محروم فراست چھوکری کو عقل کل اور اس کی احمقانہ رائے کو دنیا کی دانشمندی کا خلاصہ سمجھنے والوں کی یہی سزا ہے میری تردید توہین کا بھی انعام ہے۔ ایران کی تاریخ میں میرا نام قاتلان قوم میں لکھا جائے گا۔ لکھا جائے۔ دنیا مجھے دشمن وطن کہے گی۔ کہنے دو۔ عاقبت خراب ہوگی ہونے دو۔ مجھے قوم و وطن عاقبت کچھ نہیں چاہئے انتقام صرف انتقام چاہئے۔ بہرام چل دست بدست جنگ میں دوبارہ سہراب کی رہنمائی کر سہراب کی فتح ہی تیرے انتقام کی فتح ہے۔

(بہرام کی روانگی خونچکاں تلوار لئے ہوئے گردآفرید کا داخلہ)

گردآفرید۔ موت ایک تغیر ہیئت ایک تبدیلی لباس ایک نقل مکانی۔ ایک جدید آغاز کے عمل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سفر حیات میں مسافر کا پیکر خاکی و مقصد سفر بدل جاتا ہے لیکن منزل نہیں بدلتی۔ موجودہ زندگی ہی انتہا نئی زندگی کی ابتدا ہے یعنی ہم موت کے دروازے سے۔ معلوم دنیا سے نامعلوم دنیا میں داخل ہوتے ہیں یہی زندگی کا راز ہے اور یہ راز صرف شہیدان حق و حریت کو معلوم ہے۔ شاباش ایران کے فدائیو شمع ملت کے پروانو شاباش۔ تمہارے خون کا ہر قطرہ صبح عزت کا نو طلوع آفتاب اور تمہاری جنگ آزادی کا ہر لمحہ سعادت جاودانی کا سرمایہ دار ہے۔ سرفروشانہ موت کے بعد بھی تم مستقبل کے غیر فانی حافظے اور بقائے دوام کی لازوال دنیا میں زندہ رہوگے تمہاری حیرت آفریں قربانیوں نے مغرور سہراب..... (سہراب کا نام زبان پر آتے ہی دل میں محبت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے) آہ کتنا شجاع۔ کیسا شریف!! اس کے تجلی بار چہرے کی طرف دیکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے چہرے کے نور سے آفتاب و مہتاب کی آفرینش ہوئی ہے۔ سہراب میری روح کو محبت کی روشنی سے منور کرنے والے سہراب۔ تم توران میں کیوں پیدا ہوئے اگر تم مادر ایران کے فرزند ہوتے تو میں کنیز بنکر تمہاری خدمت کو کامرانی نشاط اور تمہاری پرستش کو وسیلۂ نجات سمجھتی اور..... (خیال بدلتا ہے) بے وقوف عورت کیا عشق کی بجلیوں کی چمک کو جذبۂ جنگ کی تڑپ بنا کر ملک و قوم کے اعتبار کو دھوکہ دے رہی ہے کیا تو دل سے نہیں صرف زبان و تلوار سے سہراب کی مزاحمت کر رہی ہے؟ ہشیار ہو تیرا گنہگار خیال تجھے جرم کی مہیب دنیا میں کھینچے لئے جا رہا ہے اس دنیا میں جہاں لعنت ہے، رحمت نہیں، سزا ہے، کفارہ نہیں، نفرت کر سہراب سے نفرت کر۔ دل سے بھی اور روح سے بھی (پھر شعلۂ محبت بھڑکتا ہے) لیکن میں نفرت نہیں کرتی اور نہیں کر سکتی تو باعث تعجب کیوں ہے؟ دنیا میں کون عورت ہے جو ایسے شجاعت پیکر وفاکردار شریف رحیم جمیل کو اپنا دل اور اپنا مقدر سپرد نہ کردے گی۔ اسے دیکھنے کے بعد اس حسن و جاذبیت سے معمور دنیا کی کسی شے کی طرف دیکھنے کی تمنا باقی نہیں رہتی۔ وہ صانع فطرت کی نظرافروز صنعت اور مصور قدرت کا حسین ترین شاہکار ہے..... (دوبارہ خیالات کی رو بدلتی ہے) دور ہو اے عورت کی فطری کمزوری دور ہو محبت کی باغیانہ شورش فرض کی آواز اور ضمیر کی پکار کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ جس قدر کمینہ شرافت سے غدار اپنے ملک سے بزدل عزت کی دولت سے نفرت کرتا ہے میں بھی ہاں میں بھی اسی قدر سہراب سے نفرت کروں گی اس کے چہرے کی نظر فریبی صرف ایک حسین لعنت ہے۔ وطن کا دشمن ارض وطن کی طرح خوبصورت نعرۂ آزادی کی طرح پرجلال محبت قومی کی طرح قابل پرستش ہو تب بھی وہ دنیا کی بدترین ہستی ہے۔

(خوف و اضطراب کی حالت میں گستہم کا داخلہ)

گستہم۔ اور وہم بھی نہ تھا کہ انسان جس کو حسن کائنات کا گل سر سبد قدرت کا نقش آخر آفرینش کا خلاصہ کتاب تخلیق کا تکملہ کہا جاتا ہے وہ بھیڑئیے سے زیادہ خونخوار اور کتے سے زیادہ رذیل ثابت ہوگا۔ اسے خدا تو نے اس بدنہاد شخص اس متحرک لعنت

ڈھیر کو کیوں پیدا کیا! کیا اس ننگ ہستی کے
بغیر تیرے بے عیب و مکمل نظام عالم کی تکمیل
نہیں ہو سکتی تھی؟

گردآفرید- تمہارا ہر لفظ خطرے کا اعلان کر رہا ہے!
کیا ہوا-

گستہم - دغا- شرمناک دغا

گردآفرید- دغا دی کس نے؟ غیرت نے؟ ہمت نے؟
قسمت نے؟

گستہم - ایرانی ماں کے دودھ سے پلے ہوئے
سانپ نے- قوم کش خائن ملت بہرام نے

گردآفرید- ملعون- دوزخی

گستہم - اس نے سہراب کے پاس اپنا ایمان اور
دوزخ کے پاس اپنی روح فروخت کر دی
اس کی جفاکوشی اور بے حمیتی دیکھ کر مجھے
تعجب ہو رہا ہے-

گردآفرید- تعجب کیوں کرتے ہو- ہمیشہ ملک کے نمک حراموں
ہی نے غیروں کی غلامی کے طوق سے اپنے
ملک کی گردن کی زینت افزائی کی ہے- غداری
کی تاریخ پڑھو بہرام کی وطن دشمنی دنیا کا پہلا
عجیب واقعہ نہیں ہے-

گستہم - اس کی امداد و رہنمائی سے سہراب کی فوج
نے قلعے کے محفوظ مقامات اور سامان جنگ
کے ذخیروں پر قبضہ کر لیا عنقریب قسمت جنگ
کی کمان سے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا
چاہتی ہے- اب ہمارے لئے کوئی امید
باقی نہیں رہی-

گردآفرید- (تڑپ کر) کیوں باقی نہیں رہی؟ جبتک
غلامی سے نفرت باقی ہے غیرت باقی ہے-
جسم میں ایک بھی سانس اور قلعے میں ایک بھی
جانباز باقی ہے امید بھی باقی رہے گی- ہم فانی
دنیا میں لازوال زندگی لے کر نہیں آئے ہیں-
جب مدت حیات محدود- فنا لازمی- اجل
یقینی ہے تو عزت و شرافت کے ساتھ مرو-
بہادروں کی طرح مرو- بوڑھے اپاہج ناکارہ
ہو کر بیماری کے بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ مرنے
کے بدلے قوم پر قربان ہو کر مادر وطن کے
آغوش محبت میں مرو- ناامیدی سامنے سے
دور ہو- آؤ بس فتح ہے یا موت

(تصویر غضب بنی ہوئی گستہم کے ساتھ
جاتی ہے- بہرام اور سپاہیوں کے ساتھ
سہراب کا داخلہ)

سہراب گردآفرید میری روح کی تمنا اور میرے خواب
تمنا کی تعبیر ہے- اسے زندہ گرفتار کرو خبردار
اس کے سر کے ایک بال اور پاؤں کے ایک
ناخن کو بھی صدمہ نہ پہنچے-

بہرام- لیکن گردآفرید ہی نے ایرانیوں کی مردہ
ہمتوں میں دوبارہ حرکت حیات اور قوت عمل
پیدا کی تھی-

سہراب- اس لئے؟

بہرام- وہ رحم کی مستحق نہیں ہے

سہراب- عشق کی اتنی مجال نہیں کہ حسن کو اسکے
جرم کی سزا دے سکے- جاؤ-
(بہرام اور سپاہیوں کی روانگی)
ناز سراپا غرور اور نیاز ہمہ تن شکر ہوتا ہے میں
اس بے درد، بے مہر سے، صرف یہ پوچھنا
چاہتا ہوں کہ خوبصورتی اور بے وفائی کا
آپس میں کون سا رشتہ ہے- چہرہ حسین-
دل بہادر- آنکھیں بے مروت- میں نے
دنیا میں ایسی عجیب خوبصورتی اور ایسی عجیب
عورت نہیں دیکھی-
(گردآفرید کی تلاش میں جاتا ہے)

باب تیسرا

سین پانچواں اندرونی قلعہ کا دوسرا حصہ

(دور کشت و خون کا ہنگامہ بگیر بزن کا شور
آگ اور دھوئیں سے محصور گردآفرید تکان
سے نڈھال زخموں سے چور لہو میں شرابور
لڑکھڑاتی ہوئی داخل ہوتی ہے)

گردآفرید- آزادی کا آفتاب تلواروں کی فضا میں
خون سے رنگین اُفق پر آخری بار چمک کر
غروب ہو گیا- دغا و خیانت نے قلعہ سفید کی
قسمت کو غدار بہرام کا تیار کردہ سیاہ کفن
پہنا دیا- (تلوار کو مخاطب کر کے)
تلوار پیاری تلوار میں غارت شدہ
حیات قومی کا بقیہ، آتش افسردہ کا دھواں،
کاروان رفتہ کا پسماندہ غبار- ہنگامۂ تباہی
کی آخری گونج ہوں اس جسم سے روح کی
علیحدگی کا وقت بھی قریب آپہونچا ہے-
جب تک موت ان دونوں کو جدا نہ کر دے
میری جوانی کا سنگار میرے ہاتھوں کا زیور
میری زندگی کی وفادار سہیلی تو مجھ سے جدا
نہ ہونا ایکبار سہراب کے خون میں......
(جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر) آہ کیسا خوبصورت
نام کتنا شیریں نام اس نام کو سنتے ہی یہ معلوم
ہوتا ہے کہ دل کی دنیا میں محبت کے زمزموں
کی بارش ہو رہی ہے (خیال میں تبدیلی) محبت
کس کی محبت- سہراب کی محبت؟ خبردار
دل خبردار اگر تو نے تصور کے آئینے میں
ملک و قوم کے دشمن کی محبت کا عکس بھی پڑنے
دیا تو میں تجھے سینہ سے نکال کر پیروں سے
مسل کر ذلت کی ٹھوکر مار کر بھوکے کتوں کے
آگے پھینک دوں گی- آہ کیا تھا! اور
کیا ہو گیا- انسانی امید اور انسانی زندگی کتنی
بے حقیقت چیزیں ہیں- وقت کی گردش نے
ثابت کر دیا کہ امید تاریک فضا میں آسمان
سے ٹوٹتے ہوئے ستارے کی عارضی روشنی
اور زندگی ہوا کی لہروں میں بہتے ہوئے
پرندے کے متحرک پروں کا زمین پر بھاگتا
ہوا سایہ ہے-

(تورانی سپاہیوں کے ساتھ بہرام کا
داخلہ)

بہرام- تلاش کامیاب ہوئی- گرفتار کر لو-

گردآفرید- میرے مشورے پر ہنسنے اور
میری اہانت پر اظہار پسندیدگی کرنیوالو
کی قسمت کا انقلاب دیکھا- کہاں ہیں آزادی
ملت کے فدائی- کہاں ہے تیرا قومی غرور
کہاں ہیں تیرے گرجتے ہوئے دعوے-

دیکھ آئینے میں چہرہ زخم بھی ہے خاک بھی
خون میں ڈوبا ہے دل بھی جسم بھی پوشاک بھی
گر رہے ہیں آنکھ سے آنسو تن صد پاش پر
رو رہی ہے کیوں کھڑی ہو کر وطن کی لاش پر

گردآفرید کیا تیری روح اہرمن کے دل کی تاریکی سے
پیدا ہوئی ہے کیا تیری پرداش ایرانی ماں
کے دودھ کے عوض درندے کے خون
سے کی گئی ہے- موذی، جلاد- اگر تیرے
ایمان کی طرح تیری بصارت و سماعت بھی
غارت نہیں ہو چکی تو دشمنوں کی ٹھوکروں کی

ضرب سے زخمی ملک کی دردناک حالت
دیکھ اور ڈوب مر۔ بندگی اور بیچارگی کی
زنجیروں میں جکڑی ہوئی مادر وطن کی شرربار
فریاد سُن اور شرم کر۔ اس خانماں ویرانی
کا باعث اس سیلاب ذلت کا منبع اس
طوفان ہلاکت کا مخرج اس ناقابل عفو و
ناقابل کفارہ جرم عظیم کا مجرم کون ہے؟ تو۔
یہ جگر شگاف ماتمی آوازیں کسے ازلی و ابدی
ملعون کہہ رہی ہیں؟ تجھے۔ جن بہادروں نے
حفاظت ملت کے لئے اپنے خون کا آخری
قطرہ تک قربان کر دیا کیا وہ تیرے قومی بھائی
نہ تھے جن شریف عورتوں نے فرض کی
قربان گاہ میں اپنے شوہروں اپنے بھائیوں
بچوں کی جانیں نثار کر دیں کیا وہ تیری ملکی
بہنیں نہیں تھیں۔ اپنے بھائیوں کی زندگیاں
اپنی بہنوں کا سکون و آرام اپنے مرز بوم
کی سطوت وخیر و عافیت لٹوا کر ندامت کے
زخم سے مر جانے کے بدلے خوش ہو رہا ہے؟
ٹوٹے ہوئے دلوں ذبح کی ہوئی امیدوں
خون جگر سے بھیگی ہوئی آہوں، سوختہ قسمت
قلعہ سفید کی خاکستر برباد پر آنسو بہانے کے
عوض دوزخ کے موکل کی طرح بیرحمی سے
ہنس رہا ہے۔

بہرام۔ عداوت کے بازار کا سودا اتنے ہی
گراں داموں پر بکتا ہے تو نے مجھ سے میری
نفرت مول لی تھی۔ یہ برگشتہ بختی اسی خرید کردہ
نفرت کی قیمت ہے یہ زبوں حالی میری
جنس انتقام کا معاوضہ ہے۔

گرد آفرید۔ اگر تیرا دل مجھے انتقام لینے کے لئے
بے قرار تھا تو شریف دشمن کی طرح تلوار
لے کر میرا مقابلہ کرتا۔ مقابلے کی جرأت
نہ تھی تو کھانے میں زہر ملا دیتا یہ بھی ناممکن
تھا تو سوتے میں چھری بھونک دیتا۔ لیکن
غریب ملک نے تیرا کیا قصور کیا تھا جس
قصور کے پاداش میں تو نے اسکے ہر گھر کو
انسانوں کا مذبح اور ہر ذرہ کو عظمت و
عزت کا ماتم کدہ بنا دیا۔ تو سہراب کی نوازش
کے سایہ میں تباہ شدہ وطن کی خاک اور
قوم کے زخمی دلوں کے خون سے اپنی دنیاوی
جنت بنانا چاہتا ہے لیکن اس جنت کا پھول
تیرے مجرم ضمیر کو سانپ بنکر ڈستا اور یہ
معصیت آباد بہشت نفرت اور لعنت کے
زلزلوں سے کانپتا رہے گا۔ یاد رکھ جرم کی
زندگی اطمینان قلب کی موت اور گناہ کی
بہار روح کی خزاں ہے ؎

راحت عصیاں سے بڑھکر رنج عالم میں نہیں
وہ جلن اس عیش میں ہے جو جہنم میں نہیں

بہرام۔ (ہمراہیوں سے) کیا دیکھتے ہو گرفتار کر لو
یا قتل کر دو۔

(سپاہی چاروں طرف سے یورش کرتے ہیں
گرد آفرید شکاریوں کی برچھیوں کے حلقہ میں
محصور شیرنی کی طرح ہر ایک کے حملے کا جواب
دیتی ہے)

میرے گرسنہ انتقام کا آخری نوالہ (پیچھے سے
گرد آفرید کی پیٹھ میں خنجر بھونک دیتا ہے)

گرد آفرید۔ آہ۔ دغاباز۔ مار آستین (گرتے گرتے
پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے بہرام کا گلا پکڑ
لیتی ہے) اتنے گناہ کر چکا تھا یہ آخری گناہ
نہ کرتا تو کیا دوزخ کے دروازے تیرے
لئے بند ہو جاتے کتے تجھے زندہ رکھنا کمینہ پن
کی عمر میں اضافہ کرنا ہے۔ تیرا ایمان مر چکا
انسانیت مر چکی تو بھی مر۔ . . . (غصے میں
جان لینے کے ارادے سے گلا دباتی ہے
پھر رک جاتی ہے)

مگر نہیں تو بدفطرت ہے نمک حرام ہے سنگدل
ہے۔ قاتل ہے۔ دنیا کی بدترین مخلوق ہے۔
سب کچھ ہے پھر بھی میرا ہم وطن ہے (گلا چھوڑ
دیتی ہے) جا قوم پرستوں کے مذہب میں
بدی کا بدلہ بدی نہیں ہے میں اپنے وطن کی عزت
کے صدقے میں تجھے اپنا خون معاف کرتی
ہوں۔ (زمین پر گر پڑتی ہے اسی وقت
سہراب کا داخلہ)

سہراب۔ یا خدا میں کیا نظارہ دیکھ رہا ہوں قفس خاکی
کی رنگین نوا فاختہ۔ پیکر شجاعت کی حسین روح
شعلہ حسن کی تجلی خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔
افسانہ عزت کا عنوان صحیفہ حریت کا سرنامہ۔
جرأت نسوانی کی تاریخ کا ورق زریں خاک
پر پڑا ہوا ہے۔!!

(گرد آفرید کا سر زانو پر رکھ کر) آفرید پیاری
آفرید آنکھیں کھولو۔ میں تمہیں بے وفائی کا الزام
دینے کے لئے نہیں اپنی وفاداری کا یقین
دلانے آیا ہوں۔ تمہارا تبسم ناز میری پرستش
کا صلہ ہے۔ کیا ناکام محبت کو اپنے لب
نازک سے تسکین نہ دوگی کیا اپنی مسکراہٹ
سے میری دل کی تاریکیوں میں امید کی صبح پیدا نہ کروگی

گرد آفرید (آنکھیں بند کئے ہوئے نیم بے ہوشانہ
حال میں) کس کی آواز ستاروں کا گایا ہوا
نغمہ آسمانی زمین پر کون گا رہا ہے۔

سہراب۔ تمہارا شیدائی تمہارا پرستار سہراب۔

(آنکھیں کھولکر) تم۔ تم۔ اوہ۔ مرنا بھی
مشکل ہو گیا۔

(جوش محبت سے، اٹھنے کی کوشش کرتی
اور گر پڑتی ہے)

آؤ پیارے سہراب آؤ تمہیں دیکھ کر دل میں
زندہ رہنے کی تمنا پیدا ہو گئی مگر اب تمنا کا
وقت نہیں رہا۔ روح نے مسافر کا سامان
بندھ چکا ہے زندگی کے نظارے اسے
ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہے ہیں۔ میرے
دل کے مالک میرے فرض نے مجھے
بے مروت بننے کے لئے مجبور کر دیا تھا
حق وطن کا مرتبہ عشق سے بلند تر ہے۔ اسلئے
مجھے معاف کرو۔ اور جو ہوا اُسے بھول جاؤ
موت کے دروازے پر دنیا کی دوستی و دشمنی
ختم ہو جاتی ہے۔

سہراب۔ پیاری آفرید تم نے دنیا کے فرض کی
ایک جدید حقیقت اور عورت کے دل کی
عظمت کا ایک عظیم الشان راز ظاہر کر کے
وہ بوجھ دور کر دیا جس سے میری روح پاش
پاش ہوئی جا رہی تھی مجھے خیال تھا کہ تم مجھے
اپنی محبت کا مستحق نہیں سمجھتیں۔ اس لئے
اس قدر جوش مخالفت کے ساتھ جنگ
کر رہی ہو۔

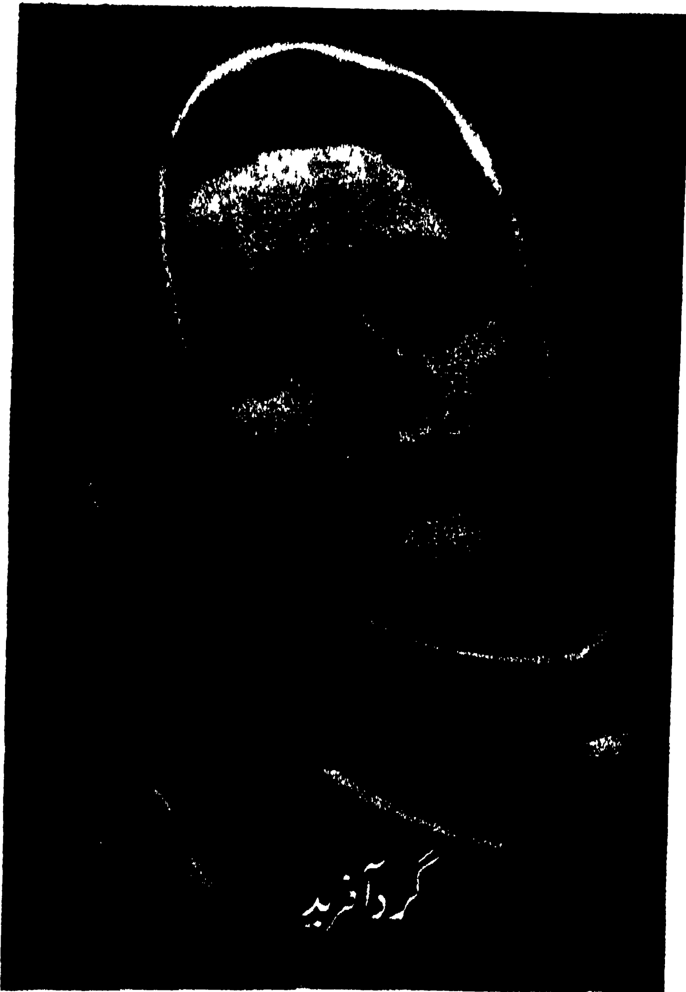
گرد آفرید۔ آہ تمہیں کیا معلوم کہ عشق و فرض کی کشمکش
میں میری روح کتنے طوفان کتنے زلزلوں
سے تنہا وقف پیکار رہی ہے۔ کتنے عذاب
برداشت کئے ہیں۔ صدمہ نہ کرو دوست اور
دشمن ہمنام ہیں اس لئے تمہیں دھوکا ہوا

میں نے اپنے پیارے سہراب سے نہیں اپنے
ملک کے مخالف سے جنگ کی ہے۔
سہراب آہ ان لفظوں میں کتنا ترنم اور کتنی امید نوازی
ہے قسمت کی ستم ظریفی دیکھو۔ تسکین کے پیاسے کو
راحت کا آب حیات بھی پلا رہی ہے اور جدائی
کا زہر بھی (یکایک جوش غضب میں اٹھکر کھڑا
ہوتا ہے سپاہیوں سے)
کیا میری زبان کے واضح الفاظ معنی ومفہوم
سے تہیدست تھے میرے حکم سے بے پروا
ہوکر دنیا کی یہ سب سے زیادہ قیمتی زندگی کس نے
برباد کی۔
بہرام۔ (فخریہ لہجہ میں) میں نے
سہراب۔ تو نے۔ ایک ایرانی نے!! گرد آفرید کے
ہم قوم وہم وطن نے!!! کس لئے؟
بہرام۔ اس لئے کہ یہ میرا خیرخواہانہ فرض تھا اسلئے
کہ وہ تورانیوں کی دشمن تھی اور میں تورانیوں کا
دوست ہوں۔
سہراب۔ تو کتنا بے حیا۔ کتنا بد اصل کتنا قابل نفرت
ہے، مرقع شجاعت کی حسین تصویر فدائیت کے
ملک وقوم کی آبرو پر اپنی محبت اپنی راحت،
امید، زندگی کی ہر بخشش بہا شے قربان کردی
اسکے سینے میں۔ اس سینے میں جو عشق وطن
سے معمور ہو رہا تھا۔ خنجر بھونکتے وقت تیرے
دل نے تجھ پر لعنت نہ کی؟ تیرا ہاتھ قبضہ تک
پہنچنے سے پیشتر مفلوج نہ ہوگیا؟ سگ دنیا
تیرے جسم کے ہر ذرے نے جس ایران کے
نمک سے پرورش پائی ہے جب تو نے اس
محسن ایران سے وفاداری نہ کی تو تو توران کا
کب دوست ہوسکتا ہے۔ جس منھ سے
اپنے آپ کو تورانیوں کا دوست کہتا ہے
میں اس ذلیل منھ پر تھوکتا ہوں۔ تیرے
رہنے کی جگہ دنیا نہیں دوزخ ہے۔ (خنجر
بھونک دیتا ہے)
بہرام۔ دنیا کے لئے عاقبت خراب کی تھی لیکن گناہ نے
فریب دے کر عاقبت بھی تباہ کی اور دنیا بھی
(مرجاتا ہے)
سہراب (گرد آفرید کو عالم نزع میں دیکھ کر) آہ دنیا
کی پلکوں پر زندگی آمادۂ تراوش آنسو کے
قطرے کی طرح تھرتھرا رہی ہے۔ شعلۂ حیات

آندھی میں رکھے ہوئے چراغ کی لو کی طرح
کانپ رہا ہے۔ موت۔ موت۔ تو عشق پر ٹوٹنا۔
حسن روح افروز شباب معصوم پر کیا
ظلم کر رہی ہے تو بے مہر سنگدل ہے لیکن باغ
ہستی کا اتنا رنگین حسین پھول توڑ کر آخر میں
تو بھی اپنی بیدردی پر نادم ہوگی۔ رحم کر۔ رحم کر۔
گرد آفرید۔ فرشتے روشنی کی چادریں لپیٹے پھول اور
نغمہ بکھیرتے ہوئے آہستہ آہستہ زمین پر
اتر رہے ہیں دنیائے عالم نور سے بدل
رہی ہے۔ مرکز اصلی کی طرف مائل پرواز
روح کے لئے آسمانی دروازہ کھل گیا ہے
کس نے پکارا؟ زندگی کے دروازے پر
کون دستک دے رہا ہے؟ موت تو ہے
میں نہیں سمجھتی تھی کہ تو اتنی خوبصورت ہوگی
الوداع پیارے وطن الوداع پیارے
سہراب الوداع ۔۔۔

نہیں معلوم راز مرگ دنیا کے طبیبوں کو
اگر فرصت ملے تو یاد کرنا بدنصیبوں کو

(آخری ہچکی لیکر دنیا سے رخصت ہوجاتی ہی)
سہراب۔ ٹھہر اے حسین مسافر ٹھہر ٹھہر تو کارگاہ
تمنا کو خرابۂ یاس ایوان نشاط کو ماتم سرا جلوہ
زار ہستی کو مسکن ظلمت بنا کر کہاں جا رہی ہے؟
واپس آ اے نامعلوم منزل کی رہرو واپس
آ۔ تیرے جانے کے بعد دنیا میں صرف
فریاد اور آنسوؤں کی آبادی رہ جائیگی۔
آفتاب و مہتاب آسمان کے دل کے داغ
تارے رات کے جگر کے آبلے اور رنگین پھول
زمین کے جسم کے زخم معلوم ہوں گے (دیوانہ وار
پکارتا ہے) آفرید۔ آفرید۔ آفرید۔ اے
جمال ناطق اے حسن گویا تو کیوں خاموش
ہوگیا تو کیوں بیکس کی پکار کا جواب نہیں دیتا۔
کیا میرے لئے اب تیرے پاس محبت کی
ایک مسکراہٹ تسکین کا ایک حرف بھی نہیں
ہے؟ ہائے کون جواب دے۔ پھول ہے
خوشبو نہیں مکان ہے مکین نہیں سلطنت
ہے ملکہ نہیں
(آفرید کی لاش سے مخاطب ہوکر)
قدرت نے کائنات سے اپنا عطیہ حقیقتاً واپس
لے لیا۔ دنیا کا حسن بہشت کے اضافۂ جمال
کے لئے بلا لیا گیا۔ زمین کے چہرۂ فخر کا


گرد آفرید

جلال؟ تاریکی عدم کو مطلع نور بنانے کیلئے چلا گیا۔ اے ملکۂ جمال تو نے فرمن پرعشق کو اور ملک پر زندگی کو قربان کر کے حیات ابدی حاصل کرلی۔ ایران کی آیندہ نسلیں تیرے ثبات و استقلال کے حیرت آفریں کارناموں پر فخر کریں گی ایران کی لڑکیاں تیری بہادری کے گیتوں سے اپنی زندگیوں کو مبارک بنائیں گی۔ ایران کی تاریخ ایثار کے حرف تیرے پرجبروت نام کی تجلی سے صفحۂ دنیا پر آفتاب ماہتاب بنکر چمکتے رہینگے۔ اے پژمردۂ بہار آفرینش اے افسردہ شعلۂ وطن پرستی اے خوابیدہ طوفان شجاعت میں تیرے قدموں کو الوداعی بوسہ دیتا ہوں۔ یہی اولین اور یہی آخری بوسۂ محبت ہے۔

(روتا ہوا گرد آفرید کے پیروں پر گر پڑتا ہے)

"جنگ عالمگیر کا باعث میں تھا"

(از جناب حبیب احمد صاحب نبید پوری)

آئیون کرانجیوک

جن لوگوں نے گذشتہ جنگ عظیم کی تاریخ پڑھی ہے وہ یہ تو ضرور جانتے ہوں گے کہ یہ جنگ آسٹریا ہنگری کے ولی عہد اور اسکی بیگم کے قتل کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن اب تک یہ بات صیغۂ راز میں تھی کہ شہزادہ اور شہزادی کے قتل کی کیا وجہ تھی اور در اصل ان کا قاتل کون تھا۔ ذیل میں اس شخص کا بیان ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جس نے فی الحقیقت ان کے قتل میں سرگرم حصہ لیا حال ہی میں اس نے سٹر ایڈمنڈ ڈیمڈ سے ملاقات کے دوران میں یہ اپنی آپ بیتی ان کے گوش گذار کی ہے ۔

بوسینا کے پایہ تخت شہر سراجیود میں، جو اسوقت آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا حصہ تھا۔ کسی نے آرڈیوک فرانسس فرڈینند کی کھلی کار پر ایک بم پھینک دیا۔ اصل نشانہ چوک گیا۔ اور ایک افسر زخمی ہوگیا۔ آرک ڈیوک کی آنکھیں خشم آلود ہوگئیں۔ جب میور (رئیس شہر) نے جو اس واقعہ سے لاعلم تھا۔ آسٹریا ہنگری کے ولیعہد کا استقبال کرتے ہوئے سپاسنامہ پڑھنا شروع کیا۔ تو شہزادہ نے بدمذاخلت کی اور خشمگیں لہجہ میں گرجتے ہوئے کہا۔

"خوش آمدید! تم سراجیود میں بموں سے میرا استقبال کرتے ہو!" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے موٹر پر واپس چلا گیا۔

اب شہزادہ کی گاڑی ریلوے اسٹیشن کی طرف واپس جا رہی تھی۔ سڑکوں کی دونوں جانب خوشرنگ لباس پہنے ہوئے بوڑھے، جوان، بچے، عورت اور مرد سب ہی قطار باندھے کھڑے تھے۔ اور کافی جوش وخروش کا مظاہرہ ہو رہا تھا کیونکہ آج سے قبل سراجیود ایک عرصہ تک ترکوں کی زیر حکومت تھا۔

بم کے حادثہ کی وجہ سے اسٹیشن واپس جانیکا راستہ بدل دیا گیا تھا۔ لیکن ولی عہد کا شوفر غلطی سے پھر اسی راستے سے اسٹیشن کی طرف چلا۔ ایک اٹھارہ سالہ جوان سمیتھ اور اس کے بھائی و ریلو پرنسپ متعلم کالج کا ایک ہوٹل راہ میں پڑتا تھا۔ جب ان کی گاڑی اس جگہ سے گذری تو ہوٹل کے سامنے والے مجمع سے متواتر دو گولیاں چلیں آرک ڈیوک، اور اس کی بیگم ہوہنبرگ کی شہزادی دونوں تلملا اٹھے۔ شہزادی، ڈیوک کی گود میں گر پڑی اور چند لمحوں میں دونوں اجل سے ہم آغوش ہو گئے۔

فرس سوار سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا کر مجمع کو منتشر کیا۔ آن کی آن میں خبر سارے یورپ میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔

اب ربع صدی گذر جانے کے بعد میں نے بم پھینکنے والی جماعت کے ایک سرگرم رکن سے سراجیود کے حادثہ کی پوری تفصیل سنی۔ اس کا نام آئیون کرانجیوک ہے۔ وہ اب بھی زندہ ہے اور سراجیود میں حکومت کی ریلوے کا ملازم ہے۔ یہی ایک تنہا شخص ہے، جس نے اپنے تجربات بیان کئے اور قتل سے قبل کے ایام کی مفصل دلیلیں محفوظ رکھی ہیں۔

لیکن اب کرانجیوک نے وہ تمام محفوظ رازیوں بیان کیئے۔

"سراجیود کے اسکول میں گاوریلو پرنسپ سے میری ملاقات ہوئی.........."

جب کرانجیوک نے یہ کہنا شروع کیا تو ہم اسی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ ایک صاف ستھرا، اور درمیانی طبقہ کا شخص ہے، ساتھ ہی لانبا چوڑا اور مضبوط بھی، وہ طبیعت کا سنجیدہ اور متفکر ہے۔ کام سے پہلے انجام کا سوچ لینا اور بولنے سے پہلے بات کو تول لینا اس کی زندگی کا ایک اہم جزد ہے، اسے دیکھئے تو وہ اپنی میز کی دراز میں زردی مائل فائلیں بار بار مرتب کرتا نظر آئے گا۔

اور اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھکر آپ اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ وہ کسی تاریخ یا کسی واقعہ کا اظہار کرنے سے پہلے اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے اس پر کافی غور وخوض کر لیتا ہے۔ اسے دیکھ کر کبھی گمان بھی نہ ہوگا۔ کہ اس شخص نے اپنے دوستوں کے ساتھ آج سے پچیس سال قبل ماہ جون میں سراجیود کی سڑکوں پر بلقان اور دنیا کے مسئلہ کو حل کیا تھا۔

کرانجیوک نے سلسلہ کلام یوں جاری رکھا۔

"پرنسپ سے میری دوستی سرعت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ پرنسپ کے والدین جوانی ہی سے غریب کاشتکار

تھے، لیکن انہوں نے بھی سیاسیات میں گہری دلچسپی لینا شروع کی۔ اسی سے ہم لوگوں کی دلچسپی کا بھی اظہار ہو سکتا ہے جو ہم دونوں کو سیاسیات سے تھی۔

" پرنسپ سخت محنت کے باوجود بھی اچھا طالبعلم ثابت نہ ہو سکا۔ وہ اپنے اسکول کے اسباق کو چھوڑ کر تواریخ اور سیاسیات کی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا۔ اسنے تواریخ کی ورق گردانی اور اہل سلاوک کا مسئلہ حل کرنے میں بیشتر راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں گذار دیں، وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ " یورپ میں صرف ایک مسئلہ حل طلب ہے اور وہ مسئلہ سلاوک ہے جب تک یہ حل نہ ہوگا۔ اسوقت تک گویا ہمیں کوہ آتش فشاں پر زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور کیا گیا ہے ...... "

" آخر ایک دن ایسا بھی آیا کہ وہ ماہر سیاسیات کہلانے لگا۔ لیکن اپنے غیر مبہم خیالات، بے ربط باتیں اور بے شعور وضع سے اسے بہت مایوسی ہوتی۔ تاہم اس جوان شخص کو ان لوگوں سے انتہائی بغض تھا جنہیں اس نے صحیح یا غلط طور پر اہل سلاوک کا دشمن سمجھ رکھا تھا۔"

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب میں نے ایک دوسرے اقتصادی اسکول میں اپنا نام درج کرایا۔ تو ایک دوسرے جوان سے میری ملاقات ہوئی۔ جس کے سیاسی خیالات بالکل میرے جیسے تھے۔ فرصت میں ہم ہمیشہ اکٹھے رہتے اور پرنسپ بھی اکثر ہمارے ساتھ ہوتا۔"

" میں اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری ملاقات کسی سے مخفی نہ تھی۔ اور وہاں ہم نے اپنی کوئی انجمن بھی نہ بنائی تھی۔ ہم نے اپنی " جمیعت " کے جو کچھ قواعد و ضوابط تیار کیے تھے، ان میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ ہم عموماً ہوٹل میں جمع ہوتے جہاں کچھ اور نوجوان بھی ہمارے شریک ہو جایا کرتے۔

انہیں نوجوانوں میں ایک سابرینووچ بھی تھا۔ فن طباعت اس کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی بہن دوکو سیوا کو اپنے ہمراہ لایا کرتا تھا۔ دوکو سیوا ایک حسین نوخیز لڑکی تھی، اور پرنسپ اس پر فریفتہ ہو چکا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ مئی کے آخری ایام ہوں گے جب آرک ڈیوک کے بوسینا آنے کا دستور العمل شائع ہوا۔ اس وقت پرنسپ روس کے غدر اور نیستی کی تاریخ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ دہشت انگیزی ہی سیاسی الجھنوں کا واحد علاج ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آرک ڈیوک کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ نیز اگر ممکن ہو تو بوسینا کے فوجی حاکم جنرل پوٹیورک کو بھی۔

" تجویز یہ کی گئی کہ آرک ڈیوک فرڈیننڈ کی گاڑی پر سابرینووچ بم پھینکے اور پھر پرنسپ گولی چلائے، میں انکے قریب ہی کھڑا رہوں گا۔ اگر دونوں میں کسی کو موقع نہ ملے تو مجھے بم اور پستول بڑھا دیں اور پھر میں قسمت آزمائی کروں۔

" نقشہ تیار کر لینا اور لوگوں کو تمثیل نگاری کیلئے منتخب کر لینا تو بہت آسان تھا۔ لیکن سامان کا مہیا کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ کیا ہم پستول اور بم بوسینا میں حاصل کرتے ؟ اگرچہ ہمیں یہ چیزیں بوسینا میں مل جاتیں لیکن ایسے وقت میں کیونکر دستیاب ہو سکتی تھیں۔ خوش قسمتی سے ہماری جماعت میں ایک شخص سائیگانووچ بھی تھا۔ وہ بلگریڈ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ جو اس وقت سربیا کا دارالسلطنت تھا۔ اور اب یوگوسلاویکیہ کا۔ اور اس نے جاتے وقت یہ بھی کہا کہ وہ اس تجویز کا تذکرہ وہاں کی خفیہ انجمن بنام " دست سیاہ " کے سرداروں سے بھی کریگا۔ اس کی تجویز منظور کی گئی اور وہ روانہ ہو گیا۔ دس دنوں کے بعد وہ سابرینووچ کے لئے بم اور پرنسپ کے لئے ریوالور لے آگیا۔"

" سائیگانووچ نے اپنے سفر کی تفصیل بھی بیان کی کہ " دست سیاہ " کے ایک افسر تانکو سیچ سے اس کی راہ و رسم تھی، اسی افسر نے اس کی ملاقات کرنل ڈیمٹرانوچ ایپسٹر سے کرادی جو " بادشاہ کش " کے نام سے عرف عام میں مشہور تھا اس شخص نے درحقیقت سربیا کے حکمراں اسکندر اوبرینووچ اور ملکہ دراگا کے قتل میں حصہ لیا تھا، اور یونان کے فرمانروا کونسٹانٹائن کے قتل کرنیوالوں میں شامل تھا، اس نے اپنی تربیت سالونیکا کے اس مقام پر ختم کردی جہاں مجمع کے سامنے سے وہ سربیا کے ولیعہد اسکندر کو قتل کرنے کی ٹھان چکا تھا۔"

" یہاں میں نے مقرر کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہم اپنے زمانہ کے بہت ہی مشکل اور اہم واقعہ کا تذکرہ کر رہے ہیں؟ لیکن کیا تم اس راز کو بھی ظاہر کرو گے جو اب تک اس واقعہ کی اصلیت پر پردہ پوشی کئے ہوئے ہے ؟۔

" کیا بادشاہ کش ڈیمٹرانوچ کے ساتھ حکومت بلگریڈ لیگ میں شامل تھی ؟ "

" بلاشبہ نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اہل سربیا کی طرح ہم لیگ میں شامل نہ تھے۔ اور اگر سائیگانووچ، کمانڈر تانکو سیچ سے آشنا نہ ہوتا تو غالباً ہم اسلحہ کی تلاش میں کبھی بلگریڈ کا رُخ نہ کرتے۔"

" آخر ۴ ؍ جولائی کو میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد ہی سپاہیوں کو میرے تمام دوستوں پر بھی دست درازی کا موقع مل گیا۔ ایک گروہ ڈینو لوایلیچ کے تمام ارکین کو دار پر کھینچنے کا حکم دیا جا چکا تھا، اسی گروہ نے عدالت میں ان تمام لوگوں کے نام ظاہر کردئے جنہوں نے اس مہم میں شرکت کی تھی۔"

ہماری سزا کا اعلان ہو گیا......... مجھے دس سال قید بامشقت کا حکم ہوا۔ ہمیں دیرسائنسٹاڈ کے قیدخانہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں مجھے ایک جلدسازی کی دوکان پر مامور کیا گیا۔ اس قید میں زندگی دوبھر تو تھی، لیکن ناقابل برداشت نہیں۔

" پرنسپ اور سابرینووچ، کرابلیش اور باپ بیٹے کرایچ اسی قید کے دوران میں راہی عدم ہوئے، کچھ دنوں کیلئے میں بھی اسی کمرے میں رکھا گیا۔ جس میں پرنسپ رہ چکا تھا، اس کی دیوار پر شکستہ حروف میں تحریر تھا۔ " ہماری روحیں وائنا کی گلی کوچوں میں بھٹکتی پھرینگی اور وہاں کے لوگوں کی شرافت کے پرخچے اڑا دینگی !...... "

اور دوسرے ؟ آہ ! اس ڈرامہ کے باقی اداکار کہاں ہیں ؟

" ایلیچ، سرپلووچ، اور ولکوسرپلووچ کو پھانسی دے دی گئی۔ باقی جو بقید حیات ہیں۔ اب صلح پسند خاندان کے سرپرست اور امن پسند اولاد والے شہری ہیں جو اب کشت و خون کا نام سنکر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں، اور ایک تلخ حقیقت .... اب ان میں سے کسی کو بھی سیاسیات سے دلچسپی نہیں !۔

واسو سرپلووچ، جامعہ بلگریڈ میں تواریخ کا پروفیسر ہے۔ سابرینووچ کی بہن حسین دوکوسیوا جس سے پرنسپ محبت کرتا تھا، اب اوسیک میں ڈاکٹر ہے۔ زاگورک ایک معلم اور پوپووچ ایک اسکول کا پرنسپل ہے، اور محمد محمود باسط اس وقت اسلید زمیں نجار ہے "

تم سراجیوو کا انجام جانتے ہی ہو گے، ہمیں ان نتائج کا اب بھی صدمہ ہے، کیا تمہیں اس کا غم نہیں ؟ میں نے دریافت کیا۔

اس نے بغیر کسی تذبذب کے جواب دیا، ہمیں اس کا ہمیشہ افسوس رہا اور رہے گا کہ شہزادی بھی مر گئی اور اس کے علاوہ کسی بات کا غم نہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہم لوگوں نے محب وطن کی حیثیت سے اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کی "

اور اس کے بعد ہی کرابجوک نے آگے بڑھکر میز پوشش پر سے اس راکھ کو پھونک کر اڑا دیا۔ جو میری سگریٹ سے گر گئی تھی۔



ونسٹن چرچل، وزیرِ اعظم برطانیہ

"ہم مغلوب نہیں ہو سکتے....." کیوں؟

ا-ب

(مضمون ملاحظہ فرمایئے)

"ہم لوگ غیر مفتوح طور پر اس وقت تک لڑتے رہیں گے، تا آنکہ ہٹلر کی لائی ہوئی لعنت انسانیت کی ابروؤں سے دور نہ ہو جائے"

ہم مغلوب نہیں ہو سکتے

اس سلطنت کی پشت پر جو قوت اور طاقت ہے اس کی بابت میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں، جو کچھ میرا مطلب ہے اس کو سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے گا، آئندہ چند ہفتوں کے دوران میں جنگ کے صحیح طریق پر اگر ہم لوگوں نے جنگ نہیں کی تو دنیا کی تمام بیس پردہ طاقتیں ہماری مدد نہیں کر سکیں گی، اور لیڈرشپ کی صحیح تمنا ہم لوگوں میں، سب کے دلوں میں پیدا ہو جائیگی اسے کاشش ہمارا کوئی دور اندیش رہنما ہوتا۔

اگر ہم لوگوں نے موجودہ حالت میں ثابت قدمی دکھلائی اور استقلال سے کام لیا، تو اس وقت یہ محسوس کرنے اور سوچنے کی چیز ہے کہ آئندہ ہمارے ذرائع و وسائل کیا ہوں گے،

اور یہی احساس ہم لوگوں کو مستقل اور ثابت قدم رہنے میں مدد دے گا۔

برطانوی سلطنت دنیائے معلوم کی ایک چوتھائی سے زیادہ حصوں کی نمائندگی کرتی ہے۔

اس کا رقبہ ۲ ۸ ۷ ۹ ۹ ۰ ۱۳ مربع میل ہے۔

اس کی آبادی ۰۰۰، ۸۷ ۰ ۰ ۵ نفوس پر مشتمل ہے۔

سامان جنگ کی پیداوار کے لئے جن اشیاء کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ یہ سلطنت قریب قریب سب پیدا کرتی ہے۔

برطانوی امپائر کے خلاف دشمن کی پہلی ضرب جزائر برطانیہ پر پڑے گی۔

اس لئے بحالت موجودہ، ہم ان جزائر کی قوت و طاقت پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے،

ان جزائر کا رقبہ ۹۰ ۴۸ ۹ مربع میل ہے۔ اور اسکی آبادی ۰۰۰ ۹ ۲۸ ۷ ۴ باشندوں پر مشتمل ہے۔

برطانیہ عظمیٰ کوئلہ، لوہا، اور فولاد کے وسیلہ نظری من دن کا مالک ہے۔

چند سال ہوئے کہ ایک شاہی کمیشن نے تخمینہ لگایا تھا کہ اگر ۲۵۰ ملین ٹن کوئلہ سالانہ صرف ہوتا ہے، تو ہمارے کوئلہ کے ذرائع ۵۰۰ برس تک کے لئے بالکل کافی ہیں،

متوسط و معتدل طور پر لوہے اور فولاد کی پیداوار کی قیمت ۰۰۰، ۰۰۰، ۸۰۷ ۲ پونڈ لگائی گئی ہے۔

صرف فولاد کی سالانہ تیار شدہ اشیاء کی تعداد ۰۰۰، ۰۰۰، ۱۱ - ہمارے پاس تقریباً ۰۰۰، ۰۰۰، ۹ ایکڑ زرعی زمین ہے، اور ہماری اشیائے خوردنی کا ۵۷ فیصدی حصہ برآمد ہوتا ہے۔

اور ہمارے ذخائر کی سہولتیں مناسب ہیں۔

جب ضروری اشیاء خوردنی کے محفوظ رکھنے کے لئے قانون پاس ہوا۔ وہیل تیل، خوراک، پٹرول، اور دیگر ضروری اشیاء کی کافی مقدار ملک کے مختلف حصوں میں جمع کی جاتی ہیں۔

اس ملک میں مختلف الانواع و اقسام کے آذوقہ و سامان جنگ لانے والے ہمارے پاس ایسے تجارتی بحری جہاز ہیں۔ جن کے وزن کا تخمینہ ۰۰۰، ۰۰۰، ۲۰ ٹن گروس ہے،

: : : : : : : : : :

ہمارے طلائی ذخیرے کی مقدار ۰۰۰، ۰۰۰، ۰۰۰، ۷ پونڈ ہے، اور ممالک متحدہ امریکہ میں جو وسیع ذخائر جمع ہیں۔ وہ اس کے علاوہ ہیں۔

ہمارا انڈسٹریل سسٹم (یعنی طریق مصنوعات) بہت منظم اور بہت آراستہ و پیراستہ ہے۔

اس کی سالانہ تیاریوں کا تخمینہ فی الحال نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ وہ بے حد ہے۔

برطانیہ کی سپاہیانہ قوت کا تخمینہ ۰۰۰، ۰۰۰، ۱۲ کی تعداد سے لگایا گیا ہے۔

موجودہ مجموعی برطانوی (بحری دستوں) کی طاقت چھپائی نہیں جا سکتی۔

لیکن یہ ذہن نشیں ہے کہ اس وقت سطح آب پر دنیا بھر سے طاقتور ترین بحری دستے نقل و حرکت کر رہے ہیں،

رائل ایر فورس (شاہی ہوائی دستے) روز بروز ترقی طاقت پکڑتی جا رہی ہیں۔ اور اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں، کناڈا، اور برطانیہ عظمیٰ میں ہوائی جہاز بن رہے ہیں۔ کناڈا میں امپائر کی فضائی تربیت کی اسکیم ہزار دو ہوا باز پیدا کرنے کا امکان دکھا رہی ہے، اور ان کی تربیت کی مناسب زمینیں بن رہی ہیں۔

برطانوی کامن ویلتھ کے ممالک اپنے تمام ذرائع و وسائل کو اکھٹا کر رہے ہیں۔

ممالک متحدہ امریکہ ہم لوگوں کو ہوائی جہاز مہیا کر رہا ہے کیا اس کے علاوہ توپیں، سامان جنگ، اور دیگر اشیاء، اپنی امکانی طاقت تک اپنے پر تیار رہیں،

ممالک متحدہ امریکہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ اور بڑھ چڑھ کر پیداوار کی طاقت رکھتا ہے۔

برطانوی امپائر کی زبردست طاقت کے ماسوا، اس کی مدد و اعانت ہماری طاقت کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ ہم طویل ترین طاقتوں کا جم کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور انہیں مغلوب و مفتوح کر دے سکتے ہیں۔

: : : : : : : : : :

وقت کا فوری مسئلہ یہ ہے کہ دشمن کو اس وقت تک روکے رکھنا چاہیئے کہ ہماری طاقت ایک ایسے نقطہ پر پہنچ جائے کہ ہم وہاں سے جارحانہ پیش قدمی شروع کر سکیں کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں۔؟

میں سمجھتا ہوں کہ ہاں! ہم ایسا کر سکتے ہیں۔

ہم بغیر مقابلہ کے اپنے جزائر انہیں نہیں دیں گے، ہٹلر کے دستے ہم لوگوں کو اس طرح دبا نہیں سکتے جس طرح انہوں نے فرانس کو دبا لیا۔

اس ملک میں ایسا کوئی متنفس بھی نہیں ملے گا۔ جو آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان نہ کر دے۔

لیکن ہماری جد و جہد دشوار ہوتی جا رہی ہے۔

یہ جد و جہد ہم میں سے ہر ایک کیلئے زیادہ سے زیادہ طاقت اور صبر و تحمل کی متقاضی ہے۔

ہر مرد و عورت کو چاہیئے کہ وہ دشمن کے جبر و تشدد کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر رہے۔ اور ثابت کر دے، نہیں بلکہ دکھا دیگا کہ وہ کچھ کیونکر کر سکتے ہیں۔ اور ان جزائر کی مدافعت میں کہاں تک لڑ سکتے ہیں۔

: : : : : : :

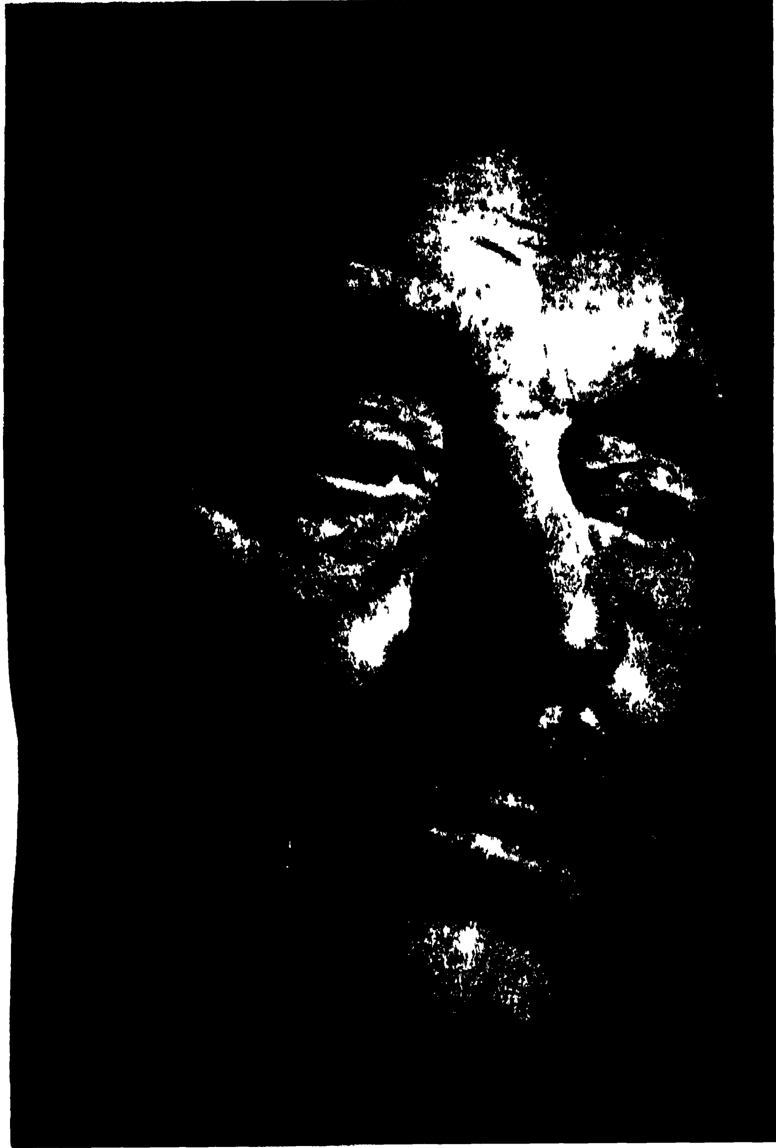
اور باقی کام آپ لوگوں پر اور لیڈرشپ پر منحصر ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت برطانوی کامن ویلتھ آف نیشن کو شکست نہیں دے سکتی، اگر تمام برطانویوں کے دلوں میں غلامی کے خلاف آگ بھڑک رہی ہے۔ اور وہ غلامی پر موت کو ترجیح دے رہے ہیں۔

اور جب تمہارے دلوں میں اس کی خواہش ہے، تو اے برطانیہ و امپائر کے باشندو! اور اس کے لیڈر و رہنماؤ! ہمیں اس سوال کا جواب دینا پڑے گا؛

UNITE OR PERISH

BY

H. G. WELLS



اتحاد یا موت

(از:- ایچ-جی-ویلز)

(مضمون صفحہ ۱۶۵ پر ملاحظہ کیجئے)

وہ مسئلہ کیا ہے جسے ہم انسانوں کو حل کرنا ہے؟ ہم لوگوں کو یا تو ان جنگجویوں، بادشاہوں، قومی حکومتوں، اور مسابقانہ کاروباروں، مالی اداروں کو ختم کر دینا ہے، یا پھر ان کی بجائے کچھ ایسی چیزیں نعم البدل کے طور پر قائم کرنا ہیں۔ جو ان کے مابین باہمی تصادموں کو رد کر دے، یا سرے سے ختم ہی کر دے کیونکہ یہ ایسے ہیں جو انکشافات ایجادات کے جدید حالات میں ہماری دنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دے رہے ہیں۔

کیا کرنا چاہئے؟

ہم لوگ چاہتے ہیں کہ ایک ایسا منصوبہ دریافت کریں، اور ایک ایسی نئی بات کا انکشاف کریں، جو موجودہ تصادموں کے سطح نظر امن و آشتی کی بنیاد پیدا کرے، اور ایک ایسا محفوظ نظام قائم کریں جس سے آئندہ پھر کبھی جنگ کا خطرہ نہ پیدا ہو، بالفاظ دیگر ہم کو ایک ایسے جدید نظام کی ضرورت ہے، جس کے ماتحت انسانوں کو آئندہ جنگ و جدل کی مطلق ضرورت نہ پڑے، اور اس لعنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسداد کامل ہو جائے۔

فیڈریشن

آج کل ایک لفظ بہت رواج پا گیا ہے۔ اس لفظ کے بارے میں میرے دل میں بعض ایسے معقول شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا بیان میں آگے چلکر کروں گا، وہ لفظ فیڈریشن یعنی وفاق ہے، اس لفظ کا استعمال بڑی آسانی کے ساتھ خطرناک اور گمراہ کن طور پر کیا جا سکتا ہے۔ یونین کے ساتھ ملکر جو فیڈرل یونین کی صورت میں ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتہائی گمراہ کن اسکیم سے متعلق ہے، لیکن آج ہم لوگ سب کے سب سیکھنے والوں میں سے ہیں، اور میں نے سوچنا شروع کر دیا ہے کہ یہ لفظ فیڈریشن جیسے صاف کرکے اور اس کی تعریف کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اسی حل کا پیش خیمہ ثابت ہونے والا ہے جس کے ہم لوگ جویاں ہیں۔

لیکن فیڈریشن ایک اور چیز ہے، اور فیڈرل یونین کچھ اور جس طرح آج کل اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ ذرا اس سے کچھ محدود اور مختلف ہے، اب فیڈریشن کیا ہے؟ فیڈریشن (وفاق) آزاد حکومتوں یا اداروں کے مابین ایک ایسے سمجھوتہ یا اگریمنٹ کا نام ہے جس کی رو سے وہ ایک مشترکہ اقتدار اعلیٰ (ارباب اختیار) قائم کر کے اس کے ذمہ بعض خاص امور کی انجام دہی دیدیتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، آپ فٹ بال کلبوں یا کارخانوں کا ایک فیڈریشن قائم کر سکتے ہیں۔ آپ سوئس ری پبلک جمہوریہ سوئس کے آزاد ممالک کا ایک فیڈریشن بنا سکتے ہیں۔ فیڈریشن کی روح اور عطر یہ ہے کہ وفاقی ادارے یا جماعت اپنی حیثیت مسلم رکھتے ہیں۔ اور اختیارات تفویض کرتے ہیں۔

امریکہ کی ریاستیں

مثال کے طور پر۔ ممالک متحدہ امریکہ کی تمام ریاستیں شاہی ریاستیں ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اپنے حدود کے اندر انہیں موت و زندگی کا اختیار ہوتا ہے فیڈرل گورنمنٹ کا تعلق محض اجتماعی خارجی پالیسی، فوج، بحری دستوں (نیوی) مالیات، اندرون ملک کی تجارت اور اسطرح کی دیگر باتوں سے ہوتا ہے، اور وفاقی دستور میں ہر امر متعارفہ کی خاص طور پر وضاحت کر دی گئی ہے فیڈریشن یا وفاق کی یہ ایک بڑی اور خاص صورت ہے۔

لیکن امریکن یونین فقط فیڈریشن کی ایک نوعیت ہے، وہاں وفاقی اداروں کا بحالت موجودہ ایک مجموعی سلسلہ قائم ہے، جو اپنی وسعت کے اعتبار سے بہت وسیع ہے، اور وہ محض ایسے امور میں خدمات انجام دیتی ہے جنکی نہایت سختی سے تعریف کر دی گئی ہے، اس وقت وہ عالمگیر وفاق کی حیثیت سے اپنے فرائض میں منہمک ہے، اس نوعیت کے فیڈریشن کو آج کل، "ریڈ ہوک" بین الاقوامیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک خاص نوعیت اسکی پوسٹل یونین ہے، جہانتک ہمارے مراسلات کی دسترس ہے ہم لوگ تھوڑے دنوں سے ایک عالمگیر وفاقی ریاست میں بسر کر رہے ہیں۔ وہ عظیم المرتبت اور فطری ذہانت کے مالک انسان ڈیوڈ لوبن، نے ایک اسکیم کے ذریعہ پوسٹل یونین کو ورلڈ پارسل پوسٹ کی صورت میں تبلایا ہے، اور پارسلوں کی ضخامت میں کوئی حد نہیں لگائی اور اسطرح اس نے تمام تجارتی جہازوں اور باربرداری کے مالوں کو ایک بین الاقوامی کنٹرول (قوت) کے ماتحت کر دیا۔ اور اس نے روم میں ایک بین الاقوامی زرعی انسٹیٹیوٹ قائم کر دیا جس نے ۱۹۱۴ء سے قبل درحقیقت دنیا کی تمام شاہی حکومتوں سے معاہدات کر لئے اور ہر ماہ ہر جگہ کی فصلی رپورٹیں موصول کرتی رہی، اس سے یہ ممکن ہو گیا کہ آذوقہ کی کمی، قحط، افراط، کی بابت آسانی سے پیشین گوئی کی جانے لگی، اور ۱۹۱۴ء تک پورے کرۂ ارض پر اس کی راہیں مسدود کرنے کے ذرائع پیش کر دئے گئے۔

ٹرینیٹی ہاؤس کے برادر اکبر جو دنیا کے تمام سمندری گذرگاہوں کو روشن کرتے ہیں۔ ان کا نقشہ مرتب کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرا عالمگیر فیڈریشن یعنی وفاقی ادارہ ہے،

دواؤں کی آمد و رفت پر کنٹرول، ریڈیو کے لہروں کی تقسیم وغیرہ وغیرہ ایڈ ہوک۔ یا معقصدی، وفاق کی مثالیں ہیں۔ کیونکہ یہ محض ایک کام کو انجام دیتی ہیں۔ لہٰذا ان تمام باتوں کے لحاظ سے ہم گویا اس وقت ایک عالمگیر وفاقی صورت میں رہتے ہیں۔

پہلی قسم کے وفاق کو ہم ایک سیاسی اختیار رکھنے والے وفاق کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ دوسری قسم کے وفاق کو ہم ایڈ ہوک عالمگیر وفاق سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک ہی چیز کی وہ دونوں اپنے طور پر انتہائی صورتیں ہیں ایک انتہائی صورت میں ہم ایک ضروری سیاسی وفاق پاتے ہیں۔ جو اپنے فرائض اور حدود دونوں کے لحاظ سے محدود ہیں۔ اور دوسری انتہائی صورت میں ایک ایسا وفاق پاتے ہیں۔ جو محض اپنے فرائض کے انجام میں محدود ہے،

جنگ کے دباؤ کے تحت فیڈریشن!

لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ فیڈریشن کی ایک تیسری امتیازی نوعیت ترقی پذیر ہوتی جا رہی ہے، موجودہ جنگ کی جد و جہد کے ماتحت پرورش پا کر بڑھ رہی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ عالمگیر صورت حال پر بحث کرنے کے دوران میں ہم میں سے کسی نے اس کے امکانات پر توجہ کی ہے، یہ ضروری ضروریات کے ماتحت نمودار ہوتی ہے، تاکہ وہ اتحادی جو جنگ میں مشغول ہیں۔ وہ اپنی فوجی ہوائی اور بحری طاقتوں کو قائم اور کارآمد رکھنے کے لئے اپنی اقتصادی زندگی میں قریبی اشتراک، تعاون سے کام لیں، اپنی جہاز رانیوں، عام باربرداریوں، اپنے جنگی مقاصد کے اعلانات اور امن و صلح کا یقین کرنے میں اپنے اداروں کے لئے انہیں باہمی اشتراک و تعاون کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ اس نوعیت کا وفاق اور اس قسم کا فیڈریشن جو ضرورت کی پیداوار ہے، اتحادیوں کے مابین

۱۸-۱۹۱۴ء کے جنگ کے آخری زمانہ میں موجود تھا اگرچہ اسے اس وقت فیڈریشن یا وفاق کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا تھا، مگر اس کا وجود تھا۔ جنگ جو فورسوں اور لڑنے والی فوجوں پر ایک متحدہ کنٹرول اتحادیوں کی جہازرانیوں پر کنٹرول اشیاء کی فراہمی کے لئے وفاق، ان تمام باتوں کو ضرورت نے اسوقت پیدا کر دیا تھا،

جنگ کے بعد ان وفاقی انتظامات کے ذخیروں کو جلدی اور بے وقوفی کے ساتھ توڑ دیا گیا۔ جہازرانی مصنوعات سازیاں پھر واحد سرمایہ داروں کی ملکیت ہوگئی۔ فرانک، خفیہ معاہدات، اور دوہری پالیسیوں سے برطانوی اتحاد واپس لے لیا گیا۔ اور یہ تمام باتیں فتح کے نشہ اور اس کے خوبصورت چہرے کے نظارہ کی بے خودی میں غائب ہوگئیں۔ اور اتحادیوں کی خارجی پالیسی منقطع ہوکر ایک ٹوٹی ہوئی رسی کی طرح ہوگئی۔ لیکن بایں ہمہ وہ ضروری اور ناگزیر فیڈرل موجود تھا اور جنگ کے اوائل میں وہ موجود رہا تھا، اور اب ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ وہ پھر اپنی وسیع صورت میں لوٹ آ رہا ہے، اور اب ہم لوگوں کے روبرو فیڈریشن کی ایک تیسری امتیازی صورت نمودار ہو رہی ہے، ایک ایسا وفاق جو موجودہ تصادم کے تحت پیدا ہو رہا ہے فیڈریشن کی وہ قسم جو اگلے وقتوں کے معاہدات امن کی جگہ حاصل کریگی۔ اور امن وصلح کی ایک وفاقی ترکیب قائم کریگی۔ جو نامعلوم مدت اور نامعلوم حدود تک جائے گی۔ پاور بلوک فیڈریشن (حکومتوں کے وفاقی بلوک) فیڈرل یونین، اور ایڈہوک عالمگیر بین الاقوامیت کے مابین تمیز کرنے کے لئے ہم اس تیسری نوعیت اور صورت کے وفاق کو جنگی وفاق سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

فیڈرل یونین اسکیم کی خاصیت

میں اس کو تسلیم کروں گا کہ دنیا کے نظام کے لئے انقلاب کا حصول، مختلف اور متحدہ ذرائع سے ہوسکتا ہے، اور ایڈہوک فیڈریشن کو عالمگیر وسعت دیکر انسانیت کے موجودہ دور کے لئے واحد چارۂ کار کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، اور جنگی فیڈریشن کو وسعت کے اعتبار سے پورے دنیا پر حاوی کر دیا جائے مؤخرالذکر زیادہ سے زیادہ فرائض انجام دیا کرے گا، اور مؤخرالذکر اپنے حدود میں وسعت اختیار کرے گا۔

میں کوئی امید نہیں دیکھتا، اور یورپ کی متحدہ طاقتوں کی اس مختلف اسکیموں میں، میں بہت زیادہ خرابیاں دیکھ رہا ہوں، مرکزی یورپ کی بھی حالت اچھی نظر نہیں آتی۔

میں آپ کے روبرو اپنے آ پ کو حتی الامکان صاف سے صاف تر صورت میں پیش کرنیکی کوشش کروں گا۔ میں نے کسی جگہ اسٹریٹ کی یونین پر نکتہ چینی کی ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ کی فیڈرل اسکیم اور پراز معائب ہے، اس کا استحکام بھی اگر ہوا ہے تو خانہ جنگیوں اور انسانی خونریزیوں سے، جو ریاست اور فیڈرل حقوق کے مابین تصادم کے نتیجہ کی صورت میں وقوع میں آیا تھا۔ جبکہ جنوب میں غلام پیدا کرنے والی حکومت لائی گئی، ریلوے کی ترقی اور مغربی سمت میں آبادیوں کی وسعت سے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کے اقتصادی اجرتوں کے بارے میں شمال والوں سے تصادم ہوگیا۔ میں نے خود اسکی تجویز کو ناقابل عمل بتایا ہے اور دکھایا ہے کہ اس کی تجویز ناقابل عمل نہیں ہوسکتی،

ابھی حال ہی میں میں نے کاؤنٹ کاؤڈل ہوکاگی کا ایک مضمون پڑھا ہے جس کا عنوان ہے۔ یورپ کو متحد ہونا پڑیگا۔ یہ صاحب جاپان پسند واقع ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات بھی اس مضمون کو تمام و کمال پڑھ ڈالیں جس کی اس سے زیادہ ضرورت ہے پڑھکر اسپر غور کریں اور سوچیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ان فیڈرل یونینوں میں سے کوئی بھی ایک نئی پارٹی سے زیادہ خوشگوار ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور اسی لئے میں صرف اسپر اکتفا کروں گا کہ اگر جنون یا پاگل پن سمجھکر ان میں سے کسی ایک پر غور کرنے کی زحمت گوارا کی گئی تو یہ دنیا کو مخاصمانہ بلوک (طبقوں) میں تقسیم کر دیگا۔ اور ایک جدید جنگ کی تیاری کرنی پڑے گی، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک ایسے تسلسل کا حامل ہوگا جس کا ثانی کبھی وجود میں نہ آیا ہوگا، یورپ امریکہ کے خلاف ہوگا، پہلے سفید فام کے خلاف کھڑے ہوجائیں گے، اور براہ راست آبادی کا غیر مساوی دباؤ اور اقتصادی ضرورت جاری وساری ہوجائیں گی۔"

مسٹر اسٹریٹ اور مسٹر کاؤنٹ دونوں نے بالشویزم کی لعنت پر بہت زیادہ توجہ صرف کیا ہے، اور اسے حد سے زیادہ پرہول صورت میں پیش کیا ہے، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، بالشویزم، ایک جدید سوسائٹی کی حیثیت سے جو ترقی پسند ہو دنیا کے کسی حصے میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے ہیں، اپنے قیاسات کو تباہ و برباد کرکے اس کا خاتمہ کر دیا ہے، جہالت اور ناخواندگی کو دور کر دیا ہے، غلامی اور بندگی کے جذبات و اسپرٹ کو نکال ڈالا ہے، اور اخلاق سے بالکل بے تعلقی اختیار کر لی ہے، اور اب یہ امید کی صورت میں بھی موجود نہیں رہی ہے،

ان قطعی کتابوں کے علاوہ جیسی یہ ہیں - یہ فیڈرل یونین کا تخیل مجلس اقوام کے نقش قدم پر چل رہا ہے، اور اس کا بھی وہی مقصد ہے،

اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں لوگ مستقبل کی بابت اذیت دہ خیال وقیاس سے کام لے رہے ہیں۔ یعنی ہماری سماجی زندگی کا مستقبل قریب اس کے منکرات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، ہوا میں خون کی بو آ رہی ہے، دہلا دینے والی صدائیں۔ اور عجیب وغریب افواہیں۔ سننے میں آ رہی ہیں۔ ۱۹۱۸ء سے یہ باتیں خلل انگیزی اور نمائش سے بہت دور ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے نقطۂ نگاہ کو اور اپنے نقطۂ نگاہ کو زیادہ سے زیادہ غیر یقینی پاتے ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں یہ فیڈرل یونین کی اسکیم بڑے سستے داموں مل سکتی ہے، محض پانچ شلنگ خرچ کرنے پر آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ جلسوں میں جائیں اور ایسی اشاعت پذیر باتیں سنیں جس سے آپ کو اطمینان ہوجائیگا کہ سب کچھ ٹھیک ہے، اور ایسی سوسائٹی میں شرکت کرسکتے ہیں جو غالباً محض اس مقصد کے لئے قائم کئے جاتے ہیں۔ کہ سب کچھ ٹھیک ہے،

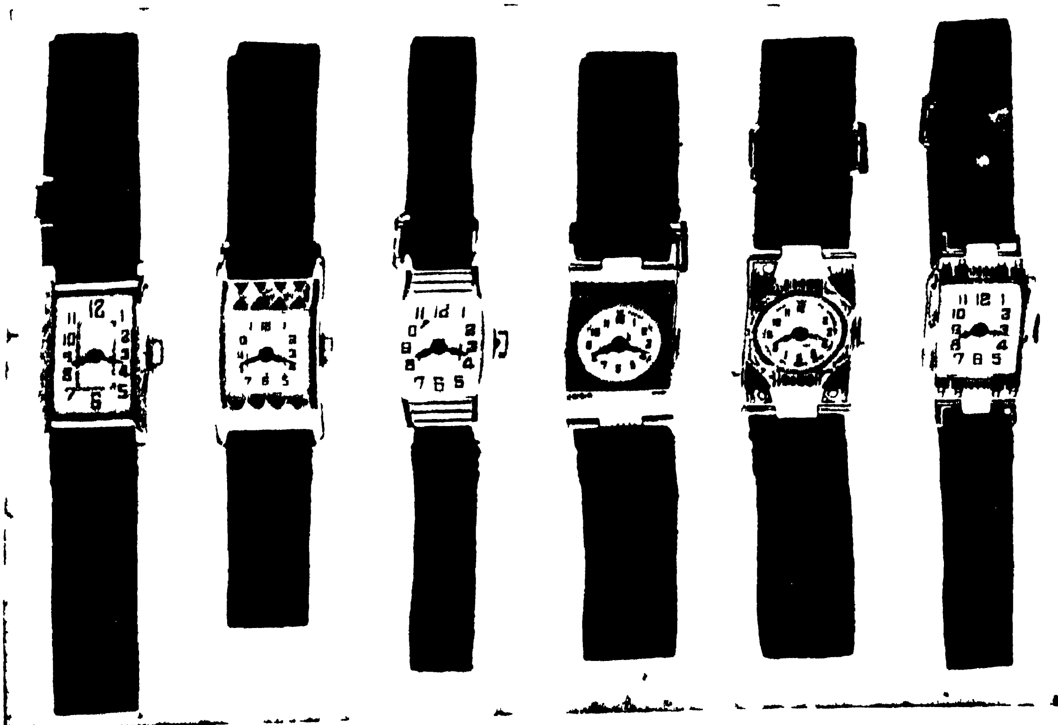
لیکن دراصل اس نوعی کے وفاق کا مطلب کیا ہے؟ ایک پمفلٹ ,, اب امن قائم کرو ،، کے عنوان سے جسے جنگ کے مخالفین کی جانب سے مشتہر کیا گیا ہے، اس کا بیان ہے کہ فیڈرل یونین بین الاقوامی، وہ ہے جسے ہم لوگ بنانا پسند کرتے ہیں۔ اور پھر معاملہ کی صداقت کیا ہے، یہ فیڈرل یونین محض سادے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، جیسے بالفاظ دیگر یہ کہئے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے، یہ لفظ زبان سے نکالو۔ یہ ساحرانہ لفظ، فیڈرل یونین اور اسکے بعد جاکر سو رہو یہاں تک کہ پھر کوئی بات تمہارے ذہن میں آئے، اگر میں ان فیڈرل یونینوں کی اسکیم سے بے انصافی کر رہا ہوں، تو مجھے بتاؤ کہ میں کہاں غلطی کر رہا ہوں، محض اسپر اکتفا نہ کرو کہ میں نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ مجھ سے کہو کہ وہ کیا غلطیاں ہیں؟

LIMTON WINS

in New Accuracy Test!



لمٹن کی مشہور گھوریاں



ھر قسم کی
گھڑیاں
ٹائم پیس
گھنٹے
وغیرہ کے لیے
پتہ یاد رکھیے
لمٹن واچ کمپنی
ا ڈلہوزی اسکوائر
کلکتہ

اوگپو اور گسٹاپو؟

GESTAPO ● OGPU

جرمنی اور روس کے "خفیہ پولیس کے محکموں" کی بابت ہم سبھوں نے کچھ نہ کچھ سنا ہے۔ لیکن اس ملک میں ان کی نوعیت، کردار، اور فرائض کے بارے میں بہت کم لوگوں کو واقفیت ہے۔

اس مضمون کے فاضل نگار ندہ سے بڑھ کر جرمنی کے "گسٹاپو" اور روس کے "اوگپو" کی بابت کوئی بہتر طور پر روشنی نہیں ڈال سکتا، کیونکہ سرپال ڈیوکس، انگلینڈ کے ایک اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد "کنزرویٹائر ڈی پیٹرد گریڈ" میں جاکر تعلیم حاصل کرتے رہے، اور جرمنی و روس کے ان خفیہ محکموں سے ان کا بہت گہرا تعلق رہا ہے، اس لئے دیگر انگریزوں کی بہ نسبت ان اداروں کے متعلق ان کی معلومات بہت وسیع اور زیادہ صحت پر مبنی ہے۔

سرپال، ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک "اینگلو روسی کمیشن" کے ایک رکن خاص رہے ہیں۔ اور ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک وہ روس میں خفیہ خدمات پر مامور رہے ہیں، وہ اپنے اس مضمون میں جرمنی و روس کے خفیہ محکموں کی داستان بیان کرتے ہیں، جن کے فرائض شہری کنٹرول کی بہ نسبت دہشت انگیز ہیں، وہ اپنے نوعیت و تشکیل کے اعتبار سے بالکل سیاسی ہیں۔ (مدیر)

اسپیشل اوگپو فوج کا ایک دستہ (رجمنٹ) فنش کے محاذ پر بھیجا گیا ہے..........

.....گسٹاپو دستوں کے خاص جتھے پراگ میں ہنگاموں و فتنوں کو فرو کرنے کے لئے استعمال کئے جارہے ہیں۔

مذکورہ بالا جملے اکثر و بیشتر روس و جرمنی سے خبروں میں شائع ہوتے رہے ہیں، ایک دفعہ نہیں بلکہ متعدد بار لوگوں نے روس و جرمنی کی خبروں کے تحت مذکورہ بالا جملے سُنے ہوں گے، اب سوال یہ ہے کہ یہ اسپیشل "اوگپو" ہے کیا بلا، اس "اوگپو" کو اکثر اور کبھی کبھی محض (جی، پی، یو") کے حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ اسپیشل "گسٹاپو" دستے کیا ہیں، دونوں کے دونوں فوجی کردار و نوعیت کے ہیں، اور جن پر بالشویکوں و نازیوں کو اس قدر اعتماد، بھروسہ، اور عقیدہ ہے؟

مذکورہ بالا سوال، جو بہتیروں کے لئے پریشان کن اور گھبرا دینے والا ہے، ہمیشہ مجھ سے پوچھا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ ان کی بابت بہت کم لوگوں کو واقفیت ہے، اور وہ بہت عسیر الفہم بھی ہیں،

لیکن پھر بھی گسٹاپو، اور اوگپو، کے خاص فرائض پر غور و فکر کرنے سے نہ صرف ان جگہوں اور حالات کا تھوڑا بہت اندازہ لگ جاتا ہے، جہاں انہیں استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے نازی و بالشویک نظم و نسق کے اندرونی مرقع پر بھی ایک نظر ڈالنے کا موقعہ مل جاتا ہے، اور اس طرح گذشتہ اگست میں نازیوں و بالشویکوں کے مابین جو معاہدہ ہوا ہے اس پر بھی ایک حد تک روشنی پڑ جاتی ہے یہ معاہدہ اب تک بہت لوگوں کو پریشان کئے ہوئے ہے، اور وہ ہنوز اس راز کی تہہ تک نہیں پہونچ سکے کہ ان دونوں ممالک میں کیونکر معاہدہ ہو سکا، "گسٹاپو" عام طور پر "خفیہ پولیس" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو نازیوں کا سسٹم ہے، اور "اوگپو" بالشویکوں کے "خفیہ پولیس" کے محکمہ کا نام ان ناموں کے لئے جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والے کے ذہن میں

اسکاٹ لینڈ یارڈ کا ایک نقشہ پھر جاتا ہے، جس کی کئی شاخیں بھی اس میں شامل ہیں اور ڈیڈ یٹو، نگراں وغیرہ وغیرہ کی تصویریں نگاہوں میں پھر جاتی ہیں۔

لیکن جب وہ "گیہم اسٹیٹ پولی زائی" جس کا "گسٹاپو" مخفف ہے اور جس کے معنی ہیں "حکومت کی خفیہ پولیس"، سنتا ہے تو اس کی حیرانیاں دو چند ہو جاتی ہیں، لیکن گسٹاپو، اور اوگپو، دونوں ایسے محکمے ہیں جن کا اسکاٹ لینڈ یارڈ سے کوئی تشابہ نہیں ہے،

بلاشبہ برطانیہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ہم انہیں تشبیہ دے سکیں یا ان کا موازنہ کر سکیں، اور جب انہیں ہم "خفیہ پولیس" کہہ کر پکارتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی لفظ ان کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا، ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے ان کی صحیح کیفیت ذہن نشین ہو سکے،

میں کوشش کرونگا کہ ان دونوں ممالک کے

اداروں کا حال اس طرح لکھوں جو سبھوں کی سمجھ میں آسکے۔

سب سے پہلی بات جو ہم لوگوں کو ملحوظ رکھنی چاہیئے، وہ یہ ہے کہ وہ سیاسی ادارے یعنی محکمے جنھیں اس لئے وجود میں لایا گیا ہے کہ وہ ایک واحد سیاسی پارٹی کے اقتدار کی ضمانت بن کر اس کا تحفظ کریں، ان کا فرض یہ ہے کہ وہ برعکس سیاسی خیالات کے اظہار و اجراء کو روکیں، اور مشکوک سیاسی مخالفین کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں، مختصر لفظوں میں ان کا کام یہ ہے کہ وہ حکمران پارٹی کی آمریت کو قائم و برقرار رکھیں،

ان لوگوں کا کام شہری امن و امان کو برقرار رکھنا نہیں ہے، جرمنی میں یہ کام دوشست پولی زائی (کانسٹیبلوں) کے سپرد ہے اور روس میں "ملیشیا" کے، برخلاف اس کے گسٹاپو، اور اوگپو، اپنی نوعیت کے اعتبار سے دہشت انگیز ہیں۔

ایسے محکموں کی ضرورت چھوٹی جماعتوں کی ڈکٹیٹرشپ یا آمریت کو ہوتی ہے، جہاں عوام الناس کی اکثریت حکمراں پارٹی سے تعلق رکھتی، بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر اس کے زیر حکومت رہتی ہے، یا مجبور ہوتی ہے کہ وہ حکمراں پارٹی کی حکومت کو بخوشی یا بجبر و اکراہ قبول کرے،

نازیوں اور بالشویکوں کی پارٹیاں علی الترتیب جرمن و روسی باشندوں کی مجموعی تعداد کی دو ۲ فی صدی سے بھی کم ہیں۔

اوگپو کی سیاسی نوعیت اس کے نام سے ظاہر ہے، جن حرفوں سے بنا ہوا ہے وہ چار لفظوں کی ابتدائی حروف ہیں، یعنی "اوٹ ڈائل گو سودار سٹ وینائو پولی ٹی کیشوف اپرویلینیا" یہ اس محکمہ کا پورا نام ہے اور اس کا مطلب۔ اسٹیٹ پولٹیکل کنٹرول کا شعبہ ہے۔

لفظ گسٹاپو، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس طرح صحیح طور پر جرمن آرگن کے سیاسی نوعیت کی تشریح نہیں کرتی، لیکن پھر بھی گسٹاپو قریب قریب اوگپو کی ہم شکل اور ہم عناں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ گسٹاپو اوگپو کی پوری پوری نقل ہے۔

اوگپو اور اس کی نقل گسٹاپو کے کاموں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس ادارہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

انیسویں صدی کے دوران میں روس میں انقلابی تحریک بہت ترقی پذیر ہوگئی، ان کی نوعیت اکثر و بیشتر تشدد آمیز ہوا کرتی تھی، اور ان کا مقصد زار روس اور اعلیٰ عہدے داروں و بلند شخصیتوں کو قتل کر ڈالنا تھا، ان کی سرگرمیوں کی روک تھام، اور شاہی خاندان، وزراء و باوقار شخصیتوں کی حفاظت



کے لئے ایک خاص خفیہ محافظ دستہ بنایا گیا۔

اس خفیہ گارڈ کا نام اوخارانا تھا، جوں جوں انقلاب کی ہوا پھیلنے لگی، اسی قدر اس محافظ دستے میں توسیع ہوتی گئی، اور اسے مضبوط سے مضبوط تر بنایا جانے لگا، حتیٰ کہ اس کا دائرہ پورے یورپ تک پھیل گیا، اور مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ یورپ کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی اس کا اثر پہونچ گیا، غرضیکہ، روس کے جلا وطن افراد جہاں جہاں پہونچے پناہ گزیں ہوئے، اور سازش میں لگے وہاں وہاں اوخارانا کا بھی قدم پہونچا، اور اس طرح اوخارانا روس کا خفیہ محافظ دستہ روس کے حدود سے نکل کر کرۂ ارض کے بیشتر حصص میں پہونچ گیا۔

برسہا برس تک اوخارانا، اور روسی انقلاب پسندوں کے مابین ایک خفیہ جنگ جاری رہی جو باہر ہی سے سازش پر سازش کر رہے تھے اور اس کا نام و نشان مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔

آخر کار زار کا زوال شروع ہوا اور جب وہ بالکل زوال پذیر ہوگیا تو روس کے سیاسی جلا وطنوں کو روس واپس آنے کا موقع مل گیا، اور بالشویک، چونکہ ان میں زیادہ متشدد، اور زیادہ دھن کے پکے تھے، نیز اپنے طور و طریق میں بیحد بے لاگ واقع ہوئے تھے، انہوں نے ایک جدید انقلاب پیدا کردیا، اور اعتدال پسند حکومت جس نے زار کو تخت و تاج سے محروم کردیا تھا، اس کو علیحدہ کرکے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اس جدید حکومت نے جو اپنے آپ کو سوویٹ گورنمنٹ کہتی تھی اس نے وسیع معنی لفظوں کے پیش نظر ضروری سمجھا کہ وہی طریقۂ کار اختیار کرے جیسا زار کی گورنمنٹ نے کیا تھا، یعنی ایک ایسا ارگن پیدا کرے، جو اس پارٹی کی فوقیت و برتری سبھوں سے منوائے، لباولتوں و اختلافات کو دبائے اور علانیہ نکتہ چینی و تنقید کو فرو کرے۔

بالشویکوں نے اگر اس ارگن کو دوبارہ خدمت پر مامور کردیا جس کا روس عادی ہوگیا تھا، اور جس کا خود ان لوگوں کو بھی بہت کافی تجربہ ہوچکا تھا، تو کیا یہ کوئی غیر فطری تھا؟ بنابریں اس ارگن کو دوبارہ عالم وجود میں لایا گیا، لیکن نام بدل کر "چیکا" رکھدیا گیا،

یہ لفظ ایک روسی لفظ کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے "متبادل یعنی جوابی لباولتوں کو فرو کرنے کے لئے غیر معمولی کمیشن" چیکا اور اوخارانا کے مابین فرق صرف اتنا تھا کہ "چیکا" "اوخارانا" سے زیادہ متشدد، جابر، اور ہولناک تھا، کیونکہ بالشویک جو اوخارانا کو برسہا برس تک چل اور فریب سے دھوکے دیتے رہے تھے، وہ اس کے تمام معائب و

نقائص سے واقف تھے، اس لئے وہ اس قابل تھے کہ ان نقائص کو دور کریں، اور اپنے ارگن میں وہ معائب وخرابیاں نہ رہنے دیں جن کا فائدہ ان لوگوں نے لیا تھا، اس لئے "چیکا" ایک ایسا دہشت انگیز اور ہولناک ادارہ بن گیا، جس کا ثانی آج تک دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔

۱۹۲۶ء میں اس محکمہ کا صدر اعلیٰ، ڈزینسکی پراسرار طریقہ پر مرگیا، عام طور پر یقین کیا جارہا تھا کہ اُسے زہر دیا گیا، کمیونسٹ پارٹی کے دیگر لیڈروں نے جو اس امر سے ڈر رہے تھے کہ وہ بہت زیادہ طاقتور ہوتا جارہا تھا، اُسے زہر دیدیا، تاکہ ان کی راہ کا کانٹا دور ہوجائے، اسی کے ساتھ اسٹیٹ پولیٹیکل کنٹرول کے نام سے چیکا کی از سر نو تنظیم کی گئی، اور اس کو اوگپو کا نام دیا گیا، اور اس نام سے وہ آج ساری دنیا میں پکارا جارہا ہے۔

پس اسطرح موجودہ اوگپو اور اس کی ہو بہو نقل، نازی "گسٹاپو" او خارانا ہی براہ راست اولاد ہیں، زار نے یہ خطرناک اور دہشت انگیز محکمہ اس لئے پیدا کیا تھا، کہ وہ زار کے خلاف تحریک کو مٹائے اور اس کا انسداد کرے، وہی محکمہ مختلف صورتوں میں بدلتے بدلتے اب اوگپو کے لباس میں منظر عام پر ہے۔

اب غالباً قارئین کی سمجھ میں آگیا ہوگا، کہ اوگپو میں اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کے فرائض، نوعیت اور کردار میں کیوں مطلق کوئی مشابہت نہیں ہے، (اسکاٹ لینڈ یارڈ لندن کا بہترین پولیس محکمہ ہے، جس کے ماتحت کانسٹیبل، سراغرساں، جاسوس وغیرہ سب رہتے ہیں)

لیکن اب ایک بات اور ہے، اور وہ یہ کہ آخر اوگپو کا لڑنے والا دستہ کیا ہے، جسے محاذ پر جنگ کے لئے بھیجا جاتا ہے، اور گسٹاپو کے خاص دستے جنہیں خاص فوجی امور و فرائض تفویض کئے جاتے ہیں اور انہیں بھی محاذوں پر بھیجا جاتا ہے؟

اس امر کو سمجھنے کے لئے روس سے شروع کرنا چاہیئے، یہ یاد رکھنا بے حد ضروری اور اہم ہے کہ روس قوم کی اکثریت نے بالشویزم کی کبھی تائید و اعانت نہیں کی، اگرچہ ان لوگوں نے اس کو گوارا کرلیا ہے اور اس کے بہتیری اندرونی اصلاحات و طریق کو قبول کرلیا ہے، لیکن دل سے اس کے کبھی قائل نہیں رہے ہیں۔ لیکن روسی کمیونسٹ پارٹی آف بالشویک کے اندرونی امور و خارجی پالیسی کے مابین ایک نمایاں امتیاز اور فرق ہے، وہ یہ کہ بالشویکوں کے عالمگیر انقلابی تحریکوں میں روس کے عامۃ الناس کو ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں، اور نہ وہ ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

اس لئے سرخ فوج کی جنگی قوت کا لحاظ و شمار کرنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لینا ہمیشہ ضروری ہے کہ آیا، جو لڑائی ہونے والی ہے اس کی نوعیت جارحانہ ہے یا مدافعانہ، آیا روس حملہ کنندہ ہے یا حملہ کا شکار۔

اگر روس پر حملہ کیا جائے تو، سرخ فوج بہترین طور پر مدافعت کرسکتی ہے لیکن فاضل و بیدار مغز مبصرین نے ہمیشہ اپنی دوربین نگاہوں سے اسکو بھانپ لیا ہے کہ جارحانہ جنگ میں اس کی جنگی قوت پست ہوجانے پر مجبور ہے، عہد ماضی میں یہ بہت ممکن تھا کہ خدا، اور زار کے نام پر سپاہیوں کے دلوں میں جوش وخروش کی آگ لگادی جائے، لیکن بالشویکوں نے خدا سے قطع تعلق کرلیا ہے، اور زار کے خون سے ہاتھ رنگ لئے ہیں، اور کارل مارکس کا نظریہ اس کا بہترین نعم البدل نہیں ہے، بلکہ کمزور ترین، یہی وجہ ہے کہ فن لینڈ کے خلاف جنگ میں سرخ فوج نے جس جنگی قوت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی تشریح مذکورہ باتوں سے بخوبی ہوجاتی ہے،

اس لئے فوج میں ریڑھ کی ہڈی پیدا کرنے کے لئے، سوویٹ نے اسپیشل رجمنٹ (خاص دستے) پیدا کئے ہیں، جو ایسے لوگوں پر مشتمل ہیں جنہوں نے اوگپو میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہے، اور یہ دراصل حکومت کے مجنوں شیدائی اور سچے قائمقام ہیں۔

ان لوگوں کی تربیت نہایت اعلےٰ پیمانے پر ہوئی ہے، اور نہایت گرانقدر معاوضہ ملتا ہے، ان کو بہت زیادہ مراعات حاصل ہوتی ہیں، اور انہیں بہت اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر اس حکومت کا کہیں زوال ہوا تو ان پر دوسری برسر اقتدار آنے والی حکومت ... کبھی رحم نہیں کرے گی، چاہے وہ کوئی بھی ہوں،

یہ "اوگپو یونٹ" اس کے بعد "طوفانی فوج" کی صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ باقیماندہ فوج کی قوت جنگ کو قائم رکھے، اور جہاں جہاں خلا اور کمی محسوس ہو، وہاں وہاں اسے دور کرے۔

جب محاذ پر ان لوگوں کو سب سے آگے رکھا جاتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ صورت حال نازک ہے، جرمنی میں بھی کم و بیش یہی صورت حال ہے، جب سے آسٹریا و چیکوسلوواکیہ کو لے لیا گیا ہے، اسی وقت سے رائش عظمیٰ کے حدود کے اندر چیکوں کے درمیان ایک بالکل غیر ملکی دستہ قائم ہے، ان کا کام یہ ہے کہ وہ ان علاقوں میں بغاوتوں کو بھڑکنے بڑھنے اور پھیلنے سے روکتے ہیں، اور ایسے لوگ جن کی وفاداریوں کا امتحان لیا جاچکا ہے، متشددانہ کارروائیوں پر مامور ہیں، ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جو کارروائی مناسب متصور کریں، انھیں بروئے عمل لائیں۔

ایسے آدمیوں میں سے جو بہت زیادہ سودائی اور مجنوں ہوتے ہیں وہ اکثر گسٹاپو میں لے لئے جاتے ہیں۔ اس لئے جس طرح روس میں اوگپو کے خاص یونٹ بنائے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جرمنی میں بھی گسٹاپو کے خاص خاص دستے اور یونٹ بنائے گئے ہیں، اور جہاں کہیں نازک صورت حال نمودار ہوتی ہے، وہاں ان لوگوں کو استعمال کیا جاتا ہے،

اس لئے اپنی اپنی آمریت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے نازی اور بالشویک جن طریقوں پر عمل کرتے ہیں، ان میں نمایاں مشابہت پائی جاتی ہے۔

ہٹلر بھی اسٹالن کی مانند اس امر کا مدعی ہے کہ وہ پرولیٹارین نوعیت کے مزدور تحریک کا صدر اعلےٰ ہے نازیوں کا پورا نام "نیشنل سوشلسٹ جرمن لیبر پارٹی" ہے، ہٹلر کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ مارکس کے آئیڈیل کا علمبردار ہے، اور "بلا امتیاز مراتب" کی سوسائٹی کا حامی ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں نے یعنی ہٹلر اور اسٹالن نے ایک جدید کلاس پیدا کرلیا ہے، جو ایک مراعات رسیدہ سیاسی پارٹی پر مشتمل ہے اور طاقت و قوت کی بدولت یہ اپنے حقوق منواتے ہیں، جن حقوق کے یہ مستحق ہیں، دوسروں کو اس کا سزاوار نہیں گردانتے۔

دوسری مشابہت یہ ہے کہ نازی اور بالشویک دونوں نام نہاد پارلیمنٹ رکھتے ہیں، یعنی "رائشتاغ" اور "کانگریس آف سوویٹ" انہیں سالانہ طور پر منعقد کیا جاتا ہے تاکہ لوگ گورنمنٹ کے فیصلوں کو سنیں اور انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی تائید و تصدیق

کریں۔

ان نام نہاد نمائندوں کو خاص طور پر منتخب کیا جاتا ہے،

الکشن میں صرف ایک امیدوار کو رکھا جاتا ہے اور کمیونسٹ حکمراں پارٹی ہی سے اس کا نامزد کیا جانا ضروری ہے، نہیں تو اس کی منظوری تو ہی سہی۔

تمام دیگر پارٹیوں کو دبا دیا جاتا ہے اور انہیں غیر قانونی قرار دیدیا جاتا ہے، کیونکہ نامزد کردہ امیدوار کو رائے دہندگان یا تو ہاں کہکر ووٹ دیں یا بالکل نہ دیں، اور جو لوگ کہ رائے دینے سے پرہیز کرتے ہیں، ان لوگوں کو مشکوک آدمیوں کی فہرست میں لکھ لیا جاتا ہے۔

ہٹلر نے بالشویکوں کی تقلید یہاں تک کی ہے کہ اس نے بھی ایک لال جھنڈا اختیار کیا ہے جس پر ایک عجیب و غریب غیر قومی علامت بنی ہوئی ہے "سواستیکا" سے جرمنوں کو بھلا کیا تعلق ہے؟ لیکن اس کی بابت یہ کہا جارہا ہے کہ یہ ایک قدیم نجاری نشان ہے۔ اور درانتی و ہتھوڑے سے روسیوں کو کیا تعلق؟ کمیونسٹوں کا قول ہے کہ عالمگیر محنت کا یہ انقلابی نشان ہے، تمام دنیا کے مزدوروں کا یہ نشان ہے، لیکن روسیوں میں اس کی بابت ان سرگوشیوں سے کام لیا جاتا ہے کہ درانتی "شمشیر اجل" ہے اور ہتھوڑا، بربادی کا آلہ ہے،

اس لئے اگرچہ دونوں کے مقاصد ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں، کیونکہ ہٹلر پورے یورپ پر جرمنوں کا تسلط چاہتا ہے، اور اسٹالن تمام دنیا میں کمیونسٹ ڈکٹیٹرشپ کے ماتحت انقلاب کا خواستگار ہے، لیکن ان دونوں کی راہوں میں کافی مشابہت و مماثلت موجود ہے، اور دونوں کے دونوں اپنے مشترکہ دشمن "جمہوریت"، کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔



جنگ اور عورتیں

(از ہیلن ولکنن ممبر پارلیمنٹ)

مضمون زیر نظر انگلستان کی ایک مشہور مصنفہ کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ جو برطانوی پارلیمنٹ کی ممبر بھی ہیں۔ چنانچہ اس مضمون سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ انگلستان کی عورتیں جنگ کے سلسلے میں کس قدر اہم خدمات سر انجام دے رہی ہیں اور اپنے ملک کو آزاد مضبوط اور محفوظ رکھنے میں مردوں سے کسی صورت میں کم نہیں۔

مسٹر چرچل وزیر اعظم برطانیہ نے ایک مرتبہ ریڈیو پر اعلان کیا کہ جنگ کے لئے دس لاکھ عورتوں کی ضرورت ہے۔ اس کے ایک ہفتہ بعد سر جان جانس اعلان کرتے ہیں کہ بیس لاکھ عورتوں کی ضرورت ہے وزارت لیبر کا بیان ہے کہ چالیس لاکھ عورتیں جنگ کے سلسلے میں درکار ہیں۔ غرضکہ مختلف شعبوں کیلئے عورتوں کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ مگر اسی دوران میں لاتعداد عورتیں جن کو فیکٹریوں کے کام، دفتری کلرکی کے فرائض سر انجام دینا سکھا گیا ہے

یا اعلیٰ سائنس اور اچھی تعلیم دی گئی ہے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نوکریوں کے لئے ماری ماری پھرتی ہیں

جرمنی میں ہر دو کام کرنے والے ہاتھ کام میں مصروف ہیں اس کے علاوہ لاتعداد مزدوروں کو ممالک غیر سے جرمنی میں لایا جا رہا ہے۔ انگلینڈ کی بے کار عورتوں کے لئے پیغام مسرت ہے اگر ایسے حالات یہاں بھی پیدا ہو جائیں۔

اصلیت یہ ہے کہ اس وقت جرمنی کے سامنے یہی مسئلہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ جرمن کے پاس اس وقت مزدوروں کی تعداد محفوظ نہیں ہے۔ اس کے برخلاف انگلینڈ میں

ہیں ہ لاکھ بے روزگار عورتیں موجود ہیں اس کے علاوہ تیس لاکھ اور چالیس لاکھ کے درمیان ایسی عورتوں کی تعداد ہے جن کو "فارغ" کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے اس درجے میں زیادہ تر شادی شدہ عورتیں شامل ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس بھاری ملکی طاقت کو کس طرح قومی کاموں میں مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے؟ اور تعجب یہ ہے کہ ابھی اس بھاری ملکی قوت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کسی قسم کا اقدام نہیں کیا گیا۔

اس مسئلہ کا حل ذرا دشوار ہے کیونکہ ایسا ہونا بڑا مشکل ہے اگر فرض کیجئے کہ مسٹر جان کو فوجی خدمت کے لئے طلب کر لیا گیا ہے۔ تو مس جون کو اس کی جگہ مقرر کر دیا جائے۔ مگر مس جون کے لئے کان کنی یا پہیوں والے چھکڑے کی کوچوانی مشکل ہے جدید قسم کی جنگوں میں اشد ضرورت ہے کہ مزدوری کے معاملے میں پوری پوری تبدیلی اور تنظیم کی جائے۔

برطانیہ کو جنگ کی حالت میں دو مسئلوں سے دوچار ہونے کی ضرورت ہے اولا یہ کہ ہمارے پاس کوئلے کی قلیل مقدار کے علاوہ خام پیداوار کی بھی بڑی حد تک کمی ہے لازمی امر ہے کہ ہم سمندر پار سے خام پیداوار اور جنگی سامان کی بھاری تعداد درآمد کریں دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمیں ان چیزوں کے لئے ممالک غیر کو اور خصوصاً امریکہ کو لاتعداد سونا روانہ کرنا پڑے گا ہم اس صورت میں خریدار بن سکتے ہیں جب خود کچھ تیار کر کے فروخت کریں مثال کے طور پر انگلینڈ کا تجارتی بورڈ فولاد کی خاص مقدار امریکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے یہ طریقہ منفعت بخش ہے کیونکہ اس طرح فولاد بیچ کر ہم اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ ہم اس فولاد کو مشینری کی شکل دیں اس سے ثابت ہوا کہ جنگ کے دوران میں اس امر کو بہت اہمیت حاصل ہے کہ ہم دوسرے ممالک سے اشیا بنوا لیا کریں۔

جنگ کے دوران میں انفرادی بیکاری ایک تکلیف دہ حادثے سے کم نہیں دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہے کہ قومی طاقت بے وجہ ضایع ہو رہی ہے برطانیہ میں ہر ایک مزدور ... ہر سال ڈھائی سو پونڈ کی مالیت کی پیداوار پیدا کرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ برطانیہ میں ہر ایک مزدور کی قیمت اوسطاً ہر سال ڈھائی سو پونڈ ہوتی ہے چنانچہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساڑھے بارہ لاکھ بے روزگاروں کی موجودگی میں جنگ کے پہلے چھ ماہ کے دوران میں پندرہ کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ کا نقصان ہوا۔ جنگ میں ہماری فتح کا دارومدار زیادہ تر ان ہی چھوٹے چھوٹے عقدوں پر منحصر ہے۔ کیا ہمارے جزیرے میں ہماری ضروریات کے مطابق مزدوروں کی تعداد موجود ہے کیا اس تمام سامان کو بروئے کار لانے اور اسکو استعمال کرانے کے لئے مشینری اور مناسب تنظیم موجود ہے۔

جب ہم نے میدان جنگ میں قدم رکھا اسوقت ہمارے صنعتی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی





تندرست عورت جنگی فرائض کی انجام دہی میں مردوں سے کم نہیں
کہیئے شاباش !!



HATS OFF
TO
MRS. SMITH

–

LIKE HER CHILDREN
AND
GRAND CHILDREN
SHE IS HELPING
BRITAIN
TO
DEFEAT THE
NAZISM

تعداد تقریباً اکیس لاکھ پندرہ ہزار تھی ان میں سے پندرہ لاکھ مزدور اور بقیہ عورتیں تھیں۔ موجودہ جنگ کی ضروریات کے متعلق اندازہ اور ۱۹۱۴-۱۹۱۸ء کے تجربے کے مطابق ہمیں موجودہ جنگ شروع کرنے میں اڑتیس لاکھ آدمیوں کی ضرورت تھی ان میں کم از کم تیس لاکھ آدمی تو متحارب افواج میں کام کرنے کے لئے درکار تھے

جوں جوں کارخانوں پر زیادہ سے زیادہ سامان کی تیاری کا احساس ہوتا جائے گا اسی مناسبت سے ان کارخانوں میں آدمیوں کی تعداد بھی کم ہوتی جائیگی اس کمی کو پورا کرنے کی ایک ہی ممکن صورت ہے اور وہ یہ کہ عورتوں کی کافی تعداد کو کارخانوں کے کام پر لگایا جائے۔ اور چونکہ اس وقت بے کار یا کام سے فارغ (شادی شدہ عورتوں کے لئے سرکاری طور پر یہی اصطلاح استعمال کی جائے) عورتوں کی کافی تعداد موجود نہیں ہے اس لئے ضروری امر ہے کہ دکانوں اور دیگر گھریلو کام کرنے والی عورتوں کو اہم قومی کاموں پر لگایا جائے گا۔ اندازہ لگایا گیا تھا کہ گھمسان کی جنگ کے وقت چالیس لاکھ عورتوں کو جنگی سلسلے میں کام پر لگانے کی ضرورت محسوس ہوگی۔ اس تعداد کو دو اہم صنعتی گروہوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔ پہلے گروہ کو ایسے کاموں پر لگانا پڑے گا جن میں جنگ کے لئے سامان تیار کیا جائیگا۔ عورتوں کے دوسرے گروہ کو ایسے مقامات پر کام میں لگانا پڑے گا جہاں خام پیداوار کی کمی کے باعث روزگار کی کمی ہوگئی۔ مگر اس صورت پر عورتیں ایسے کام کریں گی جہاں آدمیوں کے بغیر گذارہ ہو سکتا ہے۔ او دھات کے کارخانوں میں سب سے زیادہ عورتوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ ۱۹۳۹ء کے پہلے چھ ماہ کے دوران میں تین لاکھ ترانوے ہزار عورتوں کو دھات کے کارخانوں میں کام پر لگایا گیا ہے۔ مگر جنگ کی تیزی کی صورت میں انہی کارخانوں میں پندرہ لاکھ عورتوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔ دوا سازی کے کارخانوں میں موجودہ تعداد کی نسبت دو فیصدی زیادہ عورتوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ باربرداری کے کاموں میں اسوقت چھپن ہزار عورتیں کام کر رہی ہیں مگر بعد میں چار لاکھ عورتوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

۱۹۳۸ء کے دوران میں سرکاری مدد کے لئے چھیاسی ہزار عورتوں کو کام پر لگایا گیا تھا۔ مگر جنگ کے تیزی پکڑنے کی صورت میں چھ لاکھ تیس ہزار عورتیں سرکاری ملازمتوں کے لئے درکار ہوں گی جنگ کے دوران میں تجارت اور بنک کے کاروبار میں اضافہ ہو جائیگا جنگ نے دوران میں ہزاروں ایسے آدمی

بنکوں کے ساتھ لین دین کرینگے جنہوں نے اس سے پہلے نہ کیا۔ مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے انعامات کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ روپیہ کا لین دین زیادہ ہو جائے گا۔

اس شعبے میں کام کرنیوالی عورتوں کی تعداد اس وقت سترہ ہزار کے قریب ہے مگر اندازہ کیا گیا ہے کہ اس شعبے کے لئے چھ لاکھ عورتوں کی ضرورت درپیش ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اندازہ کیا گیا ہے کہ مقامی حکومتوں کو ایک لاکھ عورتوں کی بطور کلرک اور دیگر کاموں کے لئے ضرورت ہوگی۔ دوسرے گروہ میں ہوٹل اور خورد و نوش تیار کرنے والے دیگر اداروں کو ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار کام کرنے والی عورتوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ روشنی کا سامان تیار کرنیوالے کارخانوں کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار عورتوں کی ضرورت درپیش ہوگی۔ جنگی پابندیوں کے تحت خوراک، مشروبات اور تمباکو سازی کے کارخانوں میں اسی ہزار عورتیں درکار ہوں گی، کپڑا تیار کرنے کے کارخانوں میں اٹھائیس ہزار، کپڑا فروخت کرنے والے اداروں میں دس ہزار اور کاشتکاروں کیلئے تیس ہزار عورتوں کی ضرورت محسوس ہوگی۔

ان تمام اعداد و شمار میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کی بنیاد محض خیال



آفرین ہے ایسی ماں پر جو اپنی بچی کو مشین گن کی گولیاں بنانی سکھا رہی ہے

FROM MOTHER TO DAUGHTER

In the last war her mother taught her to make bullets. To day, she is teaching her daughter the tricks of her trade

اور اندازہ ہے یہ تمام اعداد و شمار حکومت کے بیان کے مطابق ہیں۔ اس کے علاوہ دفتر وزارت صنعت و تجارت کے غیر شائع شدہ اعداد و شمار سے بھی بہت مدد لی گئی ہے۔ یہ اندازہ یہ فرض کرکے لگائے گئے ہیں کہ موجودہ جنگ گذشتہ جنگ عظیم کے پیمانے پر آجائیگی

عورتوںکی اتنی بھاری تعداد کس طرح مہیا کیجائیگی؟

یہ سب عورتیں کہاں سے مہیا کی جائیں گی؟ سب سے زیادہ امید افزا جواب لندن کے ایک اخبار کی طرف سے دیا گیا تھا کہ پندرہ اور پینسٹھ سال کے درمیان عمر رکھنے والی غیر شادی شدہ عورتوں کو جو اس سے پہلے کسی جگہ کام نہ کررہی ہوں کارخانوں میں کام کرنے کیلئے بھرتی کرلیا جائے اس کے علاوہ قریبًا ایک چوتھائی شادی شدہ عورتوں کو بھی مختلف کارخانوں میں کام کرنے کے لئے بھرتی کرلیا جائے۔ چنانچہ اس طرح اخبار کے اندازہ کے مطابق پچاس لاکھ عورتیں مہیا ہوجائینگی ایک اور سرکاری بیان کے مطابق چالیس لاکھ عورتیں کارخانوں میں کام کرنے کے لئے مہیا ہوسکتی ہیں۔ مگر یہ گھٹی ہوئی مقدار اس فرق کو پورا نہیں کرتی جو خرابی صحت عورتوں کی تعداد میں پورا کردیگی۔ یعنی لاتعداد شادی شدہ عورتیں ایسی ہوں گی جو صحت کے لحاظ سے کارخانوں کی خدمات سرانجام دینے سے قاصر ہونگی۔

عورتوں کو تعلیم کس طرح دی جائے گی

اس مرتبہ گذشتہ جنگ کی نسبت ہماری قوم کو بہت فوائد حاصل ہیں۔ جولائی ۱۹۱۴ء کے دوران میں بیس بڑی بڑی صنعتوں میں ایک کروڑ پچاس لاکھ آدمیوں کے مقابلے میں صرف تیس لاکھ پچیس ہزار عورتیں کام کرتی تھیں۔ ان میں سے اکثر کو نہایت معمولی اجرت دیجاتی تھی

مزدور عورتوں کی اوسط مزدوری فی ہفتہ دس شلنگ ساڑھے چار پنس تھی۔ چھپائی کی صنعت میں عورتیں صرف بارہ شلنگ فی ہفتہ کماتی تھیں۔ کپڑا سینے والی عورتوں کی اجرت اکثر اوقات پانچ شلنگ سات پنس ہوتی تھی بہترین سلائی کرنے والی عورت کو تین پنس فی گھنٹے کے حساب سے اجرت دیجاتی تھی مٹھائی تیار کرنے والے کارخانوں میں سب سے زیادہ عورتیں کام کرتی تھیں نگران عورتوں کی اجرت فی ہفتہ نہایت ہی معمولی تھی۔

کارخانوں میں زیادہ تر مردہی کام کرسکتے تھے کیونکہ بھاری مشینوں پر کام کرنا عورتوں کے بس کا کام نہیں۔ اور مشین بھاری اس وجہ سے تھیں کہ یہ بھاپ کی مدد سے چلتی تھیں۔ گذشتہ جنگ کے دوران میں اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ مشینوں کو ایسی صورت میں تبدیل کیا گیا کہ عورتیں بھی ان مشینوں پر کام کرسکیں اس وقت بجلی کی مدد سے ایسی مشینیں تیار کی گئیں۔ جن کو ایک بٹن کی مدد سے چلایا یا بند کیا جا سکتا ہے چونکہ موجودہ کارخانے ان چھوٹی چھوٹی مشینوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کو بجلی کی مدد سے چلایا جاسکتا ہے اس لئے کارخانے کہیں بھی قائم کئے جائیں۔ عورتیں نہایت آسانی سے ان مشینوں پر کام کرسکتی ہیں۔ اسکے علاوہ آج ایک مزید فائدہ یہ حاصل ہے کہ آجکل کی تمام نوجوان شادی شدہ عورتیں شادی ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ کام کرکے کمانے کے قابل ہوتی ہیں یا ان کو شادی سے پہلے کام کرنے کی تعلیم دیجاتی ہے۔ گذشتہ جنگ کے دوران میں عورتوں کو انتظامی محکمہ میں عہدے دینا بڑا دشوار اور پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ تجربہ کار عورتوں کا سرے سے ہی فقدان تھا۔ مگر آج ہزارہا تعلیم یافتہ عورتیں بطور معلم، منتظم، کارخانوں اور دیگر محکموں میں اعلی انتظامی کاموں کے لئے دستیاب ہوسکتی ہیں

اصل رکاوٹیں کیا درپیش ہیں؟

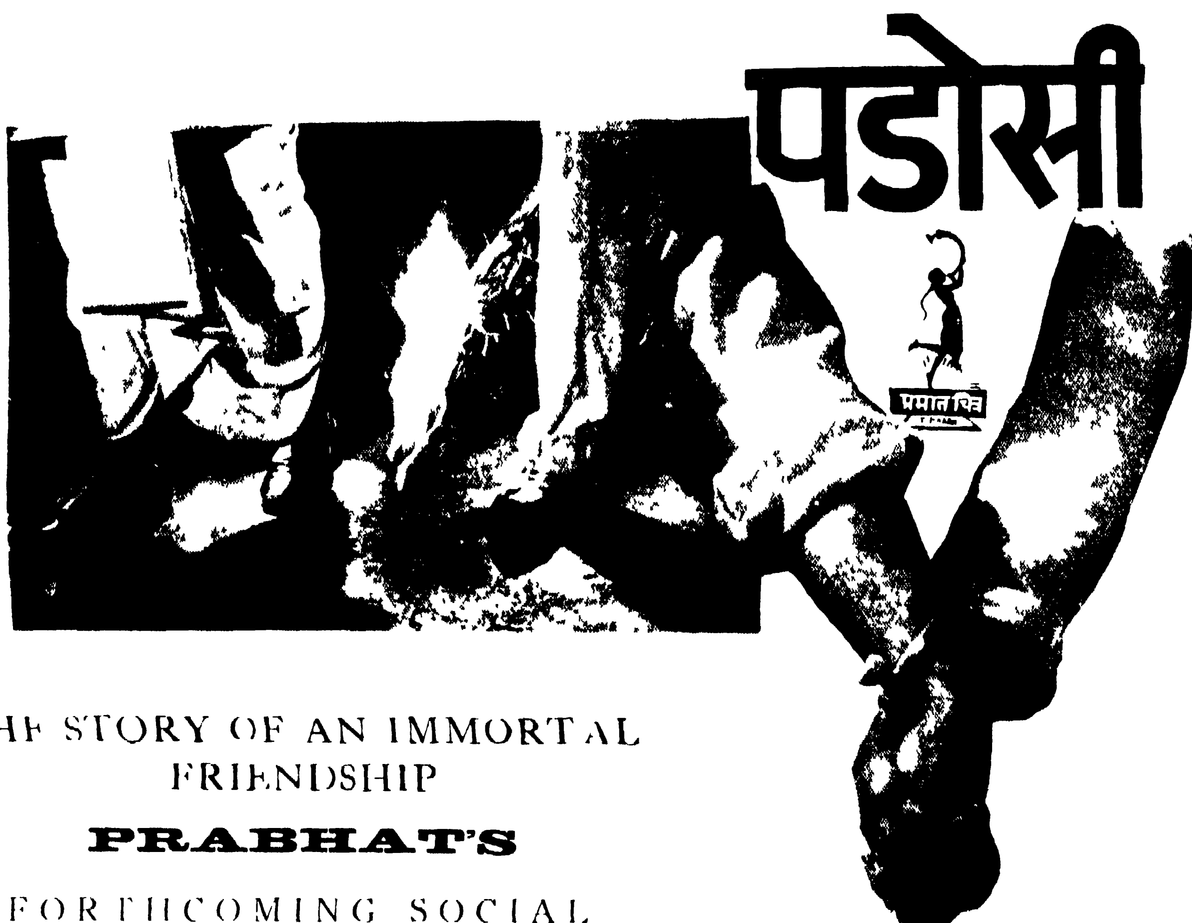
اصل رکاوٹیں کیا ہیں؟ سب سے بڑی اور اہم رکاوٹ یہ ہے کہ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ابھی جنگ پورے طور پر شروع نہیں ہوئی۔ تو پھر ہر ایک چیز اور ہر ایک آدمی کو ردوبدل کرنے کی



ملکہ
لندن کی نمائش

FRIENDSHIP IS LIKE PHOSPHOROUS--

IT SHINES BRIGHTEST
WHEN ALL IS DARK!



THE STORY OF AN IMMORTAL FRIENDSHIP

PRABHAT'S

FORTHCOMING SOCIAL

PAROSI

Directed By —V. SHANTARAM.

STARRING

ANIS SHANTA MUZUMDAR,
LAXIBAI, LASAVANTI,
KASSHYAL RADHAKISAN,
JAGIRDAR, MAZHAR KHAN,
BALVANTSING, VASANT THENGADI,
SUMITRA, BALAKRAM & GOPAL.

WATCH FOR ITS RELEASE DATE!

SHANTARAM'S NEXT OMAR KHAYYAM

کیا ضرورت ہے جبکہ اس کے از سرِ نو تنظیم کی ضرورت ہی پیش نہ آئیگی؟ مجھے مرتبہ ایک سرکاری طور پر مقرر شدہ کمیٹی میں بطور رکن شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ اس کمیٹی کے ذمے یہ کام تھا کہ جنگی تیاریوں کے سلسلے میں اقتصادی معاملات کی پوری پوری تفصیلات مہیا کی جائیں چنانچہ مجھے اس تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا کہ کم و بیش ہر ایک انہی محسوسات کا حامل ہے ہر ایک شخص خواہ کارخانوں کے مالک یا کارخانوں کے مزدور، تجارت پیشہ لوگ یا معمولی کارکن سب کام کرنے کے خواہشمند ہیں مگر ان سب کے دلوں میں وہی خدشہ تھا کہ شاید انکی خدمات کی ضرورت محسوس ہی نہ ہو۔ میرے خیال میں گویا ان سب کی طرف سے یہ جواب تھا کہ اس طرح کی تبدیلی کرنا قمار بازی کے مترادف ہے جس میں نقصان کا بھی احتمال ہو اگر ہم کام کو اسی طرح جاری رکھیں جیسا کہ اب جاری ہے تو جرمنی نہایت اطمینان سے ہمیں اپنے ذرائع کا محفوظ ذخیرہ نہایت تیزی سے خرچ کرتا دیکھ سکتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ہم نے ابھی تک اس کمی کو پورا کرنے کیلئے قدم نہیں اٹھایا ہے

مردوں کا رویہ

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کی ملازمتوں کے سلسلے میں مرد کارکنوں اور ان کی مختلف انجمنوں کا رویہ کیا ہے۔ کیا عورتیں مستقل طور پر مردوں کی قائم مقام ہو کر کارخانوں اور دیگر اداروں میں کام کرینگی۔ اس سلسلے میں طرفین طول طویل استدلال پیش کرتے ہیں۔ مگر جنگ کے دوران میں دلیلوں کو برطرف کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے کا ظاہرا طور پر یہ حل نظر آتا ہے کہ مرد کارکنوں کی انجمنوں کے خدشات دور کردیئے جائیں اور مردوں کی جگہ کام کرنے والی عورتوں کو اسی شرح سے مزدوری دیجائے جس شرح سے کہ مردوں کو دیجاتی ہے۔

جب یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم جرمنی کے ساتھ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ تو پھر ہمیں اس مسئلے پر زیادہ توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے چھ ماہ کی جنگ کے بعد وزارت لیبر نے ایک اسکیم کا اعلان کیا جسکی رو سے ایک سال کے عرصہ میں چالیس ہزار مزدوروں کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ ان میں وہ لوگ شامل ہوسکتے تھے جو [illegible] سال سے اوپر عمر رکھتے ہوں۔ صرف انہی لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا جو ۱۶ اور ۲۵ سال کی درمیانی عمر رکھتے ہوں۔ اس تجویز کے ماتحت جن لوگوں کو تعلیم دیجائیگی وہ ایسے ہوں گے کہ اگر تعلیم ختم

ہندوستانی عورتو!
دعاء کرو کہ اس جنگ میں دشمنوں کو بری طرح شکست ہو ہندوستانی مردوں کے قلب میں نازیت کے خلاف جنگ کرنے اور بہادری سے میدان جنگ میں ڈٹے رہنے کا جذبہ موجزن ہو۔ اور جب وہ فتحمندی کا ہار پہنے ہوئے میدان جنگ سے خوش خوش اپنے وطن واپس آئیں تو "ہندوستانی بہادر زندہ باد" کے نعروں سے فضا گونج اٹھے۔

ایڈیٹر چونچ



ہونے سے پہلے بھی ان کو طلب کیا جائے تو یہ مفید ثابت ہو سکیں اگر حکومت یہ چاہتی ہے کہ لوگوں کو پوری پوری تعلیم دیجائے تو پھر ان کو ایسی تعلیم دینا پڑے گی اور ان کو اپنے فنوں کا ایسا ماہر بنا دینا پڑے گا جیسے کہ وہ ماہرین ہیں جن کو نجی ادارے زیادہ مشاہروں اور مراعات کا لالچ دے کر ایک دوسرے کے ہاتھ سے اچک لیتے ہیں۔

مداوا کی صورت

ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس تمام مسائل کا مداوا کیا ہے؟ یونینوں کے ساتھ کامل اشتراک کرتے ہوئے۔ اُس جنگی سامان کی تیاری کے لئے کارخانے جاری کر دینے چاہئیں جس کی حال میں ضرورت ہے یا مستقبل قریب میں ضرورت پیش آسکتی ہے۔ جو عورتیں اس سے پہلے تجربہ رکھتی ہیں یونین کی ہدایات کے مطابق ان کو فوراً کام پر لگا دیا جائے اور ان کی خدمات سے فوری طور پر فائدہ اٹھایا جائے چنانچہ اس طرح دیگر اہم تر کاموں کے لئے مردوں کی کافی تعداد مہیا ہوسکے گی۔ مگر اس کام کو اس طرح سرانجام دیا جائے کہ جو کام جاری ہو اس میں کسی قسم کی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اور اسی دوران میں عورتوں کو باربرداری، دوا سازی اور ہلکے قسم کے سامان کی تعمیر پر لگایا جائے۔ مگر یہ کام اس طرح سرانجام دیا جائے کہ یہ عورتیں کچھ عرصہ مردوں کی موجودگی ہی میں کام کا ڈھب سیکھیں۔

کارخانوں کے مالکوں کو کیا کرنا چاہیئے

کارخانے کے ملازمین اور دیگر اداروں کے منتظمین پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عورتوں کو کام کرنے کی تعلیم دیں۔ بجائے اس کے کہ پارلیمنٹ کے ممبر دوں کو طلب کریں اور گفت و شنید میں وقت ضائع کریں۔ اس عرصے میں عورتوں کی خدمات بہت مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ اگر ان معاملات میں وزارت لیبر ذرا زیادہ احتیاط سے کام لیتی۔ تو لاتعداد بیکار عورتوں کو کام پر لگایا جا سکتا تھا اور ضرورت کے وقت ان سے استفادہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ زنانہ ممبران پارلیمنٹ کو اس امر پر خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کرنی پڑی کہ وزارت لیبر سے یہ وعدہ لے لیا جائے کہ جب عورتوں کی خدمات کی ضرورت پیش آئے تو سرکاری طور پر یا سرکاری محکموں کی طرف سے ان کے لئے ایسی عورتوں کے نام پیش کئے جائیں

جو کسی نہ کسی اسکیم کے مطابق تعلیم یافتہ اور کام کرنے کی اہلیت رکھتی ہوں۔

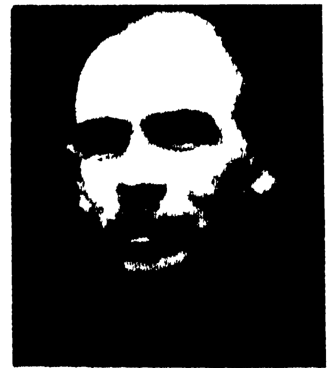
شادی شدہ عورتوں کی پوزیشن

مگر حالات سے ظاہر ہے کہ مزید عورتوں کی خدمات کی ضرورت پیش آئے گی چنانچہ اس موقع پر شادی شدہ عورتوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اکثر عورتیں تو طلبی کی صورت میں فوراً آنے پر آمادگی ظاہر کریں گی۔ مگر ہزارہا عورتیں جنگ کے سلسلے میں مصروف کار ہیں۔ اسکول کے بچوں کا تخلیہ ہو جانے کی وجہ سے اور بھی زیادہ عورتوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مزید لاتعداد عورتیں جنگ کے سلسلے میں کام کرنے کے لئے آمادہ ہونگی اگر ان کو یقین دلادیا جائے کہ اُن کے بچوں کی پوری پوری نگہداشت کی جائے گی۔ گذشتہ جنگ عظیم کے موقع پر سامان جنگ کی تیاری کے مرکزوں خصوصاً برمنگھم، مانچسٹر اور خصوصاً مانچسٹر میں بچوں کی نگہداشت اور تعلیم کیلئے اسکول اور بورڈنگ ہاؤس جاری کردیئے گئے تھے۔ وزارت آلات حرب کی تسلی کے لیے سامان جنگ کے بڑے بڑے کارخانوں کے مالکوں کو بچوں کے لیے ایسی مد کی مراعات کا بندوبست کرنا پڑا تھا۔ چنانچہ ان انتظامات کے ماتحت بچوں کی پوری پوری نگہداشت کی جاسکے اور ان کی مائیں تسلی اور اطمینان سے کارخانوں میں کام کرتی رہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ انتظامات ابھی سے شروع کردیئے جائیں۔ مگر ابھی تک یہ حالت ہے کہ مائیں جب تھکی ماندی گھروں کو واپس آتی ہیں تو پوری طرح بچوں کی غور پرداخت کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ وزارت لیبر کو وزارت صحت عامہ سے اشتراک کرکے اس کام پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے کہ جو عورتیں کارخانوں میں کام کریں ان کو صحت کی برقراری کے لئے پوری پوری طبی ہدایات بہم پہنچائی جائیں، اچھی صحت، سرکاری طور پر اچھی غذا راشن، مناسب اور معقول اجرتیں، بچوں کی غور پرداخت کا کام اور کام کی زیادتی کے متعلق پابندی یہ سب غیر ضروری امور نہیں، بلکہ اس جنگ میں فتح حاصل کرنے اور امن و امان کے زمانہ کے لئے قوم کو محفوظ رکھنے کا دارومدار بڑی حد تک انھیں باتوں پر ہے۔ یہ مراعات اگر دیدی جائیں تو ضرورت کے مطابق عورتوں کی خدمات کافی حاصل ہو سکیں گی۔ یہ مراعات نہ صرف کارخانے میں کام کرنے والی عورتوں کو دی جائیں بلکہ دفاتر میں کام کرنے والی عورتوں کو بھی ان سے مستفیض ہونے کا موقع دیا جائے۔ مگر اس خواب کی تعبیر اس صورت میں پوری ہو سکتی ہے جبکہ سرکاری محکموں میں مناسب تبدیلی کردی جائے موجودہ حالات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم عورتوں کی خدمات سے ماحقہ مستفید نہیں ہو رہے ہیں۔

امن کیا یہ ممکن ہے؟

دُنیا کے مشہور مدبرین و مفکرین کے خیالات

کیا جنگ ہی انسانیت کو امن کے راستے پر لیجائیگی؟


JOHN MAYNARD KEYNES

جان مینارڈ کینس
(مشہور انگریز ماہر معاشیات)

صلح عمومی صرف دو صورتوں میں ہی ممکن ہے۔ وہ اقوام جو صلح کی حقیقی اور مستقل خواہش رکھتی ہیں ان کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے اس جذبے کے تحفظ کیلئے متحد ہو جائیں۔ ان کا ہر اقدام اس درجہ موثر ہونا چاہئے کہ جنگ کی حامی شخصیتیں اپنے خیالات کو دیوانگی اور جنون پر محمول کرنے لگیں۔

لیگ آف نیشنز کی تعمیر اسی غلط قیاس کی بنیاد پر ہوئی ہے کہ دنیا کی تمام اقوام قطعی طور پر امن صلح اور انصاف کی طرفدار ہیں۔ لیگ کی آغوش تمام اقوام کیلئے وا کردی گئی۔ حالانکہ اسے صرف انہی اقوام کیلئے کشادہ ہونا چاہئے تھا۔ جو درحقیقت امن پسند ہیں موجودہ دور میں اگر تمام اقوام ظاہرداری سے ہی امن کی حمایت کرتی رہتیں تو بھی کسی حد تک غنیمت تھا۔ مگر ستم بالائے ستم تو یہ کہ کئی اقوام اعلانیہ طور پر جنگ کی حمایت میں کمربستہ ہو گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لیگ رفتہ رفتہ کمزور پڑتی جارہی ہے۔ اور اب صرف "حقیقی امن پسند" جماعتیں ہی اس سے وابستہ نظر آتی ہیں۔ لیکن مجھے مسرت ہے کہ یہ صورت حال حوصلہ افزا ہے۔ اور مستقبل قریب میں یہی چیز بجائے تنزل کے عروج اور ترقی کا باعث ہو گی۔

سب سے بیشتر یہ امر حد درجہ ضروری ہے۔ کہ مفسد طاقتوں کو بے ہتھیار کر دیا جائے اور اس کے برعکس امن اور صلح کی حامی جماعتیں اپنی فوجی تنظیم کو حد درجہ مضبوط اور اپنے آپ کو جدید کیمیائی آلات حرب سے مسلح کردیں۔ اور اگر پہلی صورت ناممکن ہو تو کم از کم امن پسند اقوام کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ مخالفین سے زیادہ قوت کی حامل ہوں۔ لیکن آہ یہ ایک خواب ہے کیونکہ موجودہ لیگ قطعی بے بس اور تنہا رہ گئی ہے۔ اگر ریاست ہائے متحدہ کی اعانت اس کے شامل حال نہ ہو۔

تاہم ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ امریکہ خود اپنی اندرونی مشکلات میں اس درجہ گھرا ہوا ہے کہ وہ بیرونی دنیا کے مصائب سے بہت دور رہتی کہ صحیح تہذیب و تمدن کی تباہی سے بھی بے نیاز رہنا چاہتا ہے۔ اور اسی لئے کسی ضروری اور موثر اقدام کے قابل نہیں۔

(یہ رائے جنگ سے ایک سال بیشتر کی ہے۔)

DONT DO IT

ایسا نہ کیجئے

50/-'s Achkan and two annas cap.

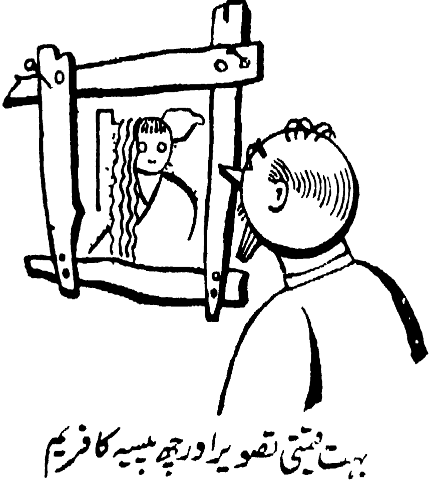


بہت قیمتی شیروانی اور دو آنے کی ٹوپی

23/-'s pipe and five annas a pound tobacco.

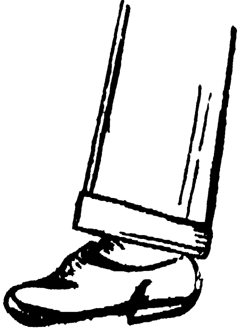


18/-'s picture and six pice frame.



بہت قیمتی تصویر اور چھ پیسہ کا فریم

30/-'s pant and six annas shoes.



تیس روپے کی پتلون اور چھ آنے کا جوتا

BUT

ADVERTISE IN CHONCH WEEKLY

1941.

	January.	February	March	April.	May.	June.
Sun.	5 12 19 26	2 9 16 23	30 2 9 16 23	6 13 20 27	4 11 18 25	1 8 15 22 29
Mon.	6 13 20 27	3 10 17 24	31 3 10 17 24	7 14 21 28	5 12 19 26	2 9 16 23 30
Tue.	7 14 21 28	4 11 18 25	4 11 18 25	1 8 15 22 29	6 13 20 27	3 10 17 24
Wed.	1 8 15 22 29	5 12 19 26	5 12 19 26	2 9 16 23 30	7 14 21 28	4 11 18 25
Thur.	2 9 16 23 30	6 13 20 27	6 13 20 27	3 10 17 24	1 8 15 22 29	5 12 19 26
Fri.	3 10 17 24 31	7 14 21 28	7 14 21 28	4 11 18 25	2 9 16 23 30	6 13 20 27
Sat.	4 11 18 25	1 8 15 22	1 8 15 22 29	5 12 19 26	3 10 17 24 31	7 14 21 28



ANDRÉ MAUROIS

اینڈرے ماؤرس

(مشہور فرانسیسی مورخ)

انسانی زندگی میں کوئی چیز بھی مستقل اور دائمی نہیں ہے قوانین، عدالتیں اور جرائم کی پاداش میں ہولناک سزائیں بھی جرائم کا قلع قمع نہ کرسکیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ نسبتاً ان میں کمی واقع ہوگئی ہے اور انسانیت کے لئے کسی حد تک سکون کی فضا کو سازگار کر دیا گیا ہے۔

موجودہ جنگ جو ہولناک ترین سامان اسلحہ کی مدد سے جاری ہے، عنقریب اس قدر خوفناک اور تباہ کن ثابت ہوگی کہ اگر انسان اپنی تہذیب و تمدن اور زندگی کی بقا و تحفظ کا خواہاں ہے تو اسے ہر ممکن طریقہ اور کوشش اس کی مدافعت اور روک تھام پر کرنی پڑے گی۔

لیگ آف نیشنز یقیناً مفسد طاقتوں کیلئے نازیبا الضاف ثابت ہوئی، لیکن کیا اسے تمام مہذب اقوام کی عملی حمایت حاصل ہے۔؟

ریاست ہائے متحدہ نے اس میں شرکت کرنے سے انکار کرکے اسے دنیا کی ایک زبردست طاقت کی معاونت سے محروم کر دیا ہے۔

حکومت برطانیہ نے اپنی ۱۵ سالہ غفلت کا احساس کرتے ہوئے اب اس میں سرگرمی اور جوش و خروش سے حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ لیکن فرانس تاحال اپنی مجبوریوں میں گرفتار ہے۔

تجربات اس امر کے شاہد ہیں کہ معاہدات کو کس بری طرح توڑ ڈالا گیا۔ اور اس بدعہدی کا بھی ایک سخت اور ہولناک انتقام لیا جانا چاہیئے۔ لیکن ہم ایسے ذرائع سے قطعی محروم ہیں۔

موجودہ صورت حال میں اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ لیگ آف نیشنز کی کچھ اس طرح تشکیل کی جائے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ بھی اس میں شمولیت کے لئے متفق ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو پھر کسی یورپین فیڈریشن اسکیم کی تخلیق کی جائے۔

لیکن مجھے خوف ہے کہ انسانیت تاحال اتنی تجربہ کار نہیں ہوئی کہ جنگ کے نتائج کا خوفناک سبق حاصل کئے بغیر اپنے آپ کو مفسد اور ہلاکت خیز طاقتوں سے مامون رکھنے کے لئے مستعد ہو جائے۔



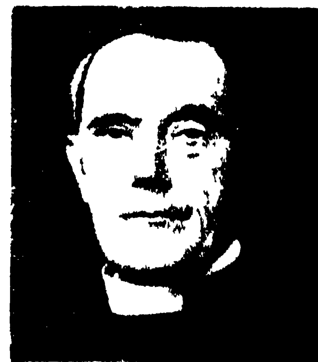
MRS. ROOSEVELT

مسز فرینکلن ڈی روزویلٹ

(ریاست ہائے متحدہ کے موجودہ صدر کی بیوی)

مستقل صلح عمومی کا اب بھی امکان ہے۔ اگر ساری دنیا اس امر پر متحد و متفق ہو جائے کہ ایک لا انتہائی سکون بجائے فیصلہ کن جنگ کے امن کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

ہمیں اس امر کی قطعی توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ معاہدات میں ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن ان وجوہات پر غور و خوض کرنے کے لئے عوام سنجیدہ اور ذی حس نمائندوں کی ایک انجمن کی ضرورت ہے جو ٹھنڈے دل سے دنیا کی تغیرات پر نظر ڈالتے ہوئے معاہدات کی وقتی اور محلی تبدیلیوں کو متحدہ طور پر عمل میں لائیں یہ ایک لازمی بات ہے کہ معاشی ضروریات ہمیشہ نت نئے انقلاب پر آمادہ رہینگی لیکن اگر ہمیں اس چیز کا احساس ہوجائے کہ اکثریت کا وقتی مفاد اقلیت کے طویل مفاد سے کہیں زیادہ بہتر ہے تو ہم موجودہ سیاسیات کے اہم مسائل کا آسان ترین حل پا سکتے ہیں۔



THE REVEREND DOCTOR W. R. INGE

ڈاکٹر ڈبلیو آر۔ انگے

ہمیں ۱۹۱۸ء سے ابتک اتنی ناکامیوں اور مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اگر ہربرٹ سپنسر کے یہ الفاظ ہمارے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پناہ گزیں ہوچکے تھے۔

کیا کوئی سیاسی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو مذہبی فارمولوں سے حل نہ کیا جاسکے۔

انسانوں اور قوموں کو نیک مردی ہی حفاظت میں رکھ سکتی ہے موجودہ سیاسی مشن مہذب اقوام کی باہمی جنگ کا ایک ناقابل معافی گناہ اور خوفناک جرم ہے۔ سول وار دنیا کی ایک عظیم جنگ تھی۔ لیکن ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ وہ سوائے زمین کی تقسیم کے اور کسی اہم مفاد کی حامل نہ ہوسکی۔ یہ مفسدوں کے لیے ایک عبرتناک سبق تھا۔

تجربات اور جانبازوں کا مسلسل حصول یورپ کو بجائے روشنی کے تاریکی میں ڈھکیل رہا ہے۔ میرے خیال میں اس ناعاقبت اندیشی کی صرف مندرجہ ذیل وجوہات ہی ہوسکتی ہیں۔

(۱)۔ انسانیت دہریت کی عامل بنتی جارہی ہے اور اس مرض کا علاج کچھ اتنا سہل نہیں۔ جتنا سمجھا جارہا ہے۔

(۲)۔ بیجا خوف لیکن اس کی بنیادیں حد درجہ گہری ہوتی ہیں

(۳) خام تمناؤں کے حصول کی کوشش۔

لیکن ان وجوہات کا رد کسطرح ممکن ہو؟ اسکی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) ہر شخص کو غیر ممالک کے متعلق معلومات کا کافی ذخیرہ اپنے دماغ میں محفوظ رکھنا چاہیے۔ مثلاً کوئی ایسا انسان جو فرانس جرمنی امریکہ اٹلی روس وغیرہ ممالک کی سیاحت کرچکا ہو۔ یہ دیکھکر کہ وہاں بھی اسی جیسے گوشت پوست والے انسانوں کی آبادی ہے کسی مہلک یا خطرناک اقدام سے یقیناً گریز کرے گا (۳) اس چیز کا احساس ہونا چاہیئے کہ جنگ ہمیشہ نقصان ہی کا باعث ہوتی ہے اور جنگ صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو کچھ ضائع ہونے کیلئے رکھتے ہیں ورنہ اقتصادی و معاشی نقصانات انسانیت کو حد درجہ تکالیف میں مبتلا کردیتے ہیں۔ (۳) انسانوں کی باہمی جنگ ہمیشہ نقصان ہی کا باعث ہوتی ہے اور انسانوں کو حیوانوں سے کہیں زیادہ بلند ثابت ہونا چاہیے۔

عیسائیت بیشک ان امراض کا مکمل اور بہترین علاج ہے لیکن ہم دو ہزار سال سے یہ بات جانتے ہوئے بھی اس پر عامل نہیں ہوتے



YUGO DE INZEO

یوگو ڈی انزیو (امریکہ کی اطالوی لیگ کا صدر)

عالمگیر صلح تبھی ممکن ہے۔ جب کہ عوام اقتصادی خوشحالی و بدحالی کا صحیح موازنہ کر سکیں۔ آلات حرب کو زیادہ وسیع پیمانہ پر ترقی دینے کی حامی شخصیتیں کیوں اس امر کو محسوس نہیں کرتیں؟ کہ ایک طاقت ور اور مسلح یقیناً وقت آنے پر اپنی طاقت اور اپنے اسلحہ کو غریب و بے بس گروہ ہی پر استعمال کر سکتا ہے۔ سیاسی بین الاقوامی تعلقات ان غلط بنیادوں پر استوار کئے گئے ہیں۔ کہ ان اقوام کو دبایا جائے جو بذات خود جنگ کے خلاف ہیں حالانکہ یہ دباؤ ان اقوام کیلئے ہوتا ہے جن کے دل و دماغ میں یہ خیالات پرورش پا رہے ہیں کہ ہر وہ چیز جو امن کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جنگ کے ذریعہ حاصل کی جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ بعض اقوام اس امر کی فطری خواہش کی حامل ہیں کہ بلا قدرت انسانیت کے امن و سکون کو برباد کر دیا جائے۔ تاریخ اس بیان کی شاہد ہے کہ معاشی ذرائع اور معاشیات کی ترقی جنگ جیسی وسائل کی ترقی سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اگر صلح سے معاشی اقتصادی فوائد حاصل ہو سکیں۔ ایشیا اور دنیا جنگ کے خطرے سے محفوظ ہو جائے تو دنیا کی جملہ اقوام امن، قدرت اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی ہوتیں۔



HAVELOCK ELLIS

ہیولاک ایلس

(مشہور فلسفہ دان)

دنیا کا نظریہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن مجھے اس امر میں مطلقاً شبہ نہیں کہ مستقل امن ممکن ہے۔ جب کہ اس کے حصول کی خواہش عوام میں عدد رجہ بلند ہو جائے گی۔

دنیا کی تاریخ کا ایک عہد ایسا تھا جب کہ جنگیں بالآخر اقتصادی فوائد اور باہمی تعاون و تنظیم کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ لیکن اب حالات اس سے بالکل مختلف ہیں۔ موجودہ دور چونکہ گذشتہ ادوار سے کہیں زیادہ تہذیب و ترقی کا حامل ہے۔ اس لیے جنگ ایک حد درجہ رذالت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

دنیا کی بڑی اقوام کی متحدہ کوششیں خواہ وہ موجودہ زمانے سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں، دنیا میں صلح و ملاپ کے ذریعے فیصلہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔

اب عوام کا فرض ہے کہ وہ ہوا چاہیں کہ وہ آسان۔

اور بالخصوص ذرائع سے دوسروں پر اس امر کو واضح کر دیں کہ جنگ بالآخر تہذیب و تمدن کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔



ERNEST DIMNET

ارنسٹ ڈمنٹ

(مشہور کتاب The Art of Thinking کے مصنف)

موجودہ ہولناک گھڑیوں میں ایک بار پھر اس امر کی بابت یقیناً انتہائی مناسب ہوگی کہ کیا مستقل و عالمگیر امن ممکن ہو سکتا ہے؟ ہاں۔ یہ ممکن ہے۔

صرف ذہنی شخصیتیں جو جذباتی طاقت کی حامل ہیں اور جن میں کسی معاملے پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے کی قوت کا فقدان ہے۔ آج تک۔ دنیا میں جاری رہنے والی تباہی پیچیدگیوں کے متعلق ذاتی منفعت کی بنا پر نظر رکھتی ہیں۔

ایسی شخصیتوں کے دلائل اکثر یہی ہوتے ہیں کہ۔

"انسان ہرگز فرشتہ نہیں ہو سکتے"

"عوام کا نادان دہشت پسندی ... ... طبائع سے رشک و حسد کے جذبات دور نہیں ہو سکتے ... شہنشاہیت کی ظاہریت ہر ایک کو متاثر کر دیتی ہے"

ایسوں کو بتا دیجئے کیونکہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہزار سال سے بیشتر کے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ امن ممکن ہے۔ انسانیت ... ... اخلاق ... نہیں ہوئی کہ بھائی چارہ اور یکجہتی کی خواہش سے بے نیاز ہو جائے۔

ہر تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا ... اس امر سے واقف ہے کہ اقوام ہمیشہ نیکی اور سچائی کا طرف دار ہوتا ہے۔ تو آغاز میں مفسد طاقتوں کی چیرہ دستیاں کتنی ہی ناقابل برداشت ہوں۔

لیکن ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ایسے نیک نظریے اور خیالات رکھنے والوں کو متحد کیا جائے۔

دنیا نے آج سے پیشتر کبھی اتنی شدت سے جنگ ...

بیزاری کا اظہار نہیں کیا۔ کیوں نہ نفسیات کے فارمولوں سے ان سوالوں کو حل کیا جائے۔ جب کہ ایسا کرنا کچھ مشکل بھی نہیں۔



OSWALD SPENGLER

اسوالڈ سپنگلر

(مشہور جرمن فلسفہ داں)

اس اہم سوال کا جواب کہ کیا صلح عمومی ممکن ہے تاریخی کتب کے عمیق مطالعے کے بعد ہی دیا جا سکتا ہے

تواریخ کے عمیق مطالعے سے میرا یہ مطلب ہے کہ "انسان کی صحیح فطرت دور ماضی میں۔ اور دور مستقبل میں۔ ماضی کے حقائق کی بنیاد پر۔ نظریات کی تعمیر"

یہیں اختلافات کی بھی گنجائش ہے بعض اشخاص تو شاید اسے سمجھ سکیں گے و بعض محض تعصب، عقیدت اور باقی ماندہ صرف اپنی خواہش سے موسوم کریں گے۔ "یعنی ایسا ہونا چاہیئے" امن ایک خواب ہے اور جنگ حقیقت لیکن انسانی تاریخ شاہد ہے کہ ہر خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا کرتا۔

حیوانوں اور پرندوں میں بھی زندگی ایک جنگ ہے انسانوں میں حق اور باطل کے مابین سوسائٹیوں، جماعتوں، ریاستوں، ملکوں اور طبقوں میں ہمیشہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں کبھی افواجی۔ کبھی مباحثہ اور کبھی کاروباری۔ لیکن ہر حال میں مقصد صرف انصاف اور مفاد ہی کا حصول ہوتا ہے۔

یہ ایک آشکارا حقیقت ہے کہ آج امن کے حامی صرف انگریز ہی ہیں۔ لیکن انھوں نے ہمیشہ ہی ایسا کیا ہے۔ گو ابتک ان کی کوششیں مستقل امن کی حامل نہیں ہو سکیں۔ اور ہوتیں بھی کیسے؟ جب کہ باقی ماندہ ساری دنیا دہشت پسندی کی آغوش میں پرورش پا رہی ہے۔

جب تک انسانیت ترقی کے زینوں پر چڑھتی جائیگی جنگیں لازمی ہیں۔ اب صلح کی حمایت کرنیکا یہی مقصد ہے کہ اپنے حقوق، اپنے مفاد۔ اور اپنی زندگیوں کو ان طاقتوں کے

حوالے کر دیا جائے جو صلح کی حامی نہیں ہیں۔

اگر یہ جنگ ایشیا میں ہوئی ہوتی تو بھی سارا یورپ اس میں جا کودتا۔ کیوں اب یہ امن و سکون کی زندگی سے مطلقاً بیزار دکھائی دیتا ہے۔ امن محض ایک "تصور" ہی رہے گا۔ اور جنگ ہمیشہ "حقیقت"۔ اور اگر اقوام یورپ اس میں حصّہ نہ لیتی رہیں تو یہ ایشیا کی طرف بڑھ جائیگی۔ اور پھر یورپ پر بھی ایشیائی طاقتوں کا قبضہ ہو جائیگا۔



SALVADOR DE MADARIAGA

سالویڈر۔ ڈی۔ ماڈاریاگا
(لیگ آف نیشنز کا ہسپانوی سفیر)

مستقل امن اب زیادہ دور نہیں ہے۔ لیکن اگر امن سے یہ مراد ہے کہ ایک طویل عرصہ تک انسانیت غفلت کی نیند سو جائے اور اپنے بازوؤں کو بیکار اور ہتھیاروں کو زنگ آلود کر دے تو یہ بیشک قطعی ناممکن ہے۔

دُنیا کا ایک اہم اور طاقت ور ملک کافی عرصہ سے عروس امن سے ہمکناری کی لذتیں لوٹ رہا ہے۔ اور وہ ہے۔ امریکہ۔ لنکن کے عہد سے اب تک امریکی باشندے سکون اور اطمینان کی زندگی گذار رہے ہیں۔

امن کا ہر کس و ناکس خواہشمند ہے لیکن اس کے حصول کی رائیں بہت مختلف ہیں۔ لازمی نہیں کہ ہر قوم اسی نظریے کو پسند کرے۔ جو کہ بین الاقوامی قانون مقرر کر دے۔

امن تب تک ممکن نہیں، جب تک کہ سب اقوام ایک ہی فیصلہ پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ اتفاق بھی تب تک ممکن نہیں جب تک کہ ساری دنیا کے افراد ایک دوسرے کو مختلف ممالک کے باشندے سمجھنے کے بجائے محض دنیا کے باشندے نہ سمجھنے لگیں۔ اس صورت میں حب الوطنی موجودہ تعین سے کہیں بلند ہو جائیگی۔ اور یہ یقینی ہے کہ صرف حب الوطنی ہی امن کی کافی ضمانت ہے۔

دنیا تہذیب آموز، اور محبت کا احساس پھیلایا جائے۔ دنیا مختلف اقوام کے وطنوں کا مجموعہ ہے۔ اور جب مختلف اقوام اس مجموعے کو وطن سمجھنے لگیں گی۔ امن لازمی اور یقینی ہے۔



MAHATMA GANDHI

مہاتما گاندھی
(مشہور ہندوستانی رہنما)

مستقل امن کے متعلق اپنے دل میں کسی قسم کا شبہہ کرنا انسانی فطرت کی بلندی کا مضحکہ اڑانا ہے۔

یہ بیشک حقیقت پر مبنی ہے۔ کہ بہت سے ذرائع اس کے حصول میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اسکی اہم وجہ یہی ہے کہ بعض شخصیتوں میں انسانی ہمدردی کا فقدان ہے۔ لیکن انہیں شاید تا حال اس کمی کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ اگر انسانیت کے چیدہ رہنما اپنی جملہ کوششوں کو اس امر کیلئے وقف کر دیں کہ انھیں یہ احساس دلایا جائے تو امن ممکن ہے یہ صورت حال حد درجہ تشویشناک ہے۔ کیونکہ بعض اقوام میں انسانیت کا مادہ مفقود ہوتا جا رہا ہے اور مادی فلاح کی خواہاں بنتی جا رہی ہیں یہ میرا ایمان ہے کہ برائیوں کی جڑ مادیت نوازی ہے۔

انسانی تصویر کا یہ دردناک ترین پہلو ہے کہ وہ اقوام جو جنگجو امن کے دیوتا پر یقین رکھتی ہیں۔ عملی زندگی میں اس کی ہر ممکن نافرمانی کر رہی ہیں۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ عیسائیت کے پیرو مسیح کے ان الفاظ کو کہ "اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی سامنے کر دو" بُری طرح سے پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔

مجھے بچپن سے یہی سکھایا گیا ہے۔ اور یہ میرا آزمودہ بھی ہے۔ کہ:۔

"انسان کی انکساری تہذیب کی بلندی ہوتی ہے"

آج اگر چہ دہشت پسند اقوام باطل کی فتح پر تلی ہوئی ہیں تو ہم میں سے ہر شخص مستقبل قریب میں دیکھ لے گا کہ:

ان کی سعی ناکام ثابت ہوگی اور صلح عمومی کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔



LIN YU T'ANG

لن۔ یوٹینگ
(مشہور کتاب My Country And any People کا چینی مصنف)

صلح عمومی موجودہ دور میں قطعی ناممکن ہے۔ اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) ہم خریدتے اور فروخت کرتے ہیں انٹرنیشنلسٹ کی حیثیت سے۔ مگر خیال اور احساس کرتے ہیں نیشنلسٹ کی حیثیت سے۔

(۲) ہم صرف آدھے سوچنے اور آدھے محسوس کرنے والے جانور ہیں۔ ہماری عملی زندگی کا ہر پہلو بہیمانہ خصلتوں کا آئینہ دار ہے۔ خوف غصّہ۔ اور انتقام۔ یہ جانوروں کی ہی خصلتیں ہیں۔ اور ہم میں یہ بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور جب تک یورپ پر ان تینوں خصلتوں کے حامل۔ حیوان ہٹلر مسولینی۔ اور اسٹالن حاوی ہیں۔ جنگ قطعی اور لازمی ہے۔

(۳) تمام بین الاقوامی انجمنوں کے نمائندے اپنی اپنی قوم کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اور مجموعی مفاد کسی کے بھی پیش نظر نہیں ہوتا۔

(۴) فاشیزم جنگ کے وعدے پر قائم ہے اور یہ اپنی چیک ضرور واپس لے لیگی۔

مستقبل عالمگیر صلح کے اگر امکانات ہیں۔ تو صرف مندرجہ ذیل صورتوں میں:۔

(۱) جب اقوام یورپ میں قوت احساس بیدار ہوگی۔ اور وہ کچھ عقلمندی سیکھنے کی کوشش بھی کریں گی۔

(۲) جب مفکرین سیاسیات میں حصّہ لینا شروع کر دیں گے۔ اور شریف انگریزوں۔ بدمعاش فرانسیسیوں جرمنوں۔ روسیوں اور اطالویوں کو انصاف کا سبق ازبر یاد کرا دیں گے۔

تہذیب و تمدن اور جنگ

لوگ جتنے زیادہ مہذب ہوں گے اتنی ہی جنگ میں کمی واقع ہوگی۔ بہت سے مفکرین نے ایسا ہی کہا ہے، مگر اب ہارورڈ یونیورسٹی کے دو شوشل تعلقات کے ماہرین سیاست نے اس نظریہ کو رد کر دیا ہے۔ ان دونوں ماہرین کا قول ہے کہ آئندہ کی جنگ موجودہ جنگ سے کہیں زیادہ خوفناک ہوا کرے گی اور ان کی روک تھام صرف معجزے یا جادو ہی سے کی جا سکتی ہے۔ ورنہ نہیں، جنگ کی رفتار میں کمی ہونا تو درکنار، جوں جوں قوم ترقی کے منازل طے کرتی ہے جنگوں کی تعداد اور خوفناکی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ جب سے انسان کی تاریخ شروع ہوئی ابتک جنگ بد سے بدترین صورت اختیار کرتی چلی آئی ہے۔

جن دو ماہرین نے اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے ان میں سے ایک پروفیسر پیترم سوگورن ہارورڈ یونیورسٹی میں شعبۂ سوشیولوجی کے چیرمین ہیں۔ دوسرے مفکر کا نام نکولس این گلوون ہے۔ پروفیسر گلوون روس کی شاہی افواج کے لفٹننٹ جنرل کے عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں۔

گزشتہ ۲۴۰۰ سال کے دوران میں ابتک یورپ، یونان قدیم اور رومی سلطنت نے جتنی جنگوں میں حصہ لیا، ان تمام جنگوں کا مطالعہ کرنے کے بعد دونوں ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، گویا دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہوا کہ سنہ قبل مسیح سے لے کر سنہ ۱۹۲۵ء تک جو جنگیں لڑی گئیں ان کو مد نظر رکھ کر مندرجہ بالا حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ اس ۲۴۰۰ سال کے عرصے میں، یونان، روم، وسطِ یورپ، جرمن، اٹلی، فرانس، برطانیہ عظمیٰ، ہسپانیہ، ہالینڈ اور روس میں مجموعی طور پر ۹۲۰ جنگیں لڑی گئیں، ان ۹۲۰ معرکوں میں صرف وہی خوفناک اور مہیب معرکے شامل ہیں جن کو جنگ کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ معمولی لڑائیاں اور چھوٹے چھوٹے محاربے اس کے علاوہ ہیں۔

ان دونوں ماہرین نے وسط یورپ، انگلینڈ، فرانس، روس، ہالینڈ، ہسپانیہ اور جرمنی کی جنگوں کا پانچ مختلف نقطۂ نگاہ کے ماتحت مطالعہ کیا۔ یعنی جنگ کتنے عرصہ تک جاری رہی اس جنگ میں حصہ لینے والی افواج کی تعداد کیا تھی۔ جنگ میں کس قدر مجروح اور کتنے ہلاک ہوئے۔ جنگ کتنے ممالک کے جانب سے لڑی گئی۔ متحارب ممالک کی آبادی کے سپاہی کس تناسب سے میدان جنگ کی طرف روانہ کئے گئے۔

ان دونوں ماہرین کو یقین ہے کہ انھوں نے ان جنگوں کے جو اعداد و شمار جمع کئے ہیں ان میں صرف ابتدائی پچیس یا ایک سو سال کے واقعات پر سرسری طور سے نظر ڈالنے پر معلوم ہو جائے گا کہ جنگوں میں کمی ہوتی چلی آئی ہے۔ یا اس کے برخلاف جنگوں میں لگاتار اضافہ ہوتا چلا آیا ہے۔

دونوں ماہرین کی تحقیقات سے صاف ظاہر ہے کہ بحیثیت مجموعی یورپ میں جنگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ اور بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی پچیس سال میں دنیا کو ایک ایسی جنگ کا تلخ تجربہ کرنا پڑا جو اس سے پہلے دیکھی اور سنی نہ گئی تھی۔ بارہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک مختلف قوموں نے جو مہیب جنگیں لڑیں، ان ماہرین نے مزید وضاحت کے لئے ایک نقشہ کی صورت میں اسے پیش کیا ہے۔ اس نقشے کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ نقشہ کو دیکھنے سے یہ صاف طور پر عیاں ہو جائے گا کہ اگر اس دوران میں انسانی تہذیب و تمدن نے ترقی کی ہے تو اس کے ساتھ ہی انسان کی خونخواری اور خون ریزی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ تو پھر کیا یہ تسلیم کیا جائے کہ متمدن اور مہذب لوگ خون خوار اور خون بہانے کے شائق اور درندہ صفت ہوتے ہیں؟

قطع نظر بہادری اور اولوالعزمی کی ان تمام کہانیوں کے جو یورپ کے لوگوں کے متعلق ہم سنتے رہے ہیں۔ ان اعداد و شمار پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ سترہویں صدی تک جنگ کی طرف یورپ کے لوگوں کا رجحان نسبتاً کمتر تھا۔ سترہویں صدی سے لوگوں کا رجحان جنگ کی طرف زیادہ ہو گیا۔ اور اسی طرح بڑھتا رہا حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی میں لوگوں کی طبیعت اور بھی جنگجو ہو گئی، انیسویں صدی میں جنگ کی رفتار میں معتد بہ کمی واقع ہوئی تاہم اس صدی میں جنگوں کی رفتار قرون وسطیٰ کی نسبت تقریباً ایک سو گنا زیادہ ہے۔ مگر جنگ کی رفتار آگے چل کر یعنی بیسویں



صدی کے ابتدائی دور میں جنگوں کی رفتار ایسی بلندی پر پہنچ گئی جس کا وہم وگمان بھی نہ کیا جا سکتا تھا، چنانچہ بارھویں صدی سے

لیکر انیسویں صدی تک یورپ کے ان آٹھ ممالک میں جنگوں کی رفتار وہی رہی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دور کی رفتار جنگ نے گزشتہ تمام ریکارڈ مات کر دئے۔ ان واقعات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد ایک صاحب عقل جنگ کے متعلق کیا اندازہ لگائے گا پروفیسر سوکورن اور جنرل گلوون نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ اس اصول کی تردید ہو جاتی ہے کہ لوگ جتنے تہذیب وتمدن پسند ہونگے جنگیں اسی قدر کم ہونگی، دوسرے الفاظ میں ان دونوں مفکرین کے گراں قدر الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ تہذیب وتمدن کے ساتھ انسان کا جذبہ خونریزی و خونخواری بھی بڑھ جاتا ہے۔

ان ماہرین نے اپنے نظرئیے کے ثبوت میں انفرادی طور پر ملک کی جنگوں کو پیش کیا ہے نیز اس ملک میں اسی دوران میں جتنے اندرونی ہنگامے انقلابات، بدانتظامی اور دیگر جھگڑے رونما ہوئے ان سب کو سلسلہ وار اقوام عالم پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جن قوموں نے سائنس اور تہذیب وتمدن کے میدان میں جتنی ترقی کی ہے اتنا ہی اس قوم کے جذبۂ خونخواری، کشت وخون اور قتل وغارت میں اضافہ ہوا ہے۔ ہم مثال کے طور پر جرمن قوم کی مثال پیش کرتے ہیں۔ کیا جرمن قوم نے باوجود مہذب اور متمدن ہونے کے ہزاروں لاکھوں بے گناہ اشخاص کا خون نہیں بہایا؟ کیا اس قوم نے عورتوں بچوں بوڑھوں اور بیکسوں پر بموں اور مشین گنوں کی گولیوں کی بوچھاڑ کر کے ان کو انتہائی سفاکی سے ہلاک نہیں کیا۔؟ اگر ان دو سوالات کا جواب اثبات میں ہے جو بلاشک وشبہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ گو جرمن قوم نے تہذیب وتمدن اور سائنس کے میدان میں بہت کامیابی حاصل کی مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ قوم "برعکس نہند نام زنگی کا فور" خونخوار اور درندہ صفت ہو گئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی قوم کے زندہ وقائم رکھنے کی صورت میں دوسری اقوام کی آزادی ضمیر، آزادی خیال، آزادی مذہب محفوظ رہسکتی جو بذات خود ہر قسم کی تہذیب سے اعلیٰ وارفع ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً اس کا جواب نفی ہی میں ہو سکتا ہے تو پھر تمام آزادی پسند اقوام اور علمبرداران حریت کو چاہئے کہ وہ اس قوم اور اس کے سگے بندھوں کو جہانتک جلد ممکن ہو سکے دنیا سے نیست ونابود کر دیں۔ تاکہ دنیا کی سب سے بڑی تہذیب یعنی آزادی کا نام دنیا سے مٹ نہ جائے جبتک جرمن قوم کی ایسی ذہنیت رکھنے والی قومیں دنیا کے پردے پر موجود ہیں کسی قوم کی آزادی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اور نہ ہی جنگ وجدال کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور اگر بالفرض محال آئندہ اس قماش کی قوموں کے جذبہ کشت وخون ریزی میں کمی واقع ہوئی تو یہ امر جادو یا معجزے سے کم ہوگا ان ماہرین نے اپنے نظرئیے کے ثبوت میں انفرادی طور پر ہر ایک ملک کی جنگوں کو پیش کیا ہے۔ نیز اس ملک میں اسی دوران میں جتنے اندرونی ہنگامے، انقلابات، بدانتظامی اور دیگر جھگڑے رونما ہوئے، ان سب کو سلسلہ وار جمع کیا ہے۔ ماہرین ان تمام تفصیلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جنگجویانہ ذہنیت باری باری ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتی رہتی ہے چنانچہ ان ماہرین کا بیان ہے کہ بارھویں صدی میں روس اور آسٹریلیا اس جنگجویانہ ذہنیت میں سب سے پیش پیش تھے۔ روس اول درجہ پر اور آسٹریلیا دوئم درجہ پر تھا۔ تیرھویں صدی میں روس اور فرانس یکے بعد دیگرے اس میدان کے مرد میدان بنے رہے۔ چودھویں صدی میں انگلینڈ اور روس جنگ کا گھر بنے رہے۔ پندرھویں صدی میں آسٹریا اور انگلینڈ کی نیزہ بازی خوب زوروں پر رہی۔ سولھویں صدی میں ہسپانیہ اور آسٹریا نے اودھم مچائی۔ سترھویں صدی اور اٹھارھویں صدی میں آسٹریلیا اور فرانس جنگ کے دیوتا کے پرستار بنے رہے۔ انیسویں صدی میں فرانس اور روس کی رزم آرائی زوروں پر رہی۔ بیسویں صدی (ابتدائی پچیس سال) میں روس اور جرمنی بات بات پر تلوار بے نیام کر لیتے تھے۔ ہر ملک کی جنگی رفتار کو انفرادی طور سے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ملک میں باقاعدہ طور پر جنگ میں کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوتی بلکہ بے قاعدہ طور پر کبھی ایک ملک کے لوگوں میں جنگی اسپرٹ بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے۔ بہت سے ممالک میں جنگ کی اسپرٹ ایسے ملک میں عروج پر پہنچی جبکہ ان ممالک کے علاقہ جات کی توسیع کا سوال درپیش تھا۔ اور ان کی قومی واقتصادی حالات ترقی پر تھی اور لوگ متمدن کہلانے کے حقدار تھے۔

کیا ہندوستان جنگ میں مشغول ہے؟

از روزیٹا فوربس

ریاست پٹیالہ ہندوستان کی ایک مشہور ریاست ہے جہاں کے کسانوں کا یا تو اپنے دیوتاؤں پر عقیدہ ہے یا اپنے مہاراجہ اور ساتھ ہی ڈپٹی کمشنر پر کیونکہ ڈپٹی کمشنر ایک بڑا آدمی ہے جس کو بہت کچھ اختیارات و قوت حاصل ہے۔ اور قانون اور مالگذاری کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔ اسی ریاست پٹیالہ میں ایک ادھیڑ عمر کے کسان نے اپنے خاندان کو الوداع کہی۔ اور اس کے بعد سفید رنگ کے بیلوں کی جوڑی کو اونچے پہیوں والی گاڑی میں جوتا۔ بیلوں کے گلے میں مونگے کے ہار پڑے ہوئے تھے اور بیل چھم چھم کرتے ہوئے قریب ترین شہر کی طرف جا رہے تھے۔ شاہی عمارتوں کے باہر جو شاندار سکھ سنتری کھڑے تھے وہ ..... مخاطب ہو کر کسان سے بولا "میں ملکہ وکٹوریہ کی طرف ہو کر جنگ میں شریک ہونے کیلئے تیار ہوں"۔

ایک افسر جس کی سفید داڑھی کا کنارہ پیچھے کی طرف اس کی پگڑی کے نیچے بندھا ہوا تھا۔ کیونکہ سکھ اپنے بال مذہبی ممانعت کی وجہ سے کاٹ نہیں سکتے تھے۔ م بھاٹک کے محرابے سے باہر نکل کر آیا۔

اس افسر سے بھی کسان نے التجا کی اور کہا کہ:۔

"میرے دادا نے ملکہ وکٹوریہ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی اور ملکہ وکٹوریہ ہم لوگوں پر بڑی مہربان تھیں ان کی حکومت کے قبل تمام ملک میں ڈاکو بھرتے ہوئے تھے میں اپنے گھر کے چار دیواری کے اندر بھی محفوظ نہیں تھا۔ اپنے بیل کو اب میں جہاں جی چاہے نکال کر آزادی سے لے جا سکتا ہوں۔ اس لئے اگر ملکہ کسی خطرہ میں ہے تو میرے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ میں ان کی امداد کے لئے جاؤں"۔

افسر مذکور اتفاق سے مہاراجہ کا رشتہ ہی تھا۔ یعنی پرشکوہ بوڑھا جنرل چندر سنگھ جس کا خاندان تین پشتوں سے مہاراجہ کی ملازمت کر رہا تھا۔ اس بوڑھے جنرل نے ایک بار مجھ سے کہا کہ "میری عمر ۳۷ سال کی ہے اس طویل عرصہ میں میں کبھی بیمار نہ ہوا۔ لیکن بیمار رہنا بھی قدرت کی طرف سے منع رہے۔ اگرچہ بیماری صرف بڑھاپے کے لئے مخصوص ہے"!

وہ کبھی موٹر کار میں بھی سوار نہ ہوا تھا۔ بلکہ گھوڑے کی سواری کا شائق تھا۔ اور سارے شہر میں مختلف مقامات پر گھوڑوں پر زین کسے ہوئے ہر وقت تیار رکھے جاتے تھے تاکہ جب جنرل صاحب کی خواہش ہو سواری کے لئے گھوڑے تیار ملیں۔ اور انتظار کی زحمت نہ ان کو اٹھانی پڑے۔

جنرل چندر سنگھ کہتے تھے کہ میں روزانہ پچاس میل تک گھوڑے کی سواری کر سکتا ہوں۔ میرے پاس کافی وقت ہے اور میں کبھی جلد بازی نہیں کرتا۔

لیکن اس روز جنرل چندر سنگھ اس کسان کو اعتماد دلانے کیلئے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے کسان سے کہا کہ میرے دوست تم اور میں دونوں ساتھ ہی جنگ کریں گے کیونکہ پورا پٹیالہ ملکہ وکٹوریہ کی سلطنت کے تحفظ کرنے کیلئے جا رہا ہے یہ کہکر جنرل چندر سنگھ نے گھوڑے کو ایڑ ماری اور گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے محل کے اندر چلے گئے۔

جنرل چندر سنگھ اپنے فرقہ کے افراد کے ایک نمونہ ہیں کیونکہ سکھ ہمیشہ سے بہادر سپاہی پیدا ہوئے ہیں۔ باندا جو ایک قدیم سکھ لیڈروں میں تھا۔ اس کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک سخت معرکہ آرائی کے بعد دشمنوں کو جس کے ہاتھوں اپنے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار ہو گیا۔ جب اس کے قتل کا وقت آیا تو اس نے نہ صرف بڑی مستقل مزاجی کا ثبوت دیا بلکہ اس بات پر جھگڑا کرنے لگا۔ کہ کون پہلے قتل ہو گا۔ اور اس نے جلادوں سے منت بھی کی کہ پہلے میرا ہی سر کو قلم کر دو۔ اس کے بعد میرے ساتھیوں کو قتل کرنا۔ باندا کو حکم دیا گیا کہ اپنے لڑکے کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ باندا نے بغیر ایک لفظ کہے ہوئے اس حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ اس کے جسم کو لوہے کے گرم سلاخوں سے داغا لیکن اس نے اف تک نہ کیا۔

انیسویں صدی کے پرآشوب دور میں سکھ ہی وہ ہندوستانی سپاہی تھے۔ جو برطانیہ کی برابر جنگ کر رہے تھے

ایک حسین عمر صوبیدار (ایک سرجنٹ کے برابر کا عہدہ ہے) نے اس قدیم جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "ہماری پیدل فوج آپ کی پیدل فوج سے زیادہ تھی۔ اور ہماری سواری فوج آپ کی فوج سے زیادہ پھرتیلی تھی۔ ہماری توپیں زیادہ بھاری تھیں اور گولہ انداز بھی بہتر تھے لیکن صرف ایک فرق تھا اور اس سے آپ کی فتح ہوئی۔ وہ فرق یہ تھا کہ ہمارے سردار (افسران فوج) فوج کے پیچھے ہوتے تھے۔ اور چلاتے تھے "بھائیو بڑھے چلو" لیکن تمہارے چھوٹے چھوٹے فوجی افسر اپنی فوج کے آگے آگے چلاتے تھے۔ "دوستو! میرے ساتھ چلے آؤ"

یہ سبق سیکھا گیا عراق اور جنگی پولیس میں گذشتہ جنگ عظیم کے موقعہ پر نیپالہ کے ۲۸ ہزار شاندار جنگجو سپاہیوں نے اپنے افسروں کے پیچھے بڑی بہادری کے کارنامے انجام دیئے آج نوجوان اور نہایت ہی حسین مہاراجہ نے اپنی ریاست کے تمام ذرائع و وسائل اور خود اپنی تلوار کو سلطنت کی خدمت کیلئے دے دیا ہے۔

پٹیالہ کی شاندار فوج کے ساتھ کپور تھلہ کے سکھ بھی آگے بڑھیں گے۔ ان ریاستوں کے باشندے سپاہی ہوتے ہیں۔ اور سپاہیوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں سپاہ گری ان کا خاص پیشہ ہے مذہبی اعتقاد کی بنا پر وہ لوہے کا کنگن پہنتے ہیں جس کی ابتداء ڈھال سے ہوتی ہے۔ لوہے کی کنگھی استعمال کرتے ہیں۔ جو صفائی کی علامت ہے۔ اور چاقو رکھتے ہیں۔ کیونکہ گرو نے اس کا حکم دیا تھا اور یہ وہ نشان ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔

جب مہاراجہ کپور تھلہ نے اعلان جنگ کے متعلق سنا تو اس نے ہز ایکسیلنسی وائسرائے کے پاس تار بھیجا کہ میں اپنے آپ کو اپنے لڑکوں اور ملک کو خدمت کے لئے پیش کرتا ہوں۔

تیسری پشت میں برسوں تک ریاست کپور تھلہ

کا کوئی وارث نہ تھا۔ اور اب میرا خیال ہے کہ اس کا وارث ایک چھوٹا سا لڑکا ہے۔ اس لئے ہز ہائنس نے اپنے خاندان کے تمام سمر لڑکوں کو موت کیلئے پہلی جگہ حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے (کیونکہ سکھوں کی جنگی روایت یہی ہے) اپنی ریاست کے مستقبل کو ایک حادثہ یا بیماری کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

اسی قسم کی اندھا دھند فیاضی ان ایک سو تراسی بڑے بڑے والیان ریاست ہند نے دکھائی ہے۔ اور اس تعداد کی تقریباً دونی تعداد نے آدمی۔ روپیہ اور سامان جنگ سے امداد اس جنگ میں کی ہے کیونکہ اس جنگ کو وہ اپنی جنگ سمجھتے ہیں۔

ان میں اولین درجہ ہز اگزالٹڈ ہائنس نظام حیدرآباد کو حاصل ہے وہ اتنے بڑے خطہ ارض پر حکومت کرتے ہیں۔ جس کا رقبہ ہمارے ملک کے برابر ہے۔ اور غالباً دنیا کے دولتمند ترین شخص ہیں۔ ان کی آمدنی سات ملین پونڈ اسٹرلنگ کی ہے۔ ان کے دربار لیول پر ان کا روزانہ خرچ ایک ہزار پونڈ سے کم نہیں ہوتا۔ کوئی شخص ان کے جواہرات اور خزانہ کی صحیح مالیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ ان جواہرات .... اور خزانہ کو پرانے قلعہ کے تہ خانوں میں محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس کے متعلق یہ افسانہ مشہور ہے۔ کہ پچاس ملین کا سونا اور قیمتی جواہرات زمین کے اندر مدفون کر دیئے گئے ہیں۔

نظام کا ایک خطاب "سلطنت برطانیہ کا ایک وفادار دوست" بھی ہے۔۔ اور ہز اگزالٹڈ ہائنس نے اپنے آپ کو ایسا ہی ثابت بھی کیا ہے۔ آٹھ کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے رہنما ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اپنے تمام ہم مذہبوں سے بااصرار کہا ہے کہ وہ تہذیب کی خاطر وہ سلطنت برطانیہ کے ساتھ ہو کر قدم جمائے ہیں۔

انہوں نے ایک جدید فضائی بیڑہ کی تیاری کے لئے ایک لاکھ پونڈ کا عطیہ دیا۔ اور اس کے بعد ہی ہز اگزالٹڈ ہائنس کا اعلان ہوا کہ وہ اپنے خرچ سے ان متعدد فوجی دستوں کو ماہوار رکھیں گے۔ جن کی بھرتی حیدرآباد میں کی جائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں بھیجا جائے۔

والئی بھوپال بھی مسلمان ہی ہیں۔ جس وقت ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کیا تھا اس کے صرف چند گھنٹوں کے اندر والئی بھوپال نے جان و دل سے اپنی خدمات کو سلطنت برطانیہ کے لئے پیش کیا۔

موجودہ نواب اپنی نیک نام ماں بیگم مرحومہ کے نقش قدم پر چلے ہیں جو قصر بکنگھم میں نقاب و برقع پہنے ہوئے آتی تھیں۔ لیکن ۱۹۱۴ء میں جس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی کی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ اپنی فوج کی کمان خود کر کے جرمنی کے خلاف جنگ کریں۔

جب ترکی نے ہمارے خلاف جنگ شروع کی تو اس بہادر والیہ ریاست کو (جنہیں "مقدس حرم پردہ" کہا جاتا تھا۔ جو عورتوں کی آزادی کے مسئلہ پر ایک انچ پیچھے ہٹنے والی نہ تھیں۔) ضرور پریشانی ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ بڑی پکی مسلمان خاتون تھیں۔

بہادر ہونے کے علاوہ بڑی ہوشیار مدبر تھیں اس لئے خدا اور قیصر (اس موقع پر اس کی نمائندگی شاہ انگلینڈ کر رہا تھا) کے علیحدہ علیحدہ فرائض میں امتیاز پیدا کرتے ہوئے انہوں نے قرآن مجید کے نسخے (مسلمانوں کی مذہبی کتاب) محاذ جنگ پر تمام مسلمان سپاہیوں اور اپنی فوج کے سپاہیوں کو بھیجے تاکہ برطانیہ کی امداد کریں۔

ایک سو سال تک بھوپال پر ایک بیگم کے بعد دوسری بیگم کی حکومت رہی اور موجودہ نواب بھی مناسب وقت پر تخت کو اپنی لڑکی کے حوالہ کریں گے۔

اس لڑکی کے ترشے ہوئے سیاہ بال ہیں اور فن موسیقی کی ماہر ہیں۔ شہسواری میں اپنا جواب نہیں رکھتیں وہ پولو کھیلتی ہیں۔ اپنی موٹر آپ چلاتی ہیں۔ اور بہت اچھی ہوا باز ہیں۔ اپنی دادی کی طرح موٹے سفید ململ کا برقع پہن کر جس کے چاروں طرف جواہرات ٹکے ہوتے۔ لیکن شکل وشباہت کا کوئی مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ مجمع عام میں آتی تھیں۔ یہ لڑکی جو ہندوستان کی تمام دیسی ریاستوں کی شہزادیوں میں سب سے زیادہ مغربی طرز اختیار کر چکی ہے۔

اپنے ملک میں ایک قوت ہے اور وہ بھوپال کی فوج کی میدان کارزار میں رہنمائی کرنے کی خواہش مند ہو گی ان شہزادیوں کی تعریف ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔ جو ایک فرانسیسی وزیر نے ملکہ ولنیا آف انگلینڈ کے لئے وضع کی تھی۔ یعنی "وہ تخت پر بہترین مرد کی طرح بیٹھی ہوئی ہے"۔

چھ سو پینتیس والیان ریاست خود مختار بادشاہ ہیں۔ اور ان کے ہم سے زیادہ اختیارات حاصل ہیں جدید ہندوستان اور شاہی تخت کیلئے ان کی فوج روح رواں کی طرح اہمیت رکھتی ہے اور اس کی فوج نے ایک براعظم میں امن و امان قائم رکھا ہے۔ اور متعدد لڑائیوں میں ہمارے ساتھ ہو کر لڑی ہے۔

والیان ریاست قانونی روایات کے مطابق۔ سورج۔ چاند۔ آگ اور ان کے بڑے جنگی سرداروں کی اولاد ہیں جو سلطنت مغلیہ کے ستون تھے۔ یا ان مرہٹہ بہادروں کی اولاد ہیں جنہوں نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اس وقت اپنی اپنی ریاستیں قائم کی تھیں جب ملک میں ایک ہنگامہ وشورش برپا تھی۔

شمال سے جنوب تک ان والیان ریاست کے بیانات موصول ہوئے ہیں۔ کیونکہ اکثر اپنی ریاستوں کے حدود میں جنگی فرقے تربیت پاتے ہیں۔ اور بہت سے مزید اور جنگی آزمودہ کار ڈوگرا۔ راجپوت۔ سکھ۔ پٹھان اور گورکھا سپاہیوں نے مجھ سے کہا کہ "اگر سلطنت برطانیہ چلی گئی تو ہندوستان کی بھلائی بھی رخصت ہو گی۔"

یا یہ کہا "جمہوریت کے متعلق یہ کیا باتیں ہیں ہم تو ابھی تلوار اس جمہوریت کو نہیں جانتے۔ لیکن آج وہ ہمارے ساتھ ہو کر ایک جمہوری یورپ کے لئے جنگ کریں گے۔

شمالی سرحد سے بہت پرے جہاں ہمیشہ برف جمی رہتی ہے اور اونچے اونچے پہاڑ تنہائی میں کھڑے ہیں جن پر انسانی قدم آج تک نہیں پہنچا۔ سرحد تبت پر مہتر چترال نے اپنی قوم کو طلب کر کے فوج میں داخلہ کا حکم دیا اور کہا کہ ہم ہندوستان کی اس سرحد کی اس وقت تک حفاظت کریں گے جب تک ہمارا ایک آدمی بھی باقی رہے گا"۔

اس کے علاوہ ریاست کشمیر جو ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں میں ایک ریاست ہے۔ اس کے والی کو ۲۱ توپوں کی سلامی ملتی ہے۔ وہ تیاری کر رہا ہے کہ اگر متوسط ایشیا سے حملہ ہو تو درون ملک کی حفاظت کرے اور حملہ آوروں کو گھسنے نہ دے۔

ہندوستان کی ریاستوں میں ریاست کشمیر سب سے زیادہ حسین دلفریب ہے۔ اس کے جنگل۔ پھول اور جھیل اور اس کے گلیشیر (برفانی تودے) نیلی و سفید برف سے مل کر حیرت انگیز اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ اور ریاست شمال میں ہمیشہ رنگینی کی حیثیت رکھتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اسی زمانہ سے جب کہ دہلی کو بچانے کے لئے اتنی تیز قدمی سے طے مسافت کی گئی تھی کہ بظاہر ناممکن نظر آتی تھی۔ یعنی موقع وقت کے نصف منزل تک فوج پہنچ گئی تھی

آج تک جب کہ تن تنہا ایک سپاہی اندھیری رات میں تاملف پہاڑ کی اس چوٹی پر پہنچ گیا تھا جس کے متعلق سمجھا تھا کہ ناقابل تسخیر ہے۔ اور وہاں سے اس نے ایک رسی نیچے گرائی .... جس کے ذریعہ سے دو سو ستر کشمیری اوپر چڑھ آئے۔ اور اپنے دو برطانی افسروں کے ساتھ کئی ہزار منظم اتنبلہ سے معرکہ آرائی کر کے کامیاب ہو گئے۔ بہت نتیجہ خیز کارناموں میں اس ریاست نے برطانیہ کے ساتھ مل کر دشمنوں کے ساتھ جنگ کی ہے۔

مشرقی افریقہ اور فلسطین اور ۱۹۱۹ء کی جنگ

Haji Anisur-Rahman——— ———and his son,——— — — ———Samiur-Rahman



Haji Anisur-Rahman is a well known personality both in the business circle as well as in the sports-loving group of India.

His enterprise, Limton Watch Co. has not only the distinction of being the largest Watch selling, repairing house owned and operated by Indians, in Bengal but also is famous for its quality of goods and superb workmanship. Success of the Mohamadan Sporting Club of Calcutta alsopartly depends upon the valueable help given by Haji Sahib. Young Sami is a true roplica of his wellknown father. He is ollowing his father's footsteps and we wish him all success.

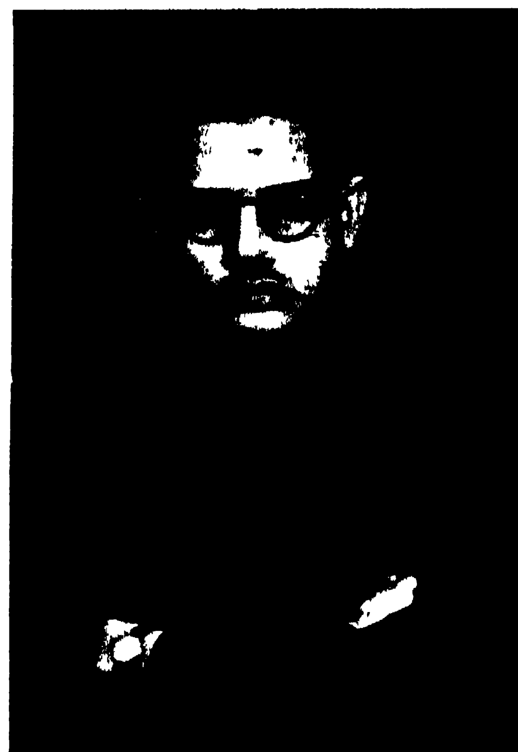




KHAN BAHADUR G. A. DOSSANI

Partner of Dossani Film Corporation and Agent to H. E. H. The Nazam of Hyderabad and Berar.

Khan Bahadur is one of the few film pioneers and magnets of India.. His article on Film Industry is a collection of most vital informations.



KHAN MANZOOR KHAN

A well known Business Magnet of Calcutta and Present Head of the Khak-ar Movement of India Recently, He has Offered 50,000 Trained Khaksars to the Government.

افغانستان میں کشمیری پہاڑی فوج نے اپنے آپ کو ناقابلِ شکست ثابت کیا اگرچہ وہ ایسے موسم اور ایسے حالات میں لڑی کہ بظاہر وہ یقین نہیں کرتی تھی کہ ایسا بھی ممکن ہے۔ آج کشمیری فوج کے سپاہی غیر معلوم مقامات میں بھیج دئے گئے ہیں تاکہ محاذِ جنگ میں کام کر سکیں۔

ہندوستان کے دوسرے سرے یعنی انتہائی جنوبی حصہ سے جہاں کی سڑکیں گرم۔ اور گہری تاریخی رنگ کی گرد سے اٹی رہتی ہیں اور ایسے جنگلوں سے گذری ہیں جہاں۔ بھینسے۔ ہرن۔ اور سیاہ چیتے بکثرت ہیں۔ اور عجیب وحشی قبائل بھی کہیں کہیں پر نظر آجاتے ہیں۔ جو درختوں پر دیوتاؤں کے ڈر سے رہتے ہیں۔ اور ان جنگلوں میں ہاتھی ہیں۔ جو ان وحشی قبائل کی کھیتوں اور فصلوں کو روندتے رہتے ہیں۔

اسی علاقہ میں رن نی شیر ٹیپو سلطان رہتا تھا جس نے برطانیہ کے خلاف شدید جنگ کی تھی۔ اور آج کل اسی علاقہ سے ٹراونکور کے نوجوان مہاراجہ کی آواز آتی ہے۔ کہ "وہ جو کچھ میرے پاس ہے اور میں خود سلطنت برطانیہ کی امداد و اعانت کے لئے اس نازک وقت میں حاضر ہوں۔ جو کچھ آپ مانگتے ہیں وہ زیادہ نہیں۔ اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ بہت کم ہے"۔

نوجوان مہاراجہ ٹراونکور نہایت ہی ذہین و روشن خیال نوجوان ہے۔ وہ مندر کے سامنے روزانہ پانچ ہزار سادھوؤں کو کھانا کھلاتا ہے۔ اس نے دو مربع میل میں ایک اسکول قائم کر دیا ہے۔ وہ اپنی کل آمدنی کا صرف بیسواں حصہ اپنے ذاتی مصارف کے لئے لیتا ہے اس نے اپنی سالگرہ کی خوشی میں اعلان کر دیا ہے کہ راجپوت اقوام کو ٹراونکور کے مندروں میں داخلہ کا حق اسی طرح ہے جس طرح مقدس برہمن کو۔ دونوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔

یہاں سے بہت دور مرکزی ہندوستان کے ریگستانوں میں جہاں اونٹ ایک انسان کا سب سے گہرا دوست ہوتا ہے کیونکہ اونٹ بہت کم پانی پر زندہ رہ سکتا ہے۔ اور ریگستان کی آب و ہوا کا عادی ہوتا ہے۔ مہاراجہ بیکانیر راج کرتے ہیں وہ بڑا ہی بہادر و شاندار سپاہی ہے اس نے ایک دفعہ اپنی رعایا سے کہا تھا کہ "راجپوت سپاہی کیلئے بڑھاپا اور جوانی یکساں ہوتی ہے۔ وہ ہر زمانے میں یکساں جنگ کر سکتا ہے۔ مہاراجہ بیکانیر نے ۶ دستے پیدل فوج کے تیار کئے جو میدان جنگ میں جا سکیں۔ اور اس کی مشہور تیز رفتار شتر سوار فوج جو اس کی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے۔

راجپوتوں میں بلاشبہ مہاراجہ اودے پور اولین راجہ ہے۔ اس کے آباؤ اجداد دس ہزار برس سے حکومت کرتے چلے آئے ہیں۔ اودے پور کے شاہی محل کی روحانی فضا میں کوئی یورپین کبھی قیام پذیر نہیں ہوا۔ اور نہ راجگان اودے پور میں سے کوئی راجہ ابھی تک یورپ گیا ہے۔ لیکن راجپوتوں نے اپنے لئے یہ خطاب حاصل کر لیا ہے کہ یہ "انگریزوں کے دوست ہیں"۔

اودے پور کا قلعہ جو بادل اور آفتاب کا قلعہ ہے دنیا کے معزز ترین طبقہ امراء کا نشان ہے۔ اس نسل کے راجگان دیگر ہندوستانی والیان ریاست کو بھائی کہتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے خاندان کے سوا دوسروں کے یہاں شادی نہیں کر سکتے۔

اسی خاندان نے تاریخ میں تین دفعہ چتوڑ کے مقدس دارالحکومت کو بیرونی حملوں سے بچایا۔ اور جب تک ایک آدمی بھی زندہ رہا وہ جنگ سے باز نہیں آئے۔ کیونکہ نوجوان لڑکیوں نے ان نوجوان مردوں کے دوش بدوش جنگ کی تھی۔ جن سے وہ منسوب ہوئی تھیں۔ اور شادی شدہ عورتوں نے اپنے مقتول شوہروں کی تلواریں اٹھا کر دشمنوں سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ خود قتل ہو گئیں۔

صرف ایک بچہ کو اس قلعہ سے جس کا دشمنوں نے محاصرہ کر لیا تھا۔ چھپا کر باہر نکال دیا تھا۔ تاکہ وہ نسل کو قائم رکھے۔ اس کے بعد قتل عام کی تیاری شروع ہوئی۔ اور راجپوت سپاہی زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے۔ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور تمام راجپوت سپاہی لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچا۔

ادھر راجپوت سپاہیوں کا میدان جنگ میں خاتمہ تھا اور ادھر محل کے اندر دس ہزار عورتیں اپنے بچوں کو اپنی گود میں لئے ہوئے یا چھاتیوں سے لپٹائے ہوئے۔ "آگ کے شعلوں" میں کود پڑیں سب کے آگے راجپوت شاہزادی۔ اور شاہی خاندان کی دیگر مستورات تھیں۔ اور ان میں سے کسی کا خیال بھاگنے کا نہ تھا۔

اسی بہادر نسل سے نوجوان مہاراجہ جودھ پور اور جے پور ہیں وہ ایسی ہندوستانی بہادری کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جن کو کبھی شکست سے واسطہ ہی نہ پڑا۔ دونوں۔ آزاد ہیں۔ اور دونوں کو اپنی قوت پر فخر ہے۔ بہادری کے قدر داں ہیں۔ اور نام و نمود و عزت و شہرت کا قومی احساس رکھتے ہیں۔ ان دونوں بہادر راجگان نے سب سے پہلے اپنی ریاستوں کے تمام ذرائع و رسائل حکومت برطانیہ کی امداد و اعانت کے لئے پیش کئے۔ وہ صحیح معنوں میں انگریزوں اور زمانہ حال کی جمہوریت کے دوست ہیں۔

مشہور سر پرتاب سنگھ موجودہ راجہ جودھ پور کے چچا تھے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں جب فلسطین میں کامیاب معرکہ آرائی کے بعد جودھ پور کی بہادر فوج واپس آئی تو سر پرتاب سنگھ نے سوال کیا کہ "تم مر کیوں نہ گئے"۔ سر پرتاب سنگھ کی نظروں میں ایک سپاہی کی موت ہی خواہ کہیں ہو زندگی کا بہترین اور سب سے بڑا تحفہ ہے۔

ایک نوجوان انگریز افسر کا قصہ ہے یہ افسر سر پرتاب سنگھ کے محل میں مر گیا۔ ہندوؤں کی نظروں میں ایک عیسائی کی نعش ناپاک ہوتی ہے۔ لیکن ہز ہائینس نے خاکروبوں کو (جو سب سے ارذل ترین طبقہ کے ہیں) اور ناپاک چیزوں کو اٹھانے اور صاف کرنے کا کام رہنے کے ذمہ ہے) اجازت نہ دی۔ کہ انگریز افسر کی نعش کو چھوئیں۔ بلکہ خود پرتاپ سنگھ نے نعش کو اٹھا کر تابوت پر رکھا۔

بلاشبہ راجہ کی اس حرکت سے لوگوں میں بڑا شور و غوغا ہوا۔ کیونکہ یہ مذہب اور ذات پات کے خلاف کارروائی تھی لیکن سر پرتاب نے (جن کے آباؤ اجداد ہزاروں برس سے بادشاہ ہی چلے آتے ہیں۔ اور جن کا شمار مشکل ہے) جواب دیا "سپاہیوں میں ذات پات کی قید نہیں ہوتی سب سپاہی ایک دوسرے کے بھائی ہیں"۔

اور آج ہندوستان بھی بھائیوں ہی کی طرح ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کر رہا ہے۔ ہندوستانی فوجیں مشہور شمالی و مغربی سرحد میں کام کر رہی ہیں۔ جہاں پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں ہیں۔ جن پر برف جمی رہتی ہے۔ اور اگر سوویٹ روس یا کوئی اور کسی مقصد سے اس طرف گھسنا چاہے تو یہ پہاڑ مانع اور روک ہیں۔

بعض ہندوستانی افواج ہماری افواج کی امداد و اعانت کے لئے سنگاپور اور عدن میں متعین ہیں۔ جو جنگی نقطۂ نظر سے اہم مقامات ہیں۔ اور اس سے زیادہ ہندوستانی فوجیں سرکاری رپورٹ کے مطابق محفوظ طریقہ سے سمندر پار اپنے مقامات کو منتقل کر دی گئی ہیں۔

مصر اور فلسطین میں ہندوستانی فوجیں تیار ہیں کہ اپنے ان حیرت انگیز شجاعانہ کارناموں کا اعادہ کریں۔ جو گذشتہ جنگ عظیم میں انہوں نے دکھائے تھے۔ گذشتہ جنگ عظیم میں ہندوستانی سوار سپاہیوں کا ایک دستہ تن تنہا۔ بڑی فوج میں گھس پڑا۔ اور انہی بہادری سے لڑا۔ کہ ہندوستانی سوار ایک ایک کر کے کٹ کٹ کے ڈھیر ہو گئے۔ اور پورا فوجی دستہ وہیں ختم ہو گیا۔

ایک دوسرے موقع پر کرنل ٹھاکر دلیپ سنگھ نے حیفہ پر اسی طرح قبضہ کیا تھا۔ وہ اپنی سوار فوج کو بگٹٹ دوڑاتے تھے۔ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ حیفہ پر

دعا دا کرنے کیلئے لے آئے تھے ۔ اور جس وقت اس بہادر ہندوستانی فوجی دستہ کی تلواروں کی نوک پر فتح وکامرانی لٹکتی ہوئی نظر آتی تھی ۔ اس وقت بہادر ٹھاکر دیپ سنگھ نے نہایت بہادری سے جان دی ۔

امن و امان کے زمانہ میں ہندوستان کی فوج کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی ... آدمیوں کی طاقت کا جو حصہ ہندوستان کے پاس محفوظ ہے وہ بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کی آبادی کی مجموعی تعداد تقریباً تین سو ستر ملین نفوس کی ہے ۔

سنہ ١٩١٤-١٨ء یعنی گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اس نے پندرہ لاکھ سپاہی محاذ جنگ پر بھیجے تھے ۔ اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر آج طلب کیا جائے تو اس سے زیادہ ہی تعداد میں سپاہیوں کو مہیا کر سکتا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ نہ صرف ریاستہائے بلکہ سارا ہندوستان ہمارے دوش بدوش کارفرما ہیں ۔ میدان جنگ میں ، خندقوں میں اور ہوا میں اور سمندر میں کام کر رہا ہے ۔

ہندوستانی فضائی فوج کا رضاکار محفوظ دستہ جو روزانہ پرواز کراچی ۔ بمبئی ۔ مدراس ۔ کلکتہ ۔ اور دہلی میں کر سکتا ہے ۔ اس میں بکثرت درخواستیں صرف ان لوگوں کی موصول ہوئی ہیں جنہوں نے اپنی خدمات اس جنگ میں پیش کی ہیں ۔ درخواست کنندگان میں ہر قسم کے لوگ ہیں امیر و غریب جنگجو فرقوں کے افراد ۔ تعلیم یافتگان ۔ کاشتکاران اہل حرفت حتیٰ کہ مذہبی طلبا نے بھی اپنی جانیں ۔ اپنا کام اپنی اندوختہ زر پیش کر دیا ہے ۔ تاکہ اس جنگ میں کامیابی حاصل کی جا سکے ۔

ہندوستان نہایت ہی زبردست قسم کا جمہوریت پسند ملک ہے ۔ اس کے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جب یونیورسٹی کی سخت تعلیم و تربیت ختم کرنے کے بعد باہر نکلتے ہیں اور اپنے حسب مرضی زندگی کی شاہراہ کو سر کر لیتے ہیں ۔ اور جب متوسط طبقہ کی بیروزگاری کو غلطی سے ہمیشہ برطانوی حکومت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ۔) تو بلاشبہ ان کا رجحان طبع اسی کی طرف ہوتا ہے ۔ ایسے اشخاص ابھی تک علانیہ اور منطقی دلائل کے ساتھ ہماری ملوکیت پرستی کے خلاف ہیں ۔ وہ اس پر معترض ہیں کہ مشرقی اقوام پر مغربی اقوام کیوں حکمرانی کرتی ہیں ۔ ہندوستان کے اعلیٰ تعلیم یافتگان جن کو سوویٹ روس کا کوئی عملی تجربہ نہیں ۔ یہ سمجھتے ہیں کہ روس میں آزاد مزدوروں کا اتحاد قائم ہے ۔ ان میں سے بہت سے ایسے اشخاص ہیں جو انگلینڈ سے استحاد کے خواہشمند ہیں کیونکہ ان اصولوں کو چاہتے ہیں جو ان کے خیال میں سوویٹ روس کے اصول ہیں ۔

جب سے روس نے جرمن کے ساتھ ہو کر قدم اٹھایا ہے اور بدقسمت ریاستہائے بالٹک کو نگلنے کی دھمکی دے رہا ہے ۔ تب سے ہندوستانی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتگان نے اپنے خیالات میں کچھ اصلاح و ترمیم کی ہے ۔ لیکن اندرون ملک پالیسی کے اعتبار سے ان کو دیکھا جائے تو ان کے دلوں میں یہ خواہش موجزن ہو رہی ہے کہ وہ اپنے ملک کے اندر کوئی بڑا کارنامہ انجام دیں ۔ اور اس کے ساتھ ہنوز مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس جنگ میں ان کی غیر محدود طریقہ شکست کا یہی صلہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا ایک ایسا آزاد ملک قرار دیا جائے جو دولت مشترکہ برطانیہ کا ایک جزو ہو ۔

آہستہ آہستہ ان تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوانوں کو جو مفکرین کی جماعت میں ہیں ۔ اور ان کے ساتھ ساتھ سادہ خیال سپاہیوں اور مزدوروں کو بھی اس واقعات کا احساس ہو رہا ہے کہ موجودہ جنگ شہنشاہیت پسندی کی جنگ نہیں بلکہ یہ جمہوریت کی جنگ ہے ۔ ان کو یہ ایصاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ہندوستان اپنی پوری قوت اور زور سے ہٹلریت کے خلاف ہو جائیگا ۔

مہاتما گاندھی نے تمام دنیا سے کہا ہے کہ :-

" میں نے ہندوستان کی نجات کے متعلق غور کرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہندوستان کی نجات ہونی ضرور ہے ۔ لیکن اگر انگلینڈ اور فرانس کی شکست کے بعد یہ نجات ہو ۔ تو بالکل بیکار و بے قدر ہوگی

اس عظیم الشان بیان سے کانگریس پر ضرور اثر پڑے گا اگرچہ قومی سیاست سے بہت سے لوگوں کو اتنی زیادہ گہری دلچسپی ہے کہ ان کیلئے مشکل ہے کہ وہ موجودہ جنگ عالمگیر وسعت کے نقطۂ نظر سے دیکھیں ۔ برطانی ہند میں وزیر اعظم پنجاب نے بہادری اور صفائی سے اس مسئلہ کو یوں پیش کیا ہے

" میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف لامذہبی اور تشدد کی قوتیں ہیں ۔ اور دوسری طرف انصاف آزادی کی قوت ہے ۔ ہندوستانی وہ قوم ہے وہ خدا سے ڈرنے والی اور اپنی عزت آپ کرنے والی ہے ۔ اس لئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قسمت کو اس قوم کے ساتھ وابستہ کرے جو انصاف کیلئے کھڑی ہوئی ہیں ۔

نمائندہ حکومت سر محمد ظفر اللہ خاں اس موقع پر انگلینڈ میں ہیں اور اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں کہ ہندوستان فراہمی سامان جنگ کے اعتبار سے انگلینڈ کی بہترین امداد کس طرح کر سکتا ہے ۔ ہندوستان کا شمار اس وقت دنیا کے بڑے بڑے صنعت ساز ممالک میں ہے اور گذشتہ جنگ عظیم کی ابتدا میں وہ جتنا لوہا تیار کرتا تھا اس سے اٹھائیس گونہ زیادہ مقدار میں وہ اسٹیل تیار کرتا ہے ۔

کیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ آپ اپنے شہر کی سڑکوں پر ریت کے جو تھیلے دیکھتے ہیں وہ سارے کے سارے ہندوستان ہی سے یا تو تیار شدہ تھیلوں کی صورت میں یا خام سن کی شکل میں آتے ہیں ۔ اور خام سن سے یہاں تھیلے بنائے گئے ہیں ۔ اور ہندوستان بڑی سرعت سے کام کر رہا ہے کہ مزید سات سو ملین تھیلے تیار کر کے روانہ کرے ۔

ہندوستان کا گودام جرمنی کیلئے بند کر دیا گیا ہے لیکن ہمارے لئے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے ۔ اس گودام میں سے ہمارے فائدے کے لئے لوہا ۔ کوئلہ ۔ لاکھ کے چیتھڑے ۔ تیل کے بیج (چربی پیدا کرنے کے لئے) چمڑا ۔ ابرک ۔ مغزہ ۔ ریشم ۔ وغیرہ (اور یہ تمام چیزیں جنگ کے لئے ضروری ہیں) باہر نکل پڑیں گے ۔ اور اس فہرست اشیا کی کوئی انتہا نہیں ۔

اور اگر اس میں ذاتی تشخص کی بو نہ آتی ہو تو یاد رکھنا چاہئے کہ ہندوستانی فوج نے ہمارے ساتھ تمام دنیا میں مغربی افریقہ سے چین تک جنگ کی ہے ۔ اس نے جنگ بور میں نٹال کو بچایا ہے اس نے جوکس قوم پرستوں کی تجارت کی دہشت انگیزیوں کے موقع پر پیکن میں چین سفارت خانہ کو بھی محفوظ رکھا ہے ۔

اکتوبر سنہ ١٩١٤ء میں جس موقع پر ہم کو شدید ترین ضرورت محسوس ہو رہی تھی اس وقت ہندوستانی بیرونی فوج کے دو ڈویژن عین موقع پر پہنچے ۔ اور دنیا کی ایک زبردست منظم جنگی طاقت سے معرکہ آرائی کر کے انہوں نے تہذیب و تمدن کو محفوظ رکھنے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ۔ ہندوستانی سپاہیوں نے فرانس میں وکٹوریہ کراس حاصل کیا صرف ایک ریاست کی سوار فوج کو میدان جنگ میں اٹھاسی انعامات ملے تھے ۔ فلینڈرس موسم سرما کی شدت میں ہندوستانی فوجیں جو توپ کے ٹھاسی گولوں یا زور دار طریقہ سے پھٹنے والے بموں کی شعلہ فشانی کی عادی نہ تھیں ۔ اور نہ خندقوں کی جنگ کا ان کو تجربہ تھا تو بھی انہوں لارڈ کرزن کے الفاظ میں " سب سے قوی ترین اور ظالم ترین آلہ جنگ آفرینی " جو اصول سائنس کے مطابق مکمل تھی ۔ بڑی بہادری سے معرکہ آرائی کی ۔

ہندوستانی فوج اپنے ملک یا اپنی قوم کے لئے بجز بے لڑی ۔ کیونکہ اس نے جنگ نہیں کی تھی ۔ لیکن ہندوستانی فوج کی بہادری بے مثال ثابت ہوئی اس کی زندہ دلی ۔ ضابطہ کی پابندی ۔ اور ان کی شجاعت حد تعریف سے افزوں ہے ۔

میں موت کے منہ سے کیونکر بچا

از ایڈورڈ کوی کوسکی، وہک مین پاول

پولینڈ میں نازیوں کی بلز کریگ کی تباہکاریوں ہولناکیوں کے چشم دید ڈرامٹک واقعات، جن کو پڑھ کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

پولینڈ کی سڑک کے کنارے چوبی صلیبوں کی جا بجا قطاریں دیکھنے میں آئیں، جو بے نام و نشاں تھیں، جس وقت میں وارسا کی جانب جا رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ ہر جگہ لکڑی کی قطاروں میں زیادتی ہو گئی ہے، اور میں نے دیکھا کہ ہر جگہ لکڑی کی صلیب ہی صلیب نظر آ رہی ہے، یہ صلیب بہت دنوں کی پرانی نہیں تھیں بلکہ انہیں حال ہی میں بنایا گیا تھا، اور صرف اس غرض سے کہ قبروں کی شناخت ہو سکے، ان صلیبوں پر یا تو کسی لڑکے کی ٹوپی، یا کسی عورت کا رومال لٹکا ہوا تھا، یا پھر موٹر کار کے لائسنس کی پلیٹ، ان کا مطلب یہ تھا کہ اس سے قبروں کی شناخت میں آسانی ہو گی اور سہولت سے معلوم ہو جائے گا کہ فلاں قبر کس سے تعلق رکھتی ہے، لیکن یہ ایسے پائدار و مستحکم نشانات نہ تھے جن سے تھوڑے دنوں کے بعد کسی قبر کی شناخت آسانی سے کئے جانے میں مدد مل سکتی، بھلا ٹوپی، رومال، لائسنس کے پیٹوں کی بساط ہی کیا ہے اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ہمیشہ جہاں رکھ دئے گئے ہیں وہاں گڑے رہیں گے اور دوامی طور پر نشان قبر کا کام دیں گے، قبروں کے ڈھونڈنے والوں میں سے غالباً کسی نے ایک قبر ڈھونڈھ نکالی ہو گی، کیونکہ اس پر تازہ پھولوں کے انبار پڑے ہوئے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جرمن بلز کریگ یعنی برقی جنگ کرسمس سے پہلے ختم ہو گئی تھی۔

وطن کی طرف مراجعت کے اس سفر میں ہولناکیاں تھیں، میں اپنے جنگ سے خستہ و تباہ حال ملک کے چاروں طرف دورہ کر رہا تھا، اور ہفتوں گذر چکے تھے، کہ محکمۂ خارجہ کا ایک سرکاری افسر کا پناہ گیر بن گیا تھا، میرے شہر کا جب محاصرہ ہوا تھا، تو اس مہینے میں، میں نے اس کی بابت دل ہلا دینے والی رپورٹیں سنی تھیں، اب اکتوبر کے وسط میں جبکہ میں شہر کے دامن تک پہونچنے لگا تو میرے بدترین خطرات و اندیشوں نے یقین کی صورت اختیار کرنی شروع کی۔

۵ دیگر آدمیوں کے ساتھ میں ایک چپٹ ساخت کی موٹر کار پر جو ۱۹۲۲ء کے طرز پر بنی ہوئی تھی، سوار ہو کر جا رہا تھا، میری موٹر پر بہت سی اشیا ر باہر تھیں، کھانے پینے کی چیزیں، اور آلوؤں کے بستے وغیرہ اگرچہ ان سے بوجھ زیادہ ہو گیا تھا، مگر پھر بھی وہ ضروری تھے، میری آنکھیں یکایک وارسا کے آسمان کی طرف اٹھ گئیں، یکایک میری نگاہوں کے رو برو پورا منظر آ گیا، ایک حیرت انگیز اور شکستہ صورت میں۔ ہم لوگوں نے کار روک لی، اور ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع کر دیا، کنگس کیس کے ٹاور کا کہیں پتہ نہیں تھا، جو صدیوں سے پولینڈ والوں کی آزاد اسپرٹ کی یادگار اور ظلم و تشدد کی علامات کے خلاف قائم تھا، لیکن وارسا کا ایک سر بفلک مینار، جو اگرچہ گولوں اور دھوؤں سے سیاہ ہو گیا تھا وہ ہنوز سر اٹھائے کھڑا تھا۔

سڑکوں اور گلیوں میں چلنا بڑا دقت طلب ہو رہا تھا، سڑکوں کے سطح پستے گولیوں اور بموں سے اکھڑ گئے تھے، منہدم اور ٹوٹی ہوئی عمارتوں کے ملبوں سے جگہ بجگہ بڑے بڑے انبار لگے ہوئے تھے، سڑکوں پر لڑائی کے لئے جو محافظت کے غار بنائے گئے تھے ٹینکوں نے اس پر چل چل کر جو حالت پیدا کر دی تھی، وہ ہنوز راہ روکے ہوئے کھڑے تھے، سڑک پر مردوں، عورتوں، اور گھوڑے گاڑیوں کا جم غفیر جمع تھا، ہر تھوڑے سے وقفہ کے بعد سامعہ خراش چیخوں کی صدائیں سننے میں آتیں، اور دیواروں کے پیچھے جنھیں گولوں سے بالکل تہس نہس بنا دیا گیا تھا، گر رہے تھے، ان کے نیچے جو پتھر آ پڑتے ان سے بڑی ہولناک صدائیں پیدا ہوتیں۔

میں نے فی الفور اپنی موٹر چھوڑی اور اپنے مکان کی طرف چل پڑا، جو فرانسیسی سفارت خانہ کے نزدیک واقع تھا، میرے دل کو پختہ یقین ہو چکا تھا کہ اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے ہوں گے، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب میں نے دیکھا کہ میرا مکان ہنوز قائم ہے، میں مکان کے اندر داخل ہوا اور جب دالان میں پہونچا تو ایک خود بخود مشین سے پیدا ہونیوالی روشنی سے ایک جگہ روشنی جلتی ہوئی پائی، وہ مشین اب تک کام کر رہی تھی، میں اپنے کمرے میں گیا اور جب میں نے دروازہ کھولا، تو میں نے اپنی بہن جنیشیا کی پُر مسرت چیخ سُنی۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو غور سے دیکھتے رہے میری بہن یکایک قہقہہ مار کر ہنسنے لگی ہم لوگ اندوہناک و دلدوز حالات میں سے رہتے تھے، لیکن میری حواس باختہ صورت اور پراگندہ حالت کو دیکھ کر غالباً اسے گدگدی ہوئی اور وہ مجھے یوں دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنس دی میرے بال بڑھ گئے تھے، اور میری داڑھی کے بال آپس میں الجھ کر گھونگریالے بن گئے تھے وہ جا بجا سے شکستہ لباس جسے پہن کر میں نے پہلی بار وارسا

چھوڑا تھا، اور اس پر میں نے ایک چھوٹا سا اور کوٹ پہن لیا تھا، جو اس قدر تنگ اور چھوٹا تھا کہ بٹن لگانا دشوار ہوگیا تھا، اور اس کی آستین مشکل سے کہنیوں تک پہونچ رہی تھی، میرے کندھوں پر دو بستے تھے، ایک بستہ سیاہ روٹیوں کے لئے آٹے کا تھا (جو ریت سے اچھی طرح مخلوط تھا) اور دوسرے میں موٹے سور کے گوشت کے بعض ٹکڑے اور پاپے تھے، جو صرف اسی سے بندھے ہوئے تھے، کیونکہ میرے پاس کاغذ نہیں تھا۔

ہم لوگ والاؤ میں کھڑے باتیں کرتے رہے، میری بہن دو روز پیشتر واپس آئی تھی کیونکہ جس وقت بمبار آئے تھے اس وقت وہ بھی مشرق کی جانب جان بچانے کے لئے بھاگ گئی تھی، وہ بھی مشین گن کے خوف سے غاروں میں کئی دنوں تک پناہ گزین رہی تھی، جب وہ بالشویکوں کے درمیان آپڑی تھی، تو اس نے کسانوں اور دہقانوں کے لباس اختیار کرلئے تھے، اور کوئلے کی ایک کان میں سوئی تھی، آٹھ عورتوں کے ساتھ ایک کمرے میں بسر کرنے کو غنیمت تصور کرتی تھی جو اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک آدمی کے لئے بھی کافی نہیں تھا اور دانے کی گنجائش بھی، اور وہاں مکان کا آدمی ایک بستہ لئے ہوئے کھڑا نظر آیا، اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا، میں نے آپ کو مکان میں آتے ہوئے دیکھا تھا، سٹر کوئی کوسکی، یہ آپ کے کپڑے ہیں، میں نے سمجھا کہ میں بھی انہیں اس طرح رکھوں جیسے جرمن لوگ، اس لئے میں نے آپ کو معاف کردیا۔ یہ لیجئے آپ کے کپڑے۔

(میری عقل کچھ چکرا رہی تھی) اسی سہ پہر کو میں نے گرم غسل بھی کیا تھا، کیونکہ غسل خانہ ہفتہ میں ایک بار گرم کیا جاتا تھا، اور جس روز میں نے غسل کیا تھا وہ اس کے گرم ہونے کا دن تھا۔

سات بجے کے قریب کرفیو آرڈر نافذ ہوگیا، اب کسی کو سڑک پر نکلنے کی اجازت نہیں تھی، میں ایک آرام کرسی پر دراز ہوگیا، اور باہم گفتگو کرنے لگا، رات کی خاموشی ہر تھوڑے سے وقفے کے بعد رائفل کی گولیوں سے ٹوٹ جایا کرتی اور فضا میں گولی کی آواز گونج اٹھتی، کبھی کبھی مشین گن کی گولیوں کی بوچھاروں کی آواز سنائی دیتی اور اس کے بعد پھر مکمل خاموشی طاری ہوجاتی۔

یکایک میری بہن نے کہا، سو مکان سے نیچے سڑک پر میں نے بھاری بھاری بوٹوں کی آوازیں سنیں، میری بہن نے کہا جانتے ہو یہ کون ہیں، یہ پولیس والے ہیں، گسٹاپو (خفیہ) پولیس۔

قدموں کی آوازیں آتے آتے میرے مکان سے متصل ایک مکان کے روبرو رک گئیں چند منٹوں تک خاموشی چھائی رہی، اور پھر ایک عورت کی چیخ سنائی دی، قدموں کی آوازیں پھر واپس چلی گئیں، ایک اور آدمی نظر بندی کے کیمپ تک پہونچا دیا گیا

میری بہن نے کہا: سائیڈرڈ تم یہاں مزید ٹھہر نہیں سکتے، گسٹاپو اس مکان پر بھی آیا تھا، ان لوگوں نے تمہاری بابت بھی دریافت کیا تھا لیکن تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم اس وقت نہیں تھے، ان کے جانے کے بعد تم آئے۔

عورتیں عموماً اپنے ارادوں میں کامیاب ہوجاتی ہیں، اور جس بات پر اصرار کرنے لگتی ہیں جب تک وہ پورا نہ ہوجائے اس وقت تک دم نہیں لیتیں، اس لئے صبح کے وقت میں پھر اپنے گھر کو الوداع کہہ کر روانہ ہوگیا، میں پرانے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھا لیکن اس بار اونی موزے اور اونی "انڈرویئر" بھی تھا، میں نے ایک دوسری کار خرید لی تھی میرا ارادہ اپنے چچا کے یہاں جانے کا تھا جو اس مقام سے ۵۰ میل کے فاصلے پر تھے، اور وہاں کاشتکاری کا کام کرتے تھے۔

چلتے چلتے میں ایک سوختہ گاؤں میں پہونچا وہاں مجھے جرمن سنتریوں نے روکا، اور مجھ سے نہایت غیر مہذبانہ طور پر سوال کیا، لیکن میرے جوابوں سے جب انہیں اطمینان نہیں ہوا، تو انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی گاڑی میں بٹھایا جس میں میرے علاوہ اور بھی چالیس آدمی تھے، میں تمام رات وہیں رہا، بغیر آب و دانہ کے، زیادہ تر وقت میں کھڑے ہی کھڑے گذرا کیونکہ اس قدر کافی جگہ نہیں تھی کہ بیٹھنے کی گنجائش نکل سکتی۔

دوسرے روز بغیر غذا کے ہم لوگ ایک لاری میں بٹھا دیئے گئے جہاں ہم لوگوں نے ایک وسیع کھردرا میدان دیکھا جس کے چاروں طرف بجلی کے تار لگے ہوئے تھے اور اس میدان کو آہنی تاروں سے گھیر دیا گیا تھا فرش زمین پر ہم لوگوں نے ہزاروں آدمیوں کو بیٹھے ہوئے پایا

ایک جرمن نوجوان افیسر نے چلا کر کہا، صندی اور مٹی پولو، ہم تمہیں ایک سبق دینا چاہتے ہیں، وہاں سے اٹھو، اور علیحدہ علیحدہ ہوجاؤ، کھڑے ہوکر انتظار کرو۔

میں کھڑے کھڑے چکرا گیا اور میری آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا، میرے بدن میں لرزش طاری ہوگئی، اور میں زمین پر گردش کھا کر گر پڑا، ابھی تک میری قسمت نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا، میں نے مایوسی و ناامیدی کے آگے ہتھیار ڈالدیے اور قسمت پر شاکر ہوگیا اگرچہ سردی بہت کافی تھی، لیکن سورج چمک رہا تھا، اور میں سوگیا۔

سونے سے بدن میں چستی اور توانائی آگئی، ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا کسی نے میری رگوں میں نئی طاقت کا خون دوڑا دیا ہے، اور جب میں بارش سے اٹھ پڑا، تو میں نے پھر زندگی سے دلچسپی لینی شروع کردی، تھوڑے فاصلے پر برقی تاروں سے کئی گز پرے میں نے ایک متحرک باورچی خانہ کو آتے ہوئے دیکھا، جرمن سنتری اپنا اپنا برتن لے کر کھانا لینے کے لئے دوڑ پڑے۔

میں نے اپنے ایک ساتھی سے یونہی دریافت کیا اب ہم لوگوں کو کب کھانا ملے گا، ایک آدمی جو نزدیک ہی کھڑا ہوا تھا، اس نے جواب دیا کہ میں یہاں تین دن سے ہوں لیکن نہ کچھ کھانے کو ملا اور نہ پینے کو۔

اب میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا کہ بارش کی وجہ سے لوگوں کے کپڑے جو تر ہوگئے تھے وہ انہیں نچوڑ نچوڑ کر پانی کے قطروں سے اپنا منہ بھر رہے تھے میرا گلا خشک ہو رہا تھا، اور آگ سی لگی ہوئی معلوم ہو رہی تھی اس لئے میں نے بھی وہی کیا، ہمارے آس پاس جو لوگ کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ ہم جیسے نظر بندی کے کیمپ میں . . . لم ہزار آدمی ہیں۔

جس وقت بارش ہو رہی تھی پانی کے دھارے نشیبی جگہوں میں جمع ہونے شروع ہوگئے اور لوگ اونچی جگہ پر جا کر کھڑے ہوگئے اندھیرا ہونے سے قبل محافظین کا ایک دستہ اس میدان میں آیا، اور بندوق کے کندوں سے مار مار کر لوگوں کے جتھوں کو توڑنے لگا اور سبھوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے لگا۔

برقی تاروں کے باہر وہ مقام سنتریوں کے حلقہ میں تھا اور ان کے پاس چھوٹی چھوٹی مشین گن تھیں، اور کونوں پر بھاری بھاری مشین گنیں نصب کردی گئیں تھیں، اندھیرا ہونے کے دوران میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ برقی تاروں کے احاطے سے بھاگ گیا اور دوڑنے لگا لیکن مشین گن کی گولیوں کی بوچھار

اس کی ٹانگ ودو کو ساکت کر دیا، اور وہ سر کے بل گر پڑا، صبح کے وقت سپاہیوں نے اسے گھسیٹ کر کنارے ڈال دیا۔

رات کے وقت جب سردی میں زیادتی ہوتی گئی، تو ہمارے ہاتھ پاؤں سرد ہوگئے اور بدن میں کپکپی ہوگئی، میرے پاس ہی ایک آدمی کھڑا ہوا تھا جسے سردی سے بخار ہوگیا تھا، اور اس میں سرسامی کیفیت پیدا ہوگئی، سردی سے اس کی حالت اس قدر ردی ہورہی تھی کہ اس نے ہم لوگوں سے استدعا کی کہ ہم لوگ اس کو پکڑے رہیں، ایک لڑکی جس کا نام وانڈا تھا، وہ تاریکی میں اس کے پاس گئی اور اس کو اپنے بازوؤں کے درمیان لے لیا۔

دوسرا دن پاگل بنا دینے والا تھا، لفظی معنوں میں واقعی ایسا ہی تھا، کیونکہ اس دوران میں ایک درجن آدمی جو ہمارے احاطہ میں تھے وہ یا تو پاگل پن سے یا خودکشی کرنے کے خیال سے برقی احاطوں سے کود کر بھاگنے لگے، ان کے پیچھے مشین گنوں کی گولیوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کی حیات کا چراغ اس طرح گل ہوگیا، لیکن ہم لوگوں کو امید تھی، چاہے وہ موہوم ہی سہی، ہمارے پاس ہی دو دیہاتی لڑکے جو کھڑے ہوئے تھے، وہ وانڈو کے پاس گئے اور پھر میرے پاس آئے، وہ بھاگ نکلنے کی سازشیں کرنا چاہتے تھے، وہ بوڑھا آدمی جو اب اپنے ہوش میں آچکا تھا، اس قابل ہوگیا تھا کہ ہماری آزادی کی کنجی ہمارے ہاتھوں میں دے سکے، ایک مضبوط فولادی سلاخ جو اس کے پاس تھا اس نے دیا۔

قدرت ہمارا ساتھ دے رہی تھی، کیونکہ رات شروع ہوئی تو طوفانی ہوائیں بڑی تیزی و تندی کے ساتھ چلنے لگیں، اور بارش بھی ہونے لگی، نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ ہم لوگ دبے پاؤں چل کر اپنے مجوزہ مقام پر پہونچے، ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، یہاں تک کہ برقی تاروں کے پاس آئے۔ ہم لوگوں نے اس فولادی سلاخ سے کام لیا اور اس کے ذریعہ تاروں کو ہٹانے میں کامیاب ہوگئے۔

ہم لوگ کسی نہ کسی طرح مشکلوں سے باہر نکلے اور اس کے بعد کیچڑوں سے پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک جنگل میں سلامتی سے مقام پر پہونچ گئے، وہاں ہم لوگ جدا ہوئے، میں وہاں سے سیدھا وارسا کی طرف لوٹا، وہاں جو بھی خطرات ہوں لیکن میں بدترین خطروں سے دوچار ہوچکا تھا، اس سے بڑھ کر وہاں کے خطرے نہیں ہوسکتے۔

ان تمام مصیبتوں، اذیتوں، صعوبتوں، ذہنی تفکرات، اور دماغی پریشانی کے باعث مجھے ضرورت محسوس ہوئی کہ کہیں کچھ دیر کے لئے اپنے حواس درست کروں، پراگندہ خیالات کو جمع کر کے کچھ سوچ بچار سے کام لوں، ناردے سو ٹیٹ سے کچھ دور پر مجھے ایک کیفے ملا، جسے ایک اسٹیج کے کامیڈین ایکٹر نے کھول رکھا تھا، کیفے کی ملازمین وارسا کی تھیٹر کی مایۂ ناز اسٹار تھیں، ان لوگوں کو بڑی مسرت تھی کہ ان لوگوں کو کام تو مل گیا، اور روٹی کا سہارا تو ہوگیا، کیونکہ بیکاری اور عزت سے وہ بھوکوں مرنے کے قریب ہوگئی تھیں۔

یہ کیفے جو قائم رہ گیا تھا، اس کے وجود کا باقی رہنا معجزہ سے کم نہیں تھا، کیونکہ ناروی سو ٹیٹ (نیو ورلڈ اسٹریٹ) بالکل منہدم ہوگیا تھا، اور کوئی عمارت ایسی نہیں تھی جس کا ایک ستون بھی رہ گیا ہو، کیفے کے ایک گوشے میں ایک پانچ منزلہ عمارت منہدم ہوگئی تھی، اور اب ایک ماہ کے بعد لوگ اس مکان کو کھود رہے تھے،

کیفے کے اندر سب سے زیادہ تکلیف پہونچانے والی چیزیں غیر حقیقی تھیں، میرے سامنے وارسا کے ایک دولت مند ترین اسپورٹس مین کی بیوہ آکر بیٹھ گئی، اسے حال ہی میں بیوگی کا غم اٹھانا پڑا تھا، وہ ایک خوبصورت عورت تھی، اور اعلیٰ فیشن کے مطابق کپڑوں سے آراستہ و پیراستہ تھی۔

میں نے اس سے پوچھا اس قدر اداس کیوں چھائی ہوئی ہے، ایک ہفتہ ہورہے ہیں کہ میں یہاں آیا تھا اس وقت میں نے دیکھا تھا کہ عورتیں سروں کو دیہاتی رومال سے ڈھانپے گذر رہی تھیں۔

"ہاں، وہ ہم لوگوں کا ایک اچھا مظاہرہ تھا، یہ ماتم کی ایک علامت تھی، اور قومی فخر و ناز کا ایک نشان، مصیبت یہ تھی کہ جرمن سپاہیوں نے اس کو نہیں سمجھا، اور جب ان لوگوں نے ایک خوبصورت عورت کو شال میں دیکھا تو ان لوگوں نے سمجھا ایک دیہاتی عورت سمجھا، اور اس کی تمنا کرنے لگے، یہ انتہائی تکلیف دہ بات تھی، اس لئے اب ہم لوگوں نے اپنی روش میں تبدیلی کردی ہے، اور اب ان کو آزار دے رہے ہیں تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ لوگ اچھے اچھے لباسوں سے روبرو کس قدر بے خود ہوجاتے ہیں یہ قیمتی اور بہترین لباس جو ہم پہنے ہوئے ہوں وہ خوشی کی علامت کے طور نہیں بلکہ حفاظت کے طور پر۔

یکایک گوشے سے ایک گرد کی آواز سنائی دی، مکان کا بڑا احاطہ کھولا گیا تھا جو میں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کیا واقعات رونما ہوئے تھے، اس بڑے صحن میں ۹۰ مرد، عورت اور بچے ہوائی حملوں کے خوف سے . . . پناہ گیر ہوگئے تھے، لیکن جب مکان منہدم ہوگیا، تو گویا وہیں ان کی قبریں بن گئیں۔

اس جدید جنگ کی دہشت ناکی کی ایک ہولناک نوعیت یہ بھی تھی کہ ہسپتالوں پر بھی بمباریاں کی گئی تھیں، وارسا میں ہوائی اسپرنٹ کے ہسپتال کی مثال لیجئے۔ اس کی شناخت نا قابل خطا تھی، اس کے بچانے میں ہرگز کوئی دقت نہیں حائل ہوسکتی تھی، لیکن اس کے نصف سے زیادہ حصوں پر بم برسائے گئے، وہاں کے مقتولین کی تعداد ایک سو اسّی، نرسوں کا بھی شمار تھا، نرسوں، اور مریضوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

جرمنوں کو بالکل نہیں معلوم تھا کہ وارسا کے ناقابل مغلوب اسپرٹ اور جذبۂ خودی سے ساتھ کیا جائے۔ یہ نیم مردہ انسان جو پوری طرح کچل دیئے گئے تھے جن کے چہروں پر بھوک کی شدت سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں جو نیم عریاں ہورہے تھے، ان سے جرمنوں کو ہمیشہ بغاوت اور انقلاب کا خطرہ لگا رہتا تھا۔

وارسا میں لوگوں کی بے حد کثرت ہوگئی تھی، اس قدر کثرت کہ شمار سے باہر ہے وجہ یہ تھی کہ باہر کے پناہ گیر لوگ بھی وہاں آگئے تھے، مغربی پولینڈ سے بہت سے لوگ آگئے تھے اس مقام پر لوگوں کے ساتھ نہایت ستم بے رحمی اور تشدد سے پیش آیا گیا، نہایت ذلت کے ساتھ غیر مسلح کیا گیا اور انہیں جانوروں کی طرح بھگا دیا گیا۔

اور جب بمباری ختم ہوئی تو ان شہروں کی جو حالت زار ہوئی ہے اس کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ضروری اطلاع ہاتھوں کا بھلا ہو کا ہائے پڑتانے سے

صاحبان! میں نہ اشتہاری حکیم ہوں نہ ڈاکٹر بلکہ ایک معمولی آدمی ہوں۔ بدقسمتی سے مجھے اپنے ہاتھوں اپنی جوانی کا ستیاناس کرنے والی عادت پڑ گئی تھی جس کے نتیجہ بد سے میں بالکل بے خبر تھا۔ اچانک عرصہ ڈیڑھ سال کے بعد مجھے نامردی کا نامبارک مرض لاحق ہو گیا۔ سرعت۔ جریان۔ احتلام وغیرہ کی بے انتہا شکایتوں کے سبب میرا چہرہ دن بدن لاغر اور زرد ہوتا جاتا تھا۔ دیگر دل ہر وقت دھڑکتا سر چکراتا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا۔ گھبراہٹ سستی اور اداسی چھائی رہتی تھی۔ دوست احباب میری پژمردگی کا سبب پوچھتے تھے مگر میں کسی کو اپنی حالت سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا مگر در پردہ مشہور شہروں کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں سے جن کے لمبے چوڑے اشتہاروں کی کوئی حد نہ تھی ادویات منگا کر استعمال کرتا رہا لیکن مجھے بالکل خاک بھی فائدہ نہ ہوا بلکہ علاوہ خرچ کے کئی اور تکلیفوں کا سامنا کر کے بھی مایوس ہی رہنا پڑا۔ اس مایوسی کی حالت میں زندہ درگور ہونے کو ترجیح دیتا تھا۔ اتفاقاً خوش قسمتی سے مجھے ملازمت کے ایک سلسلہ میں پشاور جانا پڑا۔ پشاور میں جگہ مل کر ٹھہرا۔ وہاں ایک فقیر خضر صورت جو کہ پہلے سے وہاں مقیم تھے۔ مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اداس اور تمہاری صورت مریضوں کی سی کیوں ہے؟ میرے پُر درد دل نے اس خضر صورت اور کامل سنیاسی سے اپنا سارا رنج و درد کہہ ڈالنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اب میں زندگی سے تنگ آکر خودکشی کرنے پر آمادہ ہوں۔ اس فقیر صاحب کمال نے از راہِ شفقت میرے حالِ زار پر رحم فرما کر ایک نسخہ کھانے کیلئے مقوی گولیوں کا اور دوسرا نسخہ رگوں اور پٹھوں کی سستی دور کرنے کیلئے مالش کا بتایا۔ چنانچہ میں نے حسب ارشاد اس صاحب کمال کے لاتعداد جنگلی جڑی بوٹیاں اور کئی ادویات بازار سے خرید کر ہر دو جوہر کیمیا کو زود بعد اس صاحب کمال کے تیار کر کے استعمال کرنا شروع کیا! **ناظرین! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہتا ہوں** کہ ساتویں روز ہی میری تمام شکایتیں رفع ہونی شروع ہو گئیں اور میں اپنے آپ کو قابلِ فخر مرد کہنے کا مستحق ہو گیا۔ اگرچہ مجھے چند ہی روز کے استعمال سے ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ مگر بموجب ارشاد اپنے محسن خضر صورت کامل سنیاسی کے **اکیس روز** تک پرہیز اور علاج جاری رکھنا پڑا۔ میں ہر روز تین سیر ساڑھے تین سیر دودھ بآسانی ہضم کر لیتا تھا۔ میرا چہرہ بارونق۔ بدن مضبوط۔ بینائی طاقتور ہو گئی۔ اب میں ایسا قابلِ فخر مرد بن گیا ہوں کہ جس کے بیان کرنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ واپس آکر باقیماندہ دوائی کا نامردی کے مایوس مریضوں پر تجربہ کیا تو ہر قسم کی نامردی سستی۔ جریان۔ احتلام۔ سرعت وغیرہ کے لئے اکسیر سے بڑھ کر پایا۔ پھر کئی ایک دور اندیش احباب کے اصرار اور عوام کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اشتہار بغرض رفاہ عام دیا جاتا ہے کہ جو صاحب اس شرمناک اور قبیح عادت کے شکار بن کر حظوظ انسانیت سے محروم ہو بیٹھے ہوں اور سینکڑوں روپیہ علاج معالجہ پر صرف کر کے مایوس ہو چکے ہوں وہ اس قلیل القیمت اور سریع الاثر دوائی کو استعمال کر کے صحت یاب ہو جائیں اور خدا کے فضل کے گیت گائیں۔ قیمت صرف لاگت ادویات اور خرچ اشتہار پر بمشکل اکتفا کرتی ہے فائدہ بہت کم ملتا ہے۔ **قیمت مقوی گولیاں فی شیشی جس میں ۱۲ روز کی ۲۴ خوراک موجود ہے صرف دو روپیہ** مگر

قیمت روغن مالش طلا جو ۱۲ روز تک رگوں اور پٹھوں کیلئے کافی ہے فی شیشی ۲ دو روپے آٹھ آنے جریان کیلئے یہ گولیاں ازحد مفید ہیں۔ مادر زاد نامردی کے سوائے خواہ کسی قسم کی نامردی کا مریض کیوں نہ ہو اکسیر ہے۔ روغن مالش طلا سے کبھی قسم کی پھنسی یا آبلہ ہرگز نمودار نہ ہوگا۔

اس دوائی میں کشتہ وغیرہ کی آمیزش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بچہ۔ جوان اور بوڑھا بآسانی بغیر لحاظ موسم کے ان گولیوں کا استعمال کر سکتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس دوائی کے استعمال کے بعد دوبارہ کسی دوائی کی ضرورت نہ رہے گی۔ آخر میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اشتہار کے نکالنے سے میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے اور نہ ہی میرا مدعا جعلی اشتہار شائع کر کے پبلک سے روپیہ کمانے کا ہے بلکہ ہر خاص و عام کا فائدہ مدنظر رکھ کر احباب کے اصرار پر اشتہار شائع کیا جا رہا ہے۔ تندرست اور شوقین اصحاب بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کے استعمال سے سست سے چست اور چست سے طاقتور بن جاتا ہے اگر بڑھاپے میں بھی لطف جوانی اٹھانا چاہتے ہیں۔ تو ان گولیوں اور روغن مالش طلاء کا استعمال کریں کیونکہ اس کے استعمال سے بدن میں خون صالح پیدا ہو جاتا ہے۔ الغرض جب تمام چرخا ڈھیلا ہو گیا ہو تو ان کا استعمال کریں اور فائدہ اٹھائیں۔ مخفی دکھوں کا تمام دنیا کی دواؤں سے عجیب و غریب علاج ہے۔

نیز عورتوں کی جوانی قائم رکھنے کے لئے - جو عورتیں جریان الرحم یا اخراج رطوبت یعنی لیکوریا جیسے خطرناک امراض میں مبتلا ہوں۔ اُن کے لئے مقوی گولیاں ازحد مفید ہیں۔ ضرورت مند اصحاب تجربہ کر لیں۔ مکمل پرچہ ترکیب ہمراہ دوا ہوگا۔ محصول ڈاک ۸ر علاوہ۔ تمام خط و کتابت پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔

خاص نوٹ } وہ اصحاب جو ہم سے دوائی منگا کر استعمال کریں۔ اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔ کیونکہ کئی اصحاب نے پیشہ اختیار کر رکھا ہے کہ ہم سے دوائی منگا کر زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا فقیر خضر صورت سنیاسی کے قول کے مطابق اس کی کمائی کھانا گناہ ہے۔ یہ گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹرڈ ہیں۔ آرڈر دیتے وقت اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھیں۔

غیر ممالک سے قیمت پیشگی۔

ضروری اطلاع

یہ یاد رہے کہ میری دوائی صرف نامردی سستی۔ جریان۔ احتلام۔ سرعت۔ کمزوری اور لاغری اور جریان الرحم و لیکوریا کے لئے مخصوص ہے [illegible]

شرطیہ علاج اور شرطیہ وعدہ

ہندو کو دھرم اور مسلمان کو ایمان کی قسم ہے کہ اگر میری دوائی کے استعمال سے حسب دلخواہ فائدہ نہ ہو [illegible]

ڈاکٹر بیگراج سنگھ از امرتسر

یہ دوائی احتلام و ضعف و انزال کیلئے اکسیر ہے۔

ڈاکٹر حسین خان از سنگاپور

یہ دوائی علت زدہ مریض کے لئے شرطیہ فائدہ دہ ہے۔

حکیم جہانگیر بیگ از چوبیس پرگنہ

یہ دوائی قابل تعریف ہے۔

ڈاکٹر شاہ خیرات امام ایم۔ ڈی۔ [illegible] از حسین آباد (مونگیر)

یہ دوائی گم گشتہ قوت مردی کو از سر نو بحال کر دیتی ہے۔

مسٹر آر چندر ا از امریکہ

اس دوائی کے استعمال سے میرا وزن بڑھ گیا ہے۔

جناب حکیم محمد عبدالرزاق صاحب از کراری ضلع الہ آباد

دار الشفاء کی گولیاں و روغن مالش طلا بہت سے مریضوں پر استعمال کیا سو فیصدی نہ دو اکسیر و مفید پایا۔

حکیم رام چندر از رنگون

یہ دوائی رگوں اور پٹھوں کیلئے بیحد مفید ہے۔

حکیم چونی لال از لاہور

یہ دوائی اولاد پیدا کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔

مسٹر ہری رام از سرکاری ہسپتال گوالیار

یہ دوائی نامردی کے مریض کو استعمال کرائی گئی۔ بیحد مفید پائی گئی۔

ڈاکٹر ایچ ایچ ناکس از امریکہ

یہ دوائی نامرد کو مرد بنا دیتی ہے۔

والدہ یوسف کمال از کلکتہ

یہ دوائی جریان الرحم و لیکوریا کیلئے مفید ہے۔

آغا رام صاحب پوسٹ ماسٹر از سری نگر

یہ دوائی جسمانی کمزوریاں کو مستقل فائدہ کرتی ہے۔

منیجر دار الشفاء گولیاں رجسٹرڈ بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب



Famous Stage, Film, Gramophone & Radio Star.
JAHANARA KAJJAN

حسن جاسوسی اور جنگ

(از ظہیر احسن صاحب ماہ پوری)

فتنۂ عالم کی محیر العقول سرگرمیوں نے دنیا کو ورطۂ استعجاب میں ڈال دیا ہے۔ اور جرمنی کی موجودہ جنگی کامیابیاں بہت حد تک اسی تحریک کی مرہونِ منت ہیں مگر فتنۂ عالم کے دوش بدوش ایک اور ایسی جماعت سرگرم عمل ہے جو اپنے حیرت انگیز کارناموں کے اعتبار سے بسا اوقات فتنۂ عالم سے بھی زیادہ ممتاز نظر آتی ہے۔ یہ جماعت ان جرمن دوشیزاؤں پر مشتمل ہے جو اپنے حسن و جمال اور ناز و ادا سے ایسے ایسے ہولناک اور روح فرسا کارنامے انجام دیتی ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

ہٹلر کی جنگی کامیابیوں کا راز تین اہم عناصر میں مستور ہے .... حسن، جاسوسی اور دروغ بافی۔ آخرالذکر دونوں عناصر میرے موضوع سے خارج ہیں۔ لہذا میں صرف حسن کی فتنہ پردازیوں پر کچھ روشنی ڈالوں گا۔ اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ ہٹلر کی کامرانیوں کا دارومدار زیادہ تر حسن و شباب کے ہتھکنڈوں پر ہے۔

ہٹلر کی فتنۂ عالم سے زیادہ اس کا وہ نسوانی دستہ زیادہ خطرناک، اور مضرت رساں ہے جو اپنی خوبصورتی و رعنائی کی بدولت اپنے وطن عزیز کی خدمت بیش از بیش کر رہا ہے۔ ماہ وش دوشیزاؤں کی ایک بہت بڑی تعداد دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوتی ہے۔ اور دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ ہٹلر کی ذلیل مرادیں ان کی مساعی کی بدولت پوری ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

راز کا انکشاف کیسے ہوتا ہے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جن رازوں کو معلوم کرنے میں مردوں کی عقل و فہم ناکام رہی ہے وہاں عورتوں کی فہم و فراست کامیاب رہی ہے۔ جاسوس کی کامیابیاں اس امر کی شاہد ہیں۔ مشاہدات و تجربات سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کسی حکومت کا ذمہ دار افسر عموماً نسوانی حسن سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ اور اس کی یہی کمزوری اپنی معشوقہ دلربا یا محبوبہ پر اپنے تمام دلی راز عیاں کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور اسے اپنی عیار محبوبہ کی کارستانیوں کا احساس اس وقت ہوتا ہے۔ جب صورت حال قابو سے باہر ہو جاتی ہے۔ ہٹلر سرکاری افسروں کے اس نفسیاتی پہلو کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ بنابریں اس نے دلفریب اور شباب و جوانی سے بھری ہوئی دوشیزاؤں کو ان ملکوں میں پھیلا دیا ہے۔ جن کی سیاسی، جنگی اور سماجی سرگرمیوں سے اسے واقف ہونا ضروری ہے۔ ہٹلر کی یہ فریب کار دوشیزائیں مخالف حکومتوں کے بڑے بڑے افسروں سے راہ و رسم پیدا کرتی ہیں۔ عشق و محبت کے کھیل کھیلتی ہیں۔ اور بالآخر تمام خفیہ راز معلوم کر کے اپنی حکومت کو بھیج دیتی ہیں۔

جاسوسی زمانہ قدیم میں صرف مردوں کے لئے مخصوص تھی۔ مگر آجکل اسے صنف نازک نے اپنا لیا ہے اور اس فن کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور اس میں مزید وسعت پیدا کرنے کے لئے وہ اپنے تمام جنسی لفریبیاں سحرکاریوں اور کشش انگیزیوں کو بروئے کار لا رہی ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ حسن لطیف کی فریب کاریاں صنف قوی سے بدرجہٗ اتم خطرناک، ہوتی ہیں۔

گذشتہ جنگ عظیم میں بے شمار جاسوس عورتیں منظر عام پر آئیں۔ لیکن اس جنگ میں جاسوس عورتوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا قریباً ناممکن ہے دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا خطہ موجود ہوگا۔ جہاں ان فریبی عورتوں کی تگ و دو مسدود و محدود رہی ہو۔ یہ امر اس بات سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نئے دن بہت سی جاسوس دوشیزائیں قریباً دنیا کے ہر ملک میں گرفتار ہو رہی ہیں۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ گذشتہ جنگ عظیم میں جرمنی اور وول، وسطی کی طرف سے قریب قریب ۲۵۰۰۰ ہزار جاسوس دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے، اور ان میں بھاری تعداد عورتوں ہی کی تھی۔ موجودہ جنگ میں جاسوسی بہت وسیع پیمانہ پر چل رہی ہے۔ اور جاسوس دوشیزائیں حشرات الارض کی طرح دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں یورپ میں دو سو جاسوس گرفتار ہوئے تھے، جن میں ستر عورتیں شامل تھیں........ نہایت نرم و نازک، حسین خط و خال اور بڑی بڑی نیلی آنکھوں والی۔ شعر و شباب کی پیکر اور بلا کی ذہین و فطین۔

رومان اور پرخطر زندگی

ان جاسوس عورتوں کی زندگی رومان و محبت اور خوف و ہراس کا ایک مضحکہ خیز مرقع ہے ...... بڑے بڑے ذمہ دار افسروں کو مسخر کرنا، تمام پوشیدہ باتیں معلوم کرنا۔ اور پھر انھیں خفیہ طور پر اپنے ملک بھیجنا، کوئی آسان کام نہیں۔ یہ حیات و موت کا کھیل ہے۔ کبھی کامیابی ہوتی ہے اور کبھی ناکامی اور ان دونوں صورتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ جرمن یا اطالوی جاسوس دوشیزائیں ہندوستان میں کامیاب نہیں ہو سکیں، مگر یورپ میں وہ اپنے مکر و فریب کا جال بہ آسانی بچھا دیتی ہیں۔ کیونکہ یورپ کے ہر خطہ کی عورتیں رنگ اور روپ کے لحاظ سے یکساں ہوتی ہیں۔ اور آپس میں خلط ملط ہو جانے کے بعد ان کا امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اس لئے وہ اپنے کام کو بہ وجوہ احسن انجام دیتی ہیں۔ ہندوستان میں گویا فریب کار دوشیزائیں بہ یک نظر پہچانی جا سکتی ہیں۔ تاہم ہمیں اس نسوانی خطرے کی طرف سے ہمیشہ محتاط رہنا چاہیئے۔ ذمہ دار افسروں کو خصوصاً اجنبی خوبصورت عورت سے دوستی پیدا کرنے میں انتہائی دوراندیشی سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خطرہ دوشیزگی و معصومیت کے بھیس میں ہر جگہ موجود ہے۔

مغربی تہذیب نے عورتوں کو بالکل آزاد کر دیا ہے اس لئے وہ ہر کس و ناکس سے تعلقات استوار کرنے میں بالکل بیباک ہیں۔ حسین لڑکیوں کی اس جگہ بھی رسائی

ہو جاتی ہے۔ جہاں ہوا کا بھی گذر نہیں ہوتا۔ سوسائٹی کی اس نرمی سے جرمن دوشیزائیں بہر صورت متمتع ہوتی ہیں۔ اگرچہ ایشیائی ممالک میں دشمن لڑکیاں آسانی سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ مگر یہاں کے مغرب زدہ مرد حد درجہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ وہ یورپی لڑکیوں سے دوستی قائم کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ لیکن اپنی نادانی سے وہ اس بات کو قابل توجہ نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے اس فعل سے خود اپنے ممالک میں جاسوسی کے کیڑے پھیلا رہے ہیں۔

معصوم عورتیں بھی خطرناک ہوتی ہیں

بعض اوقات معصوم عورتیں بھی خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ وہ اپنے شوہروں سے خفیہ باتیں سنتی ہیں اور اپنی سہیلیوں سے ان کا تذکرہ کرتی پھرتی ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھتیں کہ ان کی سہیلیوں میں سے کتنی ان کی بد خواہ ہیں۔ جرمن جاسوس دوشیزائیں عموماً ایسی معصوم عورتوں کو اپنی چاپلوسی اور چرب زبانی سے اپنے دام فریب میں پھانس لیتی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ بہت سے اہم سرکاری راز معلوم کر لیتی ہیں۔ ان افسروں کو جن کی بیویاں معصوم اور سادہ لوح ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہوشیار رہنا چاہئے۔

امریکہ کا بحری محکمہ ان حسن و شباب کی چلتی پھرتی تصویروں کو کتنا نقصان دہ سمجھتا ہے۔ اس کا اندازہ ان اشتہارات سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو واشنگٹن میں بحری آفس کی دیواروں پر عوام الناس کی آگاہی کے لئے چسپاں ہیں۔ ایک اشتہار کی چند عبارتیں یہ ہیں۔

"دل فریب عورتوں سے ہمیشہ ہوشیار رہو، دشمنوں نے بحری افسروں سے حکومت کے راز معلوم کرنے کے لئے بہت سی خوبصورت عورتوں کو ملک میں چھوڑ رکھا ہے۔ یہ جاسوس عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہوتی ہیں۔ حسین و جمیل شہزادیوں کے ہتھکنڈے میں نہ آجاؤ۔"

جاسوس عورتوں کے معاشقے

گذشتہ جنگ عظیم میں جاسوس عورتوں کے بہت سے معاشقے بھی رونما ہوئے۔ قارئین کے تفنن طبع کے لئے اس سلسلہ میں ایک شہرۂ آفاق جرمن جاسوسہ کا معاشقہ درج ذیل کرتا ہوں۔

بیرونس بنیٹا

ماتاہری کے بعد بیرونس بنیٹا جرمن کی بہت مشہور جاسوسہ گزری ہے۔ وہ ایک بیحد شاطر و عیار عورت تھی۔ اور اپنی غیر معمولی ہوشیاری سے دل کی بات باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیتی تھی۔ خدا نے اسے ملکوتی حسن و جمال ودیعت کیا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی جوان اسے دیکھے اور دل مسوس کر نہ رہ جائے۔ بیرونس بنیٹا۔ بیرونس سمنوسکی کے دام محبت میں بری طرح اسیر ہو گئی، شروع شروع بیرونس نے سمنوسکی کو فریب دینے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور خود اس کی محبت کا دم بھرنے لگی۔ سمنوسکی ایک روسی جوان تھا۔ نہایت شکیل و جمیل اس میں تمام ایسی خصوصیات بیک وقت جمع ہو گئی تھیں۔ جو ایک دوشیزہ کے دل کو مسخر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ایک فوجی افسر تھا۔ اور اس کی ماتحتی میں بہت سے خفیہ کام ہوتے تھے۔ بیرونس سمنوسکی کو سچے دل سے چاہتی تھی، اس کی محبت مکر و فریب سے پاک تھی۔ بیرونس کی مقدس محبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ سمنوسکی کی خاطر خود اپنے وطن عزیز کے خلاف سازش کرنے پر اتر آتی مگر سمنوسکی بیرونس کو نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ قبل ہی ایک روسی دلربا جاسوسہ کیتھرین نیرش کو اپنا دل دے چکا تھا۔ سمنوسکی نے اپنی معذوری ظاہر کی مگر بیرونس کو اس کی باتوں پر یقین نہیں ہوا۔ اور وہ سمنوسکی کے عشق میں وارفتہ سے وارفتہ تر ہوتی گئی۔ بیرونس نے اپنے محبوب کیلئے اپنی جان کی بازی لگادی اور اسے ہر طرح کی مدد پہنچانے لگی۔

بیرونس نے ایک چال چلی........ اپنے محبوب کے لئے۔ اس نے کپڑوں کی ایک دکان کھولی۔ نوجوان لڑکیاں رنگین کپڑوں کی بڑی شوقین ہوتی ہیں۔ چنانچہ حکومت جرمنی کے سکریٹریوں کی نوخیز لڑکیاں بھی اس کی دکان پر آنے لگیں۔ بیرونس ان سے بہت خوش اخلاقی سے ملتی اور اکثر اوقات انہیں ادھار بھی دیتی تھیں۔ اس طرح بہت سی ناسمجھ لڑکیاں بیرونس کی مرہون احسان ہو گئیں۔ لہٰذا جب سمنوسکی حکومت جرمنی کے اسرار معلوم کرنے میں مصروف رہتا تو بیرونس ان لڑکیوں سے فائدہ اٹھاتی اور تمام خفیہ بھید معلوم کرا دیتی تھی۔ انہی [illegible] فریب خوردہ لڑکیوں میں سے ایک کی ماں کو یہ شبہ گزرا کہ اس کی بیٹی پاتی تو ہے۔ بہت قلیل تنخواہ لیکن وہ اتنے قیمتی کپڑے لاتی کہاں سے ہے۔ بنا بریں وہ اس معاملہ کی تفتیش کرنے لگی اور آخر میں بیرونس کی چالاکی طشت از بام ہو گئی۔

تصویر کو دیکھ کر

(از محمد ایوب خاں چغتائی منشی فاضل پنجاب ۔ میونسپل کلرک میاں والی)

صبح کاذب سے قبل ۔ موذن کی اذان ۔ اور صدائے ناقوس سے بہت پہلے شکنتلا کی آنکھ یکایک کھل گئی ۔ جھٹ اٹھ بیٹھی ۔ لیکن خدا جانے کیا ہوا کہ چکر آیا ۔ اور گر پڑی ۔ طبیعت میں گرانی دل میں بے چینی ، پھر بھی نہا دھو کر ۔ اور ایشور کی بھگتی سے فارغ ہو کر گھر کے کام کاج میں لگ گئی ۔ لیکن طبیعت اُچاٹ ، کسی کام کو جی نہیں چاہتا ۔ دل میں عجیب سی خلش ، روح بے چینی اور گھبراہٹ ، دماغ میں مختلف خیالات کا اجتماع ۔ اتنے میں دروازہ پر کسی نے دستک دی ۔ ہانپتی کانپتی دروازہ پر گئی ۔ معلوم ہوا کہ ڈاکیہ ہے ۔ اس نے فوراً لفافہ بڑھایا ، اور چلتا بنا ۔ لفافہ کا ہاتھ میں لینا ، اور دل کا دھک دھک کرنا شروع ہوا ۔ گھبرائی لیکن اندر سے ایک دھیمی آواز آئی ۔ شکنتلا متفکر نہ ہو ۔ ایشور بھلا کرے گا ۔ وہم کو دل سے نکال اور تسکین رکھ ۔ شکنتلا نے کانپتے کانپتے لفافہ چاک کیا ۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک اڑتے ہوئے ہوائی جہاز کی تصویر جس میں اس کا بیٹا ۔ ایک ساتھی کے ہمراہ شاداں و فرحاں ہشاش بشاش جہاز چلا رہا ہے ۔ جہاز کے نیچے ایک خوبصورت شہر ، اور مجمع دکھائی دے رہا ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بلاد ہر دو کو الوداع کہہ رہے ہیں ، کیوں وہ ہاتھوں اور رومالوں سے اشارے کر رہے تھے ۔ منظر واقعی روح فرسا ، اور فرحت خیز تھا ۔ تصویر کے اوپر جلی حروف میں لکھا ہے "الوداع" "مادر وطن کو خیرباد کہہ رہا ہوں" تصویر کا دیکھنا ۔ حروف کا پڑھنا ، بیٹے کی یاد ۔ دل پر بجلی کوند گئی ۔ موتیوں کی طرح آنسوؤں کی بوندیں گرنے لگیں ۔ تمام گھر میں افسردگی کا اظہار کہ آنکھوں کا تارا گھر کا اجالا ۔ نور نظر ، لخت جگر ، دکھوں کا پالا ، ہوائی جہاز کے سفر پر ۔ پرماتما ہی اس کو سکھی رکھے ۔ اور ایشور ہی اس کا رکھوالا ہو ۔ نئی منزل کٹھن ہے ۔ اسی فکر و تشویش میں دن بیت گئے رات کی تاریکی عجیب و غریب ، پر اسرار واقعات کی دنیا دامن میں لئے ہوئے نمودار ہوئی ۔ شکنتلا بیچاری ، دن بھر کی تھکی ماندی بچے کی جدائی کا نیا چرکہ کھائے ہوئی ۔ بستر پر لیٹتے ہی سو گئی ۔ آدھی رات کا وقت ، خاموشی کا عالم سنسناہٹ شکنتلا کیا دیکھتی ہے ؟ کہ اس کا بیٹا فوجی لباس میں ملبوس ۔ ماں کے چرنوں پڑا ہوا ہے ۔ دل بلیوں اچھلنے لگا ۔ خوشی سے پھولے نہ سمائی جب وہ قدم بوسی سے فارغ ہوا ۔ تو ماں سے کہنے لگا ۔

پیاری ماتا :- مجھے آپ بہت ہی متفکر نظر آ رہی ہیں ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری جدائی آپ پر شاق گذر رہی ہے ۔ لوگوں کے بہکانے اور غلط افواہوں کے سننے سے آپ پریشان خاطر ہیں ۔

سنئے میں اصل حالات سے آگاہ کرتا ہوں ۔ میں ہندوستان کو چھوڑے جا رہا ہوں ۔ میں بھارت کا سپوت بن کر مادر وطن کے حکمراں کے خاطر سب کچھ قربان کرنے چلا ہوں ۔ ان دنوں " نظام ہائے سلطنت کا تصادم ہے اور ساکنان ارض کیلئے وقت امتحان ہے کہ ہر دو نظام ..... میں سے کون سا نظام سود مند اور فیض رساں ہے ۔ اور کون سا نظام نقصان دہ و قابل احتراز ہے ۔

ایک نظام جمہوریت کا اور دوسرا مطلق آمریت کا ہے ۔ بدی چاہتی ہے کہ نیکی پر قابض ہو ۔ کذب صدق سے اور باطل حق سے سبقت لیجانا چاہتا ہے ۔ لیکن سچائی سچائی ہے ۔

آمریت کا علمبردار خون آشام ۔ استبداد و بربریت کا فرعون ہٹلر ہے ۔ جس نے دنیائے امن میں آگ لگا رکھی ہے ۔ جس نے کئی معصوم بچوں کو بے پدر ، کئی نوجوان عورتوں کو بیوہ کئی خاندانوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے ۔ کئی امیر گھرانا در در ، اور کئی بچے بلک بلک کر مر چکے ہیں ۔ عالی شان عمارات کھنڈرات ہیں اور سر بہ فلک منزلیں قعر پستی میں جا چکی ہیں ۔ بیسویں صدی کا فرعون چاہتا ہے ۔ کہ مساوات اور انسانی ہمدردی کے جذبات کو دنیا سے مٹا دے ۔ تہذیب و تمدن کے جوہر کو موہوم کر دے ۔ مساوات اور اخوت کے جوہر کو ملیا میٹ کر دے ۔ اخلاق و انصاف کے ہر قانون کو پاؤں تلے روندے "

آمریت چاہتی ہے کہ جمہوریت کا جنازہ کندھے پر رکھے ۔ لیکن جمہوریت جس کو جامع اور لطیف الفاظ "امانت" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ اس بات کی متقاضی ہے کہ اصول آزادی اور قانون عدل و انصاف کو زندہ رکھے ۔ غریب ملکوں کو ہٹلر کے دست تطاول سے رہائی دلائی جائے ۔ اور چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو ظالم اور پر رعونت عقاب کے پنجے سے بچائے ۔ جمہوریت جو کسی کی ملکیت نہیں ، بلکہ جمہور پر محمول ہے ، اور مندرجہ بالا صفات بد سے بیزار ہے ۔ چاہتی ہے کہ ہٹلر جیسے وعدہ شکن ، دغا باز کو اس کے برے ارادوں میں تشنۂ تکمیل رکھے وہ تو اس قول کا پابند ہے ۔

هم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہونگے ۔ تو کیا نام نہ ہوگا ؟

ہماری مہربان سرکار برطانیہ جو امن و اتحاد علم و آشتی کی علم بردار ہے ۔ جو چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی آزادی کو چھنتا ہوا دیکھ کر اور ان کی بربادی و تباہی کے خونچکاں نظارہ سے متاثر ہو کر میدان جنگ میں تلوار نیام سے نکالی ہے ۔ وہ چاہتی ہے کہ اس فرعون کی فرعونیت کا قلعہ فتح کر دے ۔ آپ مشتے بھر بھی فکر نہ کریں ۔ ہماری سرکار کا پلہ بہت بھاری ہے ۔ انھیں نہ فوجوں کی کمی ، اور نہ روپئے کا گھاٹا ہے ۔ جس قدر سامان

حرب ان کے پاس ہے۔ اور کسی ملک میں شاید ہی ہو۔ سمندری طاقت میں تو دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ اور ماشاء اللہ اب ہوائی طاقت میں بھی پیش پیش ہیں۔ ان کی سلطنت اس قدر وسیع ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک پل بھی ایسا نہیں ہوتا جبکہ سورج کی درخشاں کرنیں اس پر نہ چمکیں برطانیہ نے چونکہ ہر موقع پر اپنی رعایا پروری کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے اس کی رعایا تن، من، دھن، سے ان کی امداد کرنے کو تیار ہے۔ اور ہر قسم کی جانثاری بدل و جان کر سکتی ہے۔ ہٹلر جو خاص وجوہات کی بنا پر چند ملکوں کو حلقہ تصرف میں لایا ہے۔ اب خود بخود رو بہ انحطاط ہو رہا ہے وجہ یہ ہے اس کے ذرائع آمدنی محدود اور طریق محاصل بہت کم، ان کا سامان حرب چند روزہ سمجھئے۔ پنجاب میں ایک مثل مشہور ہے کہ جب کموڑے کو موت آتی ہے تو اس کو پر لگتے ہیں۔ اور وہ اڑتا ہے۔ لیکن تھوڑے عرصہ میں خود بخود اس جہان فانی سے مفقود ہو جاتا ہے۔ امی جان۔ یہی حال ہٹلر کا سمجھئے۔ ؎

راستی موجب رضائے خدا است
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

لیکن یہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ لہٰذا اس کا مستقبل میں زوال اظہر من الشمس ہے۔ پیاری ماتا۔ آپ بحیثیت ایک راجپوتنی ہونے کے فرمائیے کہ اس وقت میرا فرض کیا ہے؟ میں بحیثیت ایک فرد رعایا کے اپنے راعی اپنے حاکم اعلیٰ کی نعمت ہائے غیر مترقبہ کا اعتراف کس طرح کروں؟ ان کی آسائشوں کا بدلہ کس طرح ادا کروں؟ میرا فرض ہے کہ اس مصیبت کے وقت بحیثیت ایک بہادر سپاہی کے اپنی بھارت ماتا کے نام کو روشن کروں۔ اور اپنے شہنشاہ معظم کی ہر ممکن کوشش سے معاونت و امداد کروں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بزرگان سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ خوشی سے مجھے اجازت دیں۔ تاکہ میں اس نازک وقت میں مسلمہ خدمات بجا لاؤں۔ آپ شمہ بھر فکر نہ کریں۔ بلکہ میرے لئے اور سرکار برطانیہ کیلئے صدق دل سے دعا کریں کہ ایشور ان کو نیک ارادوں میں بامراد کامران کرے۔ زندگی ہوئی تو عنقریب فتح کی خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا حاضر خدمت ہوگا۔ کیونکہ ؎

جس کو راکھے سائیں مار نہ سکے کوئی
بال نہ بیکا کر سکے جو سب جگ بیری ہوئے

ماں نے خوشی سے یہ شعر پڑھتے ہوئے اپنے لخت جگر کو رخصت کیا۔ ؎

ہمت سے اپنی ناطقہ ہٹلر کا بند کر
جا نام اپنے ملک کا بیٹا بلند کر

موذن کی اذان اور ناقوس کے شور سے پہلے چڑیوں کی چوں چوں اور قمریوں کی کوکو سے پہلے شکنتلا کی آنکھ کھل گئی۔ لیکن اب وہ عالم پریشانی میں نہ تھی۔ بلکہ مسرت اور انبساط کی بہاریں۔ ہونٹوں پر تبسم دل میں فرحت گویا کہ بوجھ جو دل کو مسل رہا تھا۔ اٹھ گیا۔ وہ بوجھ یہی تھا۔ کہ بیٹے نے اپنی سفر ہندوستان کی رام کہانی



"لاول" فرانسیسی قوم کا غدار، قوم فروش، ہٹلر کا گرگا۔
(ہمارے آرٹسٹ کی نظر میں)

جنگ کی ہولناک آگ میں کودنے کا قصہ عالم خواب میں سنایا۔ وہ اصل حالات سے آگاہ ہوگئی۔ راجپوتی خون رگوں میں موجزن تھا۔ اپنے بیٹے کے احساس فرائض سے خوش تھی۔ بخوشی صرف چند الفاظ میں اجازت دیدی بھارت کی مائیں اور بھارت کے سپوت ایسے ہوتے ہیں۔

ہم ہٹلر کو کس طرح مغلوب کر سکتے ہیں

از:- میجر جنرل جے، اف، سی، فلر

جنگ میں فتحیابی حاصل کرنا کئی اہم باتوں پر موقوف ہے۔

اوّل۔ صحیح فکر۔ دوئم۔ صحیح عمل۔

اب میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ ہم امن کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جنگ کا ناگزیر نتیجہ امن ہے۔ اور اس مقصد کا محض ایک ذریعہ ہے۔

اس سے شروع کرنے سے پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ قارئین کرام اس امر کو ہرگز نظر انداز نہ کریں۔ کہ کوئی قوم آسانی سے جنگ میں نہیں شریک ہو جاتی۔ بلکہ وہ ان حالات کو تبدیل کرنے کے لئے جنہیں وہ سخت دلائل سے نہیں تبدیل کر سکتی اور ایک جدید صورت نکالنے کیلئے جنگ میں مبتلا ہوتی ہے۔

اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ جرمنی نے یہ جنگ کیوں کی، اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) ان علاقوں کو حاصل کرنے کے لئے جو ۱۹۱۹ء میں اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے،

(۲) مشرقی یورپ پر اقتصادی قبضہ حاصل کرنے کیلئے۔

جہاں تک پہلی وجہ کا سوال ہے۔ ذاتی طور پر میں اس سے ہمدردی کرتا ہوں۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم لوگوں کی حالت بھی وہی ہوتی جو اسکی تھی، تو ہم بھی وہی کرتے جو اس نے کیا۔ لیکن اس کا دوسرا مقصد بہت مختلف ہے۔ اور اس چیز نے ہم لوگوں کو جنگ میں اترنے پر مجبور کر دیا ہے۔

لیکن جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے کچھ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس جنگ میں اسیطرح فتح حاصل کریں، جس طرح ہم لوگوں نے نپولین کی جنگ میں حاصل کی تھی، یا اسیطرح جنگ میں فتح حاصل کریں جسطرح واٹرلو میں حاصل کی تھی، یا جنگ عظیم میں جس طرح حاصل کی تھی جس میں عام بربادی و تباہی آشکار تھی۔

اب اس تصادم میں ہم لوگوں کا منتہائے مقصود کیا ہے؟ ذاتی جذبات سے الگ ہٹ کر، ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کے وجوہ واسباب کو کم کر دیں۔ یعنی ہر بیس برس کے بعد جو تمام دنیا پر جنگ کے بادل چھا جاتے ہیں۔ اور تمام دنیا کو ہلاکت وخون آشامی کی دعوت دینے لگتے ہیں، وہ نہ گھریں اور جنگ کے اسباب میں کمی ہو جائے۔

اگر ہم لوگوں کو مذکورہ بالا جنگوں کی طرح فتح حاصل نہیں ہوئی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم لوگوں نے جنگ میں فتح حاصل نہیں کی۔ اگرچہ یہ ضرور ہوگا کہ جنگ کے وجوہ واسباب میں کچھ نہ کچھ تخفیف ضرور ہو جائے گی۔

عوام کیا چاہتے ہیں ؟

دوسرے لفظوں میں، اپنے مدبروں وسیاست کی دلائل سے قطع نظر میرا خیال ہے کہ لوگ وہی چاہتے ہیں، جو واشنگٹن میں جنرل شرین کے کتبے میں لکھا ہوا ہے۔ یہ میں اس خیال سے کہہ رہا ہوں کہ مجھکو اس کا یقین ہے کہ میرے ہموطنوں کا دل مضبوط ہے۔ اور بہت ٹھوس ہے۔ وہ کتبہ یہ ہے۔

"جنگ کا جائز مقصد کامل امن ہے"

اگر میں صحت پر ہوں اور میرا خیال درست ہے تو یہ ہمارے سلطنت عظیم کے لوگ ہونگے، جو اپنی موزونی عقل عمومی کی بدولت اس جنگ میں فتح حاصل کریں گے۔ اور اسلئے میں سینٹ جان کے یہ الفاظ ان کے نام معنون کرتا ہوں۔

"سچائی ہمیں نجات دلا دے گی"

اب اس جنگ کی بابت سچائی کیا ہے۔ اور وہ کہاں تک ہے۔؟ ایک آواز گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔ "وارسیلز کی غلطیاں" دوسری طرف سے صدا آتی ہے، "ہٹلر کا جذبۂ حرص وہراس" "نسیس" - یہ سب ایک اور گہرے مقصد کے آثار وعلائم ہیں۔ اور یہ وہی ہے جسکا اظہار اپنے اوپر کی عبارت میں کر آیا ہوں یعنی اقتصادی تسلط۔ ہر بڑے ملک میں جب مابین اتحاد اور توازن امن ہے اس وقت اقوام کے مابین سکون واتحاد امن ہے، اور جب ایک قوم کے اندر یہ بات رہتی ہے، تو تمام اقوام عالم میں سکون رہتا ہے اور جہاں اس کے توازن میں فرق آیا۔ بس جنگ وجدل، تفریق وتصادم کے شعلے بلند ہونا شروع ہوئے اور ساری دنیا اس کی لپیٹ میں آجائیگی۔

لیکن ایک بات یقینی ہے۔ ہم لوگ اب قدم واپس لوٹا نہیں سکتے۔ اور دوسری اس لئے بھی یقینی ہے، کہ ہم لوگ موجودہ حالات کے تحت میں کام کر سکتے ہیں۔ جرمنی کی اندرونی حالت یہ ہے کہ اس کے روبرو دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اپنے حدود کو پھیلائے، اور ان میں وسعت دے یا گھٹ کر رہ جائے، اور ہمارے ملک کی صورت حال یہ ہے کہ ہم لوگ یا تو باہر سے آزادتے حاصل کرنے کی فکر جاری رکھیں۔ نہیں تو فاقوں سے ہلاک ہو جائیں۔

لیکن یہ قطعًا ناقابل برداشت ہے کہ زمانۂ امن میں ہٹلر ہم لوگوں سے چیزیں چھینے، اور ان پر قبضہ کرے، خواہ وہ اقتصادی ہو یا سیاسی۔ بہرکیف اس کو جس چیز کی بھی ضرورت ہو۔ اور یہ بھی اسی طرح کی افسوسناک بات ہے کہ اس جنگ میں ہم لوگوں کے لئے کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ مہذب دنیا کے اکثر حصوں کی ناکہ بندیوں سے کام لیں۔ کیونکہ اس کے لئے ہم مجبور ہیں اور بغیر اس کے ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے۔

اس لئے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ واحد چیز جو ہم لوگوں کو ایک مستقل امن کی صورت دکھلائے گی۔ وہ اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ آج کی ایک واحد قوم کل اقوام عالم کی اقتصادی جتھا بندیوں کی گنجائش نکالے ہر قوم اپنی اپنی جگہ پر اپنے تمام حالتوں کا توازن قائم کرے جہاں تک زرعی اور مصنوعاتی ضروریات کا تعلق ہے، اپنی حالت متوازن بنالے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو یوروپین فیڈریشن (وفاق یورپ) کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کی طرف یہ عملی اقدام ہے۔

لیکن اگر اس سے بھی مکمل امن ہم لوگوں کا مقصد ہوا۔ اور ایسے وقت میں جبکہ ایک افسوسناک کھیل میں ہم لوگ وسط راہ میں ہوں اس وقت؟ تو پھر اس کا کیا ہوگا، کیونکہ ہم لوگوں کو اس کا جیتنا ضروری ہے۔ اور ہم مجبور ہیں کہ فتح حاصل کر کے رہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ جب ہم وہ جنگ کئے جا رہے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسا کہ جنگ گذشتہ میں کر چکے ہیں۔ تو پھر اس میں ہم لوگوں کو کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اول تو یہ گولیوں اور

بموں کی جنگ نہیں ہے۔ دوئم نہ کوئی اور کسی نوعہ کی بلکہ اسکی بجائے یہ اقتصادی جنگ ہے۔ جو اخلاقی زہر سے لبریز ہے،

اگر میرا خیال درست ہے کہ ہٹلر ہماری تجارت برآمد پر قبضہ کرنے کا خواہاں ہے۔ اس قدر جارحانہ طور پر نہیں، بلکہ ہم لوگوں کے ذرائع کو دکھلا کر کے تاکہ ہم خود اسپر مجبور ہو جائیں اور اسی طرح عمل کرنے لگیں جسپر عمل کر کے ہم لوگوں نے گذشتہ جنگ میں نقصان اٹھایا تھا، تو ہم لوگوں کو وہ روش بدل دینی چاہیئے اور وقت نکالکر اس کو اپنے طریقہ کار کے ساتھ منطبق کر لینا چاہیئے، کیونکہ یہ جنگ ضربات نہیں بلکہ جنگ استقلال و برداشت ہے۔

اچیلی موزے ایک بات کے اور ہر طرح مسلح تھا، اگر وہ اوزاروں اور بھاری بھرکم اسلحات اپنے بدن پر آراستہ کرنے کی بجائے، اپنی کی حفاظت کرتا تو وہ مارا نہ جاتا۔ جلوگوں کا اچیلی خوراک اور آذوقہ ہے۔

جب ۱۹۳۶ء میں ہماری گورنمنٹ نے ۱۵۰۰ ملین پونڈ تجدید اسلحہ کے لئے منظور کیا۔ تو مجھے یاد ہے کہ میں بیساختہ پکار اٹھا تھا، اگر میں اس کثیر رقم کا مالک ہوتا تو میں اس میں سے نصف رقم زراعت کی بہبودی پر صرف کرتا، کیونکہ آذوقہ ہی آیندہ جنگ میں فتحیابی حاصل کرنے والا ہے، اگر اس بارے میں میرا خیال صحیح ہو تو بجائے اسکے کہ لوگوں کو فوج میں بھرا جائے، انہیں کھیتوں میں بھر دیا جائے۔

لیکن اس کے باوجود اگر ہم لوگ ایسا کریں، پھر بھی اس کے لئے کئی برس درکار ہوں گے۔ اور آذوقہ میں بذات خود انتظام کی لیاقت کے لئے برسوں کی ضرورت محسوس ہوگی، پس اس دوران میں ہمارے لئے اشد ضروری ہے کہ ہماری تجارت برآمد زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ جاری رہے تاکہ پونڈ اور اسٹرلنگ کو جس قدر قریب رکھا جانا ممکن ہو سکے قریب رکھا جائے،

نپولین نے کہا تھا۔

جو لوگ روزانہ بحث کرتے ہیں۔" جنگ میں ہم لوگوں کو کیا ادا کرنا پڑے گا۔" تو اس سے ہمیں سخت کوفت ہوتی ہے۔ اور میرے کان سننے کی تاب نہیں لاتے، کیونکہ ہمارا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگ جنگ کے لئے کیوں کر کام کر سکتے ہیں۔ رقم سے زیادہ اہمیت کام کی ہے۔ کیونکہ کام ہی ہم لوگوں کے لئے یہ جنگ جیت دے گا۔

اگر یہ ہے تو یہ بلاک آؤٹ، خوف و ہراس، تخلیہ، ایک ملک سے دوسرے ملک میں انتقال، جو ہماری بنیاد کو متزلزل کر رہے ہیں۔ جہنم میں ڈالدو، کیونکہ یہ ہماری اہلیت کار پر اثر انداز ہو کر اس میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں یاد رکھو نپولین نے کیا کہا تھا۔

"جنگ میں اخلاقی قوت جسمانی قوت کے مقابلے میں سہ گنی زیادہ ہوتی ہے:"

اب جسمانی طاقت کیا ہے۔؟ کیونکہ جنگ بغیر جسمانیت کے بے معنی ہے۔ ایک ایسی چیز ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس مقام پر میں ایک خالص فوجی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں، یعنی یہ کہ۔ کیا ہم لوگوں کو حملہ کر دینا چاہیئے، ہاں! کیونکہ جنگ میں دشمن کو اقتصادی طور پر درماندہ و عاجز کر دینے کا یقینی امید ہے۔ اور اس سے نہ صرف اس کی اقتصادی حالت پر اثر پڑے گا۔ بلکہ ایک جسمانی و اخلاقی دونوں طاقتوں میں ضعف و انحطاط پیدا ہو جائینگے پھر ہم لوگوں کو یہ کہاں کرنا چاہیئے، یقیناً وہاں نہیں جہاں دشمن مضبوط اور استحکام پذیر ہے۔ بلکہ اس جگہ جہاں کہ وہ کمزور ترین ہے،

برطانیہ کی فتح یقینی ہے

(از خان بہادر رضا علی وحشت کلکتہ)

سبھی دیکھیں گے انگلستان نے کیسی مہم سر کی
خدا چاہے تو اک دن ہو نچھ نیچی ہوگی ہٹلر کی

نہیں کچھ بلجیم پولینڈ، یہ انگلینڈ ہے ہٹلر!
بھرم کھل جائے گا تیرا کہ چوٹیں ہیں برابر کی

قیامت خیز ہے برلن میں طیاروں کی بمباری
دلائی یاد آر۔اے۔اف نے جا کر شورِ محشر کی

بہم نا اتفاقی اک نہ اک دن ہو ہی جائے گی
رہیگی دوستی کبتک مسولینی و ہٹلر کی

یہ خونریزی سبق آموز وحشت ہوگی یورپ کو
کلیساؤں سے نکلے گی صدا اللہ اکبر کی

پہلی جنگ عظیم

از علامہ حضرت آرزو لکھنوی مدظلہ

جو جنگ ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ اور اسی زمانے میں یہ نظم لکھی گئی تھی

انقلابات نے کی امن جہاں پر جو نظر
مرحلہ پیش ہوا صبر و شکیبائی... کا

رنگ یہ دیکھ کے یورپ کے مدبر گھبرائے
جلد سامان کیا انجمن آرائی کا

بزم تہذیب میں پیدا ہوئی بے چینی سی
کچھ حماقت سے چلا زور نہ دانائی کا

آسٹریا نے بس اک بار بدل کر پہلو
مدعا فوت کیا انجمن آرائی کا

ملک گیری کا سمایا تھا جو سودا سر میں
پاؤں کو شوق بڑھا بادیہ پیمائی کا

تیغ چمکانے گیا نور نظر کے غم میں
اور سوجھا نہ علاج آنکھوں کی بینائی کا

روس نے بڑھ کے سر کبر دبایا اس کا
کہ بھروسہ تھا بہت اپنی توانائی کا

جرمنی منتظر وقت تھا ایک مدت سے
حیلہ اک مل ہی گیا حوصلہ افزائی کا

آسٹریا سے کہا ہو نہ ہراساں دل میں
میں ترے حق میں ہوں مونس غم تنہائی کا

وحشت قہر میں جامہ سے ہوا یوں باہر
فصل گل میں ہو جو عالم کسی سودائی کا

دفعتاً چونک پڑا شاہد رعنائے فرانس
چھٹ پڑا ہاتھ سے آئینہ خود آرائی کا

دلبری بھول گئے ناز و نزاکت والے
آ پڑا وقت جو ہاتھوں کی توانائی کا

لب جاں بخش سے برطانیہ کے آئی صدا
کہ یہی وقت ہے انداز مسیحائی کا

ٹالنے سے مگر آئی ہوئی آفت نہ ٹلی
نہ چلا زور نصیحت کی پذیرائی کا

امتحاں گاہ نظر آئی مہذب دنیا
دلولہ بڑھنے لگا معرکہ آرائی کا

سنگ و فولاد بنے قلب بنی آدم کے
خون جائز ہوا بھائی کیلئے بھائی کا

خاک برلن سے ہوئے آگ کے شعلے وہ بلند
شفقیں رنگ ہوا گنبد مینائی کا

رہی باقی نہ مروت نہ محبت نہ وفا
چشمہ آنکھوں سے ہوا دور شناسائی کا

ظالموں نے جو کسی ظلم و تعدی پہ کمر
نہ کیا پاس حسینوں کی بھی رعنائی کا

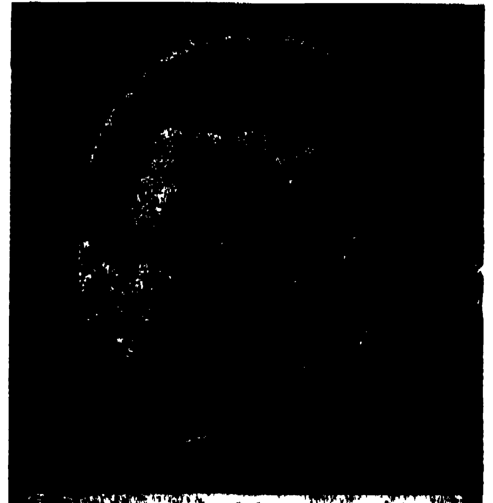
اس طرح پھیل گئی چار طرف آتش جنگ
جس سے نظارہ ہوا سوخت تماشائی کا

پوپ صاحب کی بھی سنتا نہیں کوئی اب تو
وقت ہی ہیچ خدا ناسیہ فرسائی کا

آرزو خیر طلب ہم تو اسی کے ہوں گے
جس کو ہے پاس و لحاظ اپنی دل آرائی کا

دست انصاف سے برطانیہ عظمیٰ کے
خاتمہ جلد ہو دشمن کی توانائی کا

WHAT DO THEY THINK OF WAR ?





(اپنے دوست سے) — اگر تم واقعی میرے دوست ہو تو جاکر ہٹلر کو مار ڈالو



تمام جرمن قید پاکر مار ڈالو ورنہ جنگ کے بعد وہ اپنے وطن واپس جائیں گے

جنگ اور بچے

میں چاہتا ہوں کہ ہٹلر کو ٹیلیفون کروں، اور اس سے کہوں اس اسکول پر بم برساؤ، ہٹلر کیا تم مہربانی کروگے کہ میرے کہنے پر اس اسکول پر بم گرادو، اور تب اس پر بمباری کرو۔ میں اس کے صلہ میں اس کو ۴ پنس انعام دونگا۔

یہ الفاظ ایک چھ سالہ بچے کے ہیں، لیکن عام طور پر جنگ کی بابت بچوں کے خیالات جس قدر جمع کئے گئے ہیں، اور ان کی رائیں سنی گئی ہیں، ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جو یہ خیال کرسکتے ہوں گے کہ ہٹلر کوئی ایسا مفید کام بھی کرسکتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا بچے کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، ۹۹ فیصدی بچے ایسے ہیں جو ہٹلر کے شدید مخالف ہیں، یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جنگ کی اس پوری مدت میں بچوں نے اپنے والدین کے خیالات و جذبات کا عکس کس قدر قبول کیا، جب کبھی اس کی کوشش کی گئی تو یہ ہویدا ہوا کہ بچوں کے خیالات ان کے والدین کی نسبت زیادہ متشددانہ، قلبیانہ، اور وقت سے ایک دو ماہ پیچھے رہا کرتے ہیں، نوجوانوں کی رائیں بتدریج اب اس مرکز پر آتی جارہی ہیں کہ ہم لوگ پوری جرمن قوم کے خلاف لڑ رہے ہیں، لیکن نوجوانوں کے خیالات کے برعکس بچوں کے نزدیک یہ جنگ محض ہٹلر کے خلاف ہے، آدمیوں کی نسبت وہ جن خیالات کا اظہار کرتے ہیں وہ ایسے ہیں جنھیں حیطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا انہیں دور کرنے، ہلاک کرنے، فنا کرنے، اور تباہ کرنے کے متعلق وہ جن طریقوں کا ذکر کرتے ہیں وہ عجیب و غریب ہوا کرتے ہیں۔

ایک چھوٹے سے بچے نے کہا:- یہ تو کچھ جنگ کی طرح نہیں معلوم ہوتا، کیوں معلوم ہوتا ہے؟ جنگ کہاں ہورہی ہے؟ کیا لوگ سمندروں میں لڑ رہے ہیں؟ میں چاہتا ہوں، کہ وہ لوگ ادھر ادھر لڑنے کی بجائے سیدھے جرمنی چلے جائیں اور ایک بم مار کر ہٹلر کے سر میں سو راخ کردیں۔

ایک لڑکا اور لڑکی جن کی عمریں گیارہ برس کے لگ بھگ ہونگی، اس مسئلہ پر حسب ذیل بحث کرتے ہوئے پائے گئے

لڑکا میں چاہتا ہوں کہ ہم لوگ ہٹلر کا پیچھا کریں۔ اور اس کو بم ماردیں، اگرچہ وہ تیار معلوم ہوتا ہے، مگر شاہ ہاکن تیار نہیں تھا۔

لڑکی جرمنی پر بم مارنے کا خیال تو بڑا اچھا ہے، لیکن تم ہٹلر تک پہونچ نہیں سکتے، اور سنو، یہ جرمنی کے لوگ ہمیں نقصان نہیں پہونچا رہے ہیں، بلکہ یہ ہٹلر ہے، اور جانتے ہو اس کے مانند کتنے ہی لوگ ہیں۔

ایک بارہ برس کے لڑکے نے مندرجہ ذیل بہترین موازنہ سے کام لیا میرے خیال میں ہٹلر اتنا ہی بدمعاش اور خراب ہے جس قدر اولی ور کرامول جو انگلینڈ کا واحد ڈکٹیٹر گذرا ہے، دونوں میں دغابازی اور دھوکہ دہی کی نہ صرف بہت زیادہ مناسبت ہے، بلکہ ہٹلر کے گشٹاپو (خفیہ پولیس) اور گول سر والے بہت زیادہ مکار ہیں، اگر ہم لوگ اس جنگ میں فتحیاب ہوگئے، تو ہم نہایت صدق دل سے کہتے ہیں کہ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد ہم لوگ جرمنوں سے جس قدر رحم و لطف سے پیش آئے تھے اس قدر رحم کا برتاؤ اب نہیں کریں گے۔

اکثر بچے، مگر سب نہیں، یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم لوگ اس جنگ میں فتحیاب ہوں گے، لیکن اس بارے میں ان کے خیالات چاہے جو کچھ بھی ہوں، اس کی بابت ان کے خیالات بہت زیادہ سنگین ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اس جنگ میں نصرت حاصل کرکے رہیں گے۔

لڑکے لڑکیوں کی بہ نسبت، اس خیال کے بہت زیادہ حامل ہیں لڑکوں کے بعض خیالات یہاں سنو۔

(۱) جنگ کی بابت میرا خیال یہ ہے کہ جنگ میں جن عظیم باتوں کی توقع کی جاسکتی ہے، ویسی باتیں ہرگز وقوع پذیر نہیں ہورہی ہیں۔

(۲) میں چاہتا ہوں کہ انگریز لوگ ہٹلر سے لڑیں اور اس کو پچھاڑ ڈالیں، بادشاہ ان لوگوں کو کچھ میڈل کیوں نہیں دیدیتا اور ان لوگوں کے لئے چند سپاہیوں کے خیمے کیوں نہیں بنوا دیتا، ہمارے مکان کے سامنے جو میدان ہے وہاں سپاہیوں کا خیمہ بنا دیا جائے، اور سپاہیوں کو بندوقوں کے ساتھ وہاں رکھدیا جائے۔

(۳) اگر جنگ ہونے والی ہے تو پھر جنگ ہو، اس قدر لوگ جو گمان کرتے ہیں اور ان لوگوں کو پیچھے ہٹا رکھتے ہیں ان تمام باتوں کی بجائے تھوڑے سے لوگ جرمنی کیوں نہیں چلے جاتے اور ہٹلر کو پکڑ کر لے آتے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ لوگ ایسا کریں، اور جیسا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس بھی ویسے ہی آلات و اسلحات ہیں جیسے ان لوگوں کے پاس ہیں تو پھر وہ لوگ جرمنی پر بم کیوں نہیں برسا دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تمام بچے کچھ نہ کچھ کرنے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں، بمباری کے کھیل کے لئے ان کا دل بہت بیقرار ہے وہ چاہتے ہیں کہ بمباری کا کھیل دیکھیں، اور لطف یہ ہے کہ بچوں کی اکثریت اس خیال کی حامل ہے کہ ہم لوگ اس جنگ کو جیتنے کے لئے اپنی پوری کوشش سے کام نہیں لے رہے ہیں، بہتیرے لڑکے تو کہتے ہیں کہ فی الفور ہوائی جہازوں سے حملے ہوں، اور بعض لڑکیاں بھی ہیں جو یہ چاہتی ہیں۔

ایک ۹ برس کے خونخوار لڑکے کے الفاظ سنو،

میں چاہتا ہوں کہ جس قدر قیدی جنگ میں ملیں ان سبھوں کو گولی مار دی جائے، ورنہ جنگ کے بعد ان لوگوں کو جرمنی بھیج دینا پڑے گا اور یہ بڑی بے عزتی کی بات ہے، اگر جرمنی والے بھی اس کے بدلے میں ہمارے قیدیوں کو گولی مار دیں تو مجبوری ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ ہمارے زیادہ قیدی نہ پا سکیں گے، میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو بہت زیادہ قیدی ملتے ہیں اس لئے اگر وہ لوگ ہمارے قیدیوں کو گولی سے ہلاک کر دیں تو میں رنجیدہ نہیں ہونگا، اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس سے متعدد خاتونوں پر برا اثر پڑے گا، مگر ہم لوگوں کو ان سے ہاتھ اٹھانا ہی پڑے گا۔

برعکس اس کے ایک لڑکا جس کی عمر ۱۳ سال ہے وہ سور کے ایک بچے کی نسبت ہمدردانہ اور انسانی خیالات کا اظہار کرتا ہے،

جنگ میں صرف ایک بات ہی ایسی ہے جس سے مجھے تھوڑی بہت دلچسپی ہے سور کے بچوں کو وہ لوگ جس طور سے بھیجتے ہیں مجھے وہ مطلق پسند نہیں، مگر یہ ہمارا ملک ہے، سور کا بچہ نہیں ہے، ہم لوگوں کو اپنی جنگ خود لڑنی ہے۔

مجموعی حیثیت سے تمام بچوں کا خیال یہ ہے کہ اس جنگ سے ان لوگوں کو کچھ نقصان ضرور پہنچ گیا ہے، ان لوگوں کو اس سے کچھ زیادہ تعلق نہیں معلوم ہوتا،

بچو!

جنگ کی باتیں سن کر تمھارا دل کیا چاہتا ہے؟

یہی نا کہ

ہٹلر کو جا کر تم مارو؟

دیکھو وہ تم سے بہت بڑا ہے!

اسلئے

تم ورزش کرو اور بڑے ہو کر اتنے

طاقتور بنو

کہ کوئی بھی تمھارے ملک کو بری نظر سے دیکھے تو تم اپنی طاقت سے

اس کا سر توڑ دو اور
اسکی آنکھیں پھوڑ دو

(چراغ الہند)

ایسا سمجھ رہے ہیں کہ گویا یہ ان سے باہر کی کوئی بات ہے، کوئی نہایت سنسنی خیز اور خوفناک کھیل ہے جو ان کے والدین کھیل رہے ہیں، اور اس سے ان لوگوں کو کوئی غرض اور کوئی مطلب نہیں ہے۔

بہت سے بچے ایسے ہیں جو وطن کے اندر بیرونی دنیا کی تباہکاریوں اور جنگ کی بربادیوں کی نسبت، جو کچھ سنتے ہیں، اس کا وہ حیرت انگیز اثر نہیں لیتے، اور نہ اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے ان کو کچھ تعلق ہے، خاصکر لڑکیاں تو اس کو بالکل نہیں سمجھ سکتیں،

"اگر لوگوں کو بھاری بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑ رہے ہیں تو پھر وہ لوگ زیادہ روپیہ کیوں نہیں پیدا کرتے، اور غریبوں کا حال کیا ہوگا"

اگر بجٹ بڑھ گیا ہے تو پھر ہر ایک کے مابین روپیہ تقسیم کیوں نہیں کر دیا جاتا، تاکہ ہم سبھوں کو اتنی کفایت ہو سکے کہ ایک موٹر کار خرید لیں۔

اگر کوئی عام طور پر بچوں کے خیالات کا جائزہ لے، اور ان کی نقل و حرکت، گفتار و کردار پر غور کرے، تو اسے معلوم ہوگا کہ بچوں کو اس جنگ سے بہت کم دلچسپی ہے اور اکثر اوقات تو ایسا ہوا ہے کہ وہ دن دن بھر سوائے ایک دفعہ کے جنگ کی بابت اور کچھ نہیں بولتے، بالکل فراموش کئے رہتے ہیں۔

ایک سات سالہ بچے نے ایک نوجوان سے پوچھا، اوہ میں بھول گیا تھا، کیا تمکو یقین ہے کہ جنگ ہو رہی ہے؟

بلاک آؤٹ (چراغ گل) کے بارے میں تو حالت یہ ہے کہ لڑکیاں عورتوں کی طرح لڑکوں کی بہ نسبت اس سے سخت نفرت کرتی ہیں، خال خال ایسی لڑکیاں ملیں گی جو اس سے "خوش" ہوتی ہوں، ایک بچے نے بلاک آؤٹ کو بند کر دینے کی بڑی اچھی وجہ بیان کی ہے۔

اب جبکہ لوگوں کے پاس اسقدر ہوائی جہاز، بندوق اور توپ موجود ہیں تو آپ بلاک آؤٹ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بہتر ہے کہ اسکو بند کر دیا جائے، ایرفورس (ہوائی دستوں) اور زمین دوز دفاع کو تھوڑا بہت کام کرنے کا موقعہ دیا جائے ہٹلر سے بولو کہ وہ اپنے اگر وہ لوگ ہم لوگوں کی حفاظت اور مدافعت کرنیکے خواہاں ہیں تو ان لوگوں کو ہماری مدافعت اور حفاظت کا ایک موقعہ دیا جائے، اب کوئی بلاک آؤٹ نہ کیا جائے، بلاک آؤٹ خراب چیز ہے۔

غالباً نوجوان اور عمر رسیدہ لوگوں میں جنگ کی بابت یہ تشویش و اضطراب پایا جا رہا ہے، بچوں میں اس کا اثر نہیں ہے لیکن زیادہ عمر کے زیادہ تر لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح جنگ کو اس کے انجام تک پہونچانا ہے اور ہٹلر ازم کا استیصال کامل کر دینا ہے، اگرچہ لڑکیوں کو اس کی بابت کامل یقین نہیں ہے، ایک گیارہ برس کی لڑکی نے جسکا نام اینی تھا، اس نے اس خیال کو حسب ذیل طور پر ادا کیا ہے، میرا خیال ہے کہ ہٹلر ایک خود غرض سن رسیدہ بھیڑیا ہے، جو صرف اپنے ہی فائدے کو پیش نظر رکھتا ہوا اور سمجھتا ہے کہ وہ بڑا شاندار اور بارعب داب والا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص کو نیچا دکھلائے اور ساری دنیا پر تسلط حاصل کرے۔

جرسِ بیداری

(کامل رشید میوی) مدیر معاون "شاہد" ویکلی (بمبئی و دہلی)

آہ اے بدبخت مفلس مادرِ ہندوستاں — ہو رہی ہیں ہر طرف تیرے لئے تیاریاں
ہر کوئی تجھکو مٹانے کیلئے تیار ہے — یعنی شب صبح کے ہنگام سے بیدار ہے
بن گیا ہے گوشہ گوشہ ان دنوں میدانِ جنگ — جان پر کھیلے ہوئے ہیں آجکل اہلِ فرنگ
ہر طرف بپھری ہوئی ہیں انقلابی آندھیاں — اڑ گئی ہیں دامنِ عیش و طرب کی دھجیاں
وقت کے ہر دن سے اب غفلت کی دیوی ہے نہاں — ہو چکی ہے عیش گاہوں کی رعونت پائمال
خواب سے چونکے ہوئے دیوار و در بیدار ہیں — رات دن جاگے ہوئے شام و سحر بیدار ہیں
تابِ جنبش ناخن و مضراب میں باقی نہیں — محفلوں میں آجکل پیمانہ و ساقی نہیں
ٹھوکریں کھاتے ہیں اطمینانِ ہستی کے ایاغ — ٹمٹما کر بجھ گئے ہیں بزمِ عشرت کے چراغ
بزمِ نائے و نوش میں باقی نہیں وہ ہاؤ ہو — عام ہے اب مارنے مرنے کی خونی گفتگو
قصرِ اطمیناں میں ہے زلزلہ آیا ہوا — رقص گاہوں میں سکوتِ مضمحل چھایا ہوا
والئ تسخیر کے قلب و جگر ہیں بیقرار — آسماں پر کہکشاں کھینچے ہے تیغِ آبدار
خواب گاہوں میں اچٹتی نیند گھبرائی ہوئی — آشتی کے دوش پر تحریک لہرائی ہوئی
بسترِ خواب شکن دینے نہیں پاتا سکون — صبح کی دھجی ہونٹوں میں نہاں شامِ جنون
ڈھونڈتی پھرتی ہیں توپیں چرخ پر اپنا شکار — وادیاں سہمی ہوئی لرزے ہوئے ہیں کوہسار
آسماں پر گونجتی پھرتی ہے آوازِ دہل — خواب سے چونکی ہوئی قومیں ہیں سرگرمِ عمل

گلستانِ دہر بھی اب نار بنجانے کو ہیں
اہلِ سائنس ان دنوں قہرِ خدا بنجانے کو ہیں

وقت ایسا کسی سے بھی سہا جاتا نہیں — تیری شریانوں میں لیکن خون جل کھاتا نہیں
آہ یہ بے وقت کی تیری خموشی بے سبب — اُف غضب ہے، اُف غضب ہے اف غضب ہے اف غضب
ختم کر آپس کی جھگڑے فرقہ بندی توڑ دے — چھوڑ دے للہ اب غفلت پرستی چھوڑ دے

اب بھی آجا ہوش میں اے بدنصیب ہندوستاں
ورنہ مٹ جائیگا دنیا سے ترا نام و نشاں

ہو پیامِ فتح و نصرت خونفشاں یورپ کی جنگ

(از آغا محشر شیرازی)

(موجودہ جنگ یورپ کے متعلق ایک شاعر کے تاثرات)

شہریوں پر جو کہ بم برسا رہے ہیں بے درنگ
ان کے یہ پہلو میں دل ہیں یا کہ پنہاں خشت و سنگ
کیا یہ بن سکتے ہیں ظالم، مدعی تہذیب کے
جن کی تہذیب و تمدن میں درندوں کا ہے رنگ
جن کی آزادی ہے دنیا کو غلامی کا پیام
جو بظاہر گربۂ مسکین ہیں باطن میں نہنگ
اے خدا تو منتقم ہے بیکسوں کے خون کا
زندگی کو کر دے اس دنیا میں ان لوگوں پہ تنگ
حق میں ان کے امن کے طالب جو ہیں، شاہِ فرنگ
ہو پیامِ فتح و نصرت خونفشاں یورپ کی جنگ
پھر رہے ہیں جو سمندر کی تہوں میں آبدوز
سمبریوں کیلئے دشمن کی بن جائیں نہنگ
ان ہوابازوں کی ہمت ہمتِ مردانہ ہو
انتقامی کارناموں سے ہے دنیا جن کی دنگ
بربریت اور وحشت جن کی ہے ضرب المثل
وہ درندے جرمن و اٹلی کے ڈکٹیٹر ہوں لنگ
ہند سے اتنی رہے جتنی ہے اب یہ جنگ دور
از پئے خواجہ معین الدین اور حاجی ملنگ
ہندو و مسلم میں جو ہے کشمکش و نیست ہو
ایک ہو کر سیکھ لیں یہ بھی اخوت کے یہ ڈھنگ
حاصلِ نصرت ہو محشر ہر محاذِ جنگ پر
ساتھ میں برٹش کے ہندی نوجوانوں کی امنگ



ایک جرمن لڑکا

برطانی لڑکا:-

بہادر۔ سچا۔ نڈر ہوتا ہے۔ فٹ بال ہاکی اور دیگر مردانہ کھیلوں کا عاشق زار ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ واٹرلو کی لڑائی فٹ بال کے میدان میں جیتی گئی تھی اسی طرح میں بھی فٹ بال کھیلتا ہوں تاکہ ہٹلر اور ہٹلریت اور دنیا کے تمام ظالموں کو اپنے بوٹ کی ٹھوکر سے خاک میں ملا دوں

وہ صبح اٹھ کر اپنے والدین کے ساتھ خدا سے دعائیں مانگتا ہے۔ اتوار کو والدین کے ساتھ گرجا گھر بھی جاتا ہے گھر اور اسکول میں وہ ضابطہ وقاعدہ کی پابندی کو ضروری سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ایک مہذب حکمران وطاقتور قوم کا ایک فرد ہے اور کوئی قوم بغیر ضابطہ وقاعدہ کی پابندی کے نہ حکمرانی کرسکتی ہے نہ اپنی طاقت قائم رکھ سکتی ہے۔

جرمن لڑکا:-

ہٹلر کو خدا سمجھتا ہے، وہ خدا کا نام ہی بھول گیا صبح، دوپہر، شام، رات ہر وقت اپنے باپ ماں کے ساتھ صرف "ہیل ہٹلر ہیل ہٹلر" کا نعرہ لگاتا رہتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں نہ کرکٹ کا بلا ہوتا ہے، نہ پاؤں کی ٹھوکر سے اڑنے والا گیند بلکہ وہ ایک بلا اپنے بازوں پر باندھتا ہے جس کو سواستیکا کہتے ہیں اور سمجھتا ہے کہ یہی سب کچھ ہے۔ ملک میں غلہ۔ مکھن وگوشت کی اتنی کمی ہے کہ کتے کا گوشت کھا کر وہ زرد وکمزور ہو گیا ہے —— وہ ہمیشہ مغموم اور پریشان رہتا ہے۔ کیونکہ بھوکے پیٹ نہ اس کا جی کھیل میں لگتا ہے اور نہ پڑھنے میں۔ وہ ہٹلر کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا رہتا ہے جس نے اسکے بھائی کو میدان جنگ میں بھیجکر مروا دیا۔

جرمن مزدور

از:- کرٹ ڈوبر

ایک جرمن انجینیر کی داستان حیات

ہٹلر کے برسر اقتدار آنے سے پہلے میں سی مینس شوفرٹ کے کارخانہ میں انجینیر تھا آج اس کارخانہ میں بم کے گولے، مقناطیسی سرنگیں، اور تار پیڈو تیار کئے جا رہے ہیں، آبدوزوں وطیاروں کے لئے برقی ساز و سامان بنائے جا رہے ہیں۔

جنگ عظیم کو ختم ہوئے بہت دن ہو چکے تھے کہ میں سی مینس شوفرٹ کے کارخانہ میں کام کرنے کے لئے گیا تھا، لیکن بعض سرکردہ انجینیروں نے جنگی عہد کی دار مشینوں، اور ان کے ڈیزائن کو خفیہ رکھا تھا، اور اس سے کسی کو مطلع نہیں کرتے تھے، ہیں کو وہ لوگ اس طرح پوشیدہ رکھتے تھے کہ گویا وہ کوئی ان کے لئے عجیب ترین شئے ہے، کچھ دن گذرنے کے بعد ممکن ہے کہ جمہوری سلطنت کو حکومت سے ہٹا دیا جائے، اور زمان قیادت اس کے ہاتھوں سے چھین لی جائے، اس کے لئے یہ تدبیر بہت ممکن ہے سود مند مفید ثابت ہو۔

جمہوری حکومت کے ان دنوں میں داخلی کارخانوں کے مزدوروں کی حالت آج سے بہت زیادہ مختلف تھی، ہم لوگ ہفتہ میں ۴۰ گھنٹے کام کرتے تھے، اور جب اس میں اضافہ کر کے فی ہفتہ ۴۸ گھنٹے کر دیا گیا تو بڑا ہنگامہ ہوا تھا، اور لوگوں نے شدید ناراضی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا متعدد داخلی میکانک بے سہاؤں کے لئے وقف تھے، اور وہ لوگ مقررکردہ مزدوروں کی اجرت سے بہت زیادہ اجرت پاتے تھے، لیکن اس پر بھی مستقل اجرتوں کے مزدور زیادہ آرام و آسائش کے ساتھ رہتے تھے اور اس قابل تھے کہ تعطیلات کے دنوں کو بحسن و خوبی صرف کریں۔

اس زمانے میں اگر مزدوروں کو کوئی شکایت ہوا کرتی تھی تو اسکا فیصلہ وہ اپنے نمائندوں کے ذریعہ طے کرتے تھے۔ اور ٹریڈ یونین آرگنائزیشن اس زمانے میں بہت کافی مضبوط تھا، اور اس قابل تھا کہ اسبا سمجھوتہ کرادے۔ جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔

جیوں ہی ہٹلر برسر اقتدار آیا کہ مجھے وہ ملک چھوڑ دینا پڑا، میں جمہوری فوجی ادارے کا ایک رکن تھا، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ہٹلر اور اس کی اسکیم تجدید اسلحہ کے خلاف جنگ کی جائے، لیکن جلا وطنی میں بھی میں نے جرمنی میں اپنے کامریڈوں کے ساتھ تعلق قائم رکھا، ان سے بالکل ہی قطع تعلق نہیں کر لیا، ہم ٹریڈ یونینوں کے ممبران ہمیشہ ان مزدوروں کے ساتھ تعلقات باقی رکھتے ہیں جو اس وقت جرمنی میں تجدید اسلحہ کے لئے کام کر رہے ہیں۔

ہفتہ ہفتہ ہم لوگوں کو خفیہ طور سے خطوط ملتے رہتے ہیں جن سے ہم لوگوں کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے، اور وہ کیسے حالات ہیں جن کے ماتحت وہاں کارکنان و مزدوران زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہاں ذیل میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو اب کے کارخانہ اسلحات سے موصول ہوئی ہیں۔

پہلا خط ایک قدیم کارکن کی جانب سے ہے، جو بوڑھا ہو گیا ہے، اور اس کام میں اسے ۲۰ برس ہو گئے ہیں۔

وہ لکھتا ہے۔ ہم لوگ شب و روز فوجی نگرانی میں ہیں، اور شب و روز ہم لوگ مجبور ہیں کہ کام کئے جائیں، لیکن اجرت وہی ہے جو قبل از دور ہٹلر ہم لوگوں کو فی ہفتہ ۴۰ گھنٹے کام کرنے کے عوض ملتی تھی، میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میں نے کوشش کی تھی کہ اپنا پیشہ بدل دوں، لیکن گورنگ نے مخالفت کر دی ہے کہ کوئی شخص اپنا پیشہ نہ بدلے، اس لئے میں مجبوری سے وہی کام کئے جا رہا ہوں کیونکہ اس کے سوائے دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔

دوسرا خط، جو ایک نوجوان کی طرف سے ہے، وہ اور بھی زیادہ تلخی کے ساتھ لکھتا ہے:۔ ہم لوگوں کے حالات کیا ہیں؟ وہی، جو گذشتہ جنگ کے اواخر میں تھے، بلکہ اس سے بھی بدتر، معمول سے زیادہ اوقات کی اجرت نہیں دی جاتی، راشن کارڈ کے بغیر نہ تو غذا ہی خریدی جا سکتی ہے اور نہ لباس بلکہ راشن کارڈ سے بھی اکثر مطلوبہ وضروری چیزیں حاصل نہیں ہوتیں،

لیکن اس کے باوجود یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ جرمن مزدوروں میں سے جو اسلحہ کے کارخانہ کے مزدوروں کی زیادہ خبرگیری اور ان کا لحاظ کیا جاتا ہے ان کو سبھوں سے زیادہ اجرت دی جاتی ہے اور سبھوں سے اچھا کھلایا جاتا ہے، اس لئے دیگر مزدوروں کی جو حالت ہو سکتی ہے اس کا ذہن میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ہٹلر کے برسر اقتدار آنے میں جن مقناطیسی امور نے مدد دی، ان میں سے ایک کی حالت یہ ہے کہ جرمن تجدید اسلحہ کو فی الفور آگے بڑھانا چاہیئے۔

جس روز ہٹلر برسر اقتدار آیا۔ اس وقت سے خفیہ طور پر اسلحہ بندی کا کام شروع ہو گیا میرا کارخانہ سی مینس شوفرٹ، بم کے خول بنایا کرتا تھا جس کو "تھرموس فلیسک کپ" کہا جاتا تھا اور دوسرا کارخانہ جسے معاہدۂ وارسیلز کی رو سے اجازت دے دی گئی تھی کہ رائفلوں کی مختصر تعداد بنایا کرے، اس نے زمین دوز بڑے بڑے مقامات بنائے، تاکہ ناجائز طور پر توپیں بنائی جائیں۔

تھوڑے دن گذرے تھے کہ جرمنی نے علانیہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسلحات بنانا شروع کر دیئے، جدید کارخانے بنائے جانے لگے، اور ہزاروں ہزار آدمیوں کو کام پر لگا دیا گیا، جب مردوں کی تعداد ناکافی خیال کی گئی تو عورتوں کو ٹھونسا گیا، جو لوگ بے روزگار ہو گئے تھے، ان لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بچوں اور اپنے باورچی خانوں کی طرف واپس جائیں، ہم لوگوں کو مطلع کیا گیا کہ اسلحات کے کارخانہ میں کام کرنا عورتوں کا پیشہ ہے۔

نیشنل سوشلسٹ، کانوی (قومی سوشلسٹ اقتصادیات) اپنے پورے عروج پر تھی، انڈسٹریلسٹ (مصنوعات ساز) شہری ضروریات کی حاجت روائی کر رہے تھے، چھوٹے کاروباری آدمیوں کو لوٹے، اور بھاری انڈسٹریوں پر قربان کر دیا گیا، اور ان کے مفاد کو کارخانوں کے مفاد پر بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں جرمنی کی قومی آمدنی اسلحات پر دو فیصدی مجموعی طور پر تھی، لیکن اب اس میں اضافہ ہو کر چھبیس فیصدی ہو گیا، ہٹلر جب برسر اقتدار آیا،

تو اسلحہ سازی پر پہلے ہی سال ۲ فیصدی سے ۶ فیصدی صرف بڑھ گیا، اور ۱۹۳۵ء میں تو وہ یہاں تک بڑھ گیا کہ ۲۲ فیصدی ہو گیا۔

اسلحات کے اخراجات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ جرمن باشندوں کے معیار زندگی پر بھی حملہ کیا گیا، نازی اکانومی کا مکمل خاکہ ڈاکٹر شوچیٹ نے جرمن اکیڈمی کے اکانومی سکشن کے روبرو اپنی ایک تقریر میں پیش کیا تھا۔ اس نے کہا۔

لوگ جس قدر کم چیزیں صرف کریں گے
اسی قدر اسلحات کی پیداوار میں زیادہ
کام کیا جا سکتا ہے۔ اور معیار زندگی و
اسلحات کی پیداوار کا پیمانہ باشبہ
مختلف ہونے چاہئیں۔

گوئرنگ نے جرمن ہیوی اسٹیل انڈسٹری کے نمائندہ خاص نے اور بھی صاف لفظوں میں اس مقصد کو دہرایا ہے "مکھن سے پہلے توپوں کی ضرورت ہے" اور یہی نعرہ برابر لگایا کرتا تھا۔

جرمن کے جنگی سامان کے پیدا کرنے اور اس میں وسعت دینے کے لیے اقتصادیات کے ماہروں نے جو طریق کار اختیار کیا تھا وہ برداشت نہ کر سکا اور معیار زندگی کو گھٹانے کے باوجود ایک ایسی ترکیب نکال لی گئی تھی کہ خرید کی قوت میں اضافہ ہو جائے اور ساتھ ہی اس سے جرمنی کی جنگی تیاریاں بھی مکمل ہوتی رہیں، اور یہ طریقہ اس طرح اختیار کیا گیا کہ عوام کی نام نہاد موٹر کاروں کو پیدا کیا گیا، انہیں سستے طور پر بنایا گیا اور بڑے نفع کے ساتھ فروخت کر دیا گیا، اس سلسلے میں مزدوروں کی اجرت پر کلہاڑا چلایا گیا، یہ اسکیم ایسی تھی جو کسی طرح ناکام ہو جاتی، جرمن مزدوروں کو موٹروں کے لئے جو پیشگی اقساط دی جاتی تھیں بعد میں انہیں بالکل ادا نہیں کیا جانے لگا، اور اس طرح نتیجے میں عام خرید کی تعداد بڑھ گئی، اور اگر لوگوں نے موٹر کو خریدا، تو اس طرح جرمن کے باشندوں کو موٹر پسند بنا دیا گیا، جو جرمنی میں فوجی اہمیت کے لحاظ سے وقعت رکھتا تھا۔

دوسروں کی طرح اسلحات کے کارخانہ کے مزدوروں کے تمام حقوق غصب کر لئے گئے ہیں اور انہیں ہر حق سے محروم کر دیا گیا ہے، وہ ٹریڈ یونین جس نے ان کے حقوق و مفاد کو محفوظ رکھا تھا، ان کی حفاظت کی تھی اس کو ڈاکٹر لے کے لیبر فرنٹ میں ملا دیا گیا جسے کارخانہ داروں کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے۔ ٹریڈ یونین کے نمائندوں کی جگہ پر ایسے چنے ہوئے لوگوں کو رکھا گیا، جو پارٹی لائن پر انتخاب میں آئے تھے، اور ان کے چننے والے نازی پارٹی کے افراد تھے وہ مزدور واقعی بیوقوف ہوتا تھا، جو اس وقت مزدوروں کی عدالت میں کوئی شکایت لے کر جاتا، جو جرمنوں کا ایک اسپیشل انسٹی ٹیوشن تھا۔ اور مزدوروں کے معاملات فیصل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا، کیونکہ وہاں مزدوروں کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی تھی، اور وہاں انہیں یا تو تنبیہ کی جاتی تھی یا پھر گردن میں ہاتھ دے کر نکلوا دیا جاتا تھا، ٹریڈ یونین کے فنڈوں پر قبضہ کر لیا گیا، اس بہانے سے کہ دیگر مزدوروں کی بہتری اور بہبودی پر انہیں صرف کیا جائیگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا ایک کثیر تعداد حصہ بلکہ تقریباً سب حکومت کے خزانے میں چلا گیا، مثال کے طور پر اس کو سمجھ لیا جائے کہ ۱۹۳۳ء تک مزدوروں کی جمع پونجی کی مجموعی تعداد ۱۰۰ ملین مارک تک پہونچ گئی تھی، لیکن ڈاکٹر لے نے ان فنڈوں میں سے محض ۲۰۰ مزدوروں کے لئے چھوڑا تھا اور ان میں سے ۵۰ ملین مارک بغیر کوئی وجہ بتلائے حکومت نے لیا۔

اس طرح جرمن کارخانوں کے مزدور، دیگر مزدوروں کے ساتھ اپنی قسمت کو رو رہے ہیں لیکن گذشتہ چار برسوں سے ایک طرح ان لوگوں کی پوزیشن میں اور بھی سختی اور شدت آگئی ہے، اور یہ اوقات یعنی کام کے گھنٹوں کے سلسلے میں ہے، جس میں فی الفور اضافہ ہو گیا، ہٹلر سے پہلے مزدوروں کو کم از کم فی ہفتہ ۴۸ گھنٹے کام ضرور کرنے پڑتے ہیں اس طرح ان کو روزانہ دس گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔

کام کے حالات کے معیار میں بھی وہاں تخفیف کر دی گئی، یہ ممکن نہیں تھا کہ جب تک نئے کارخانے بن جائیں اس وقت تک انتظار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے مزدوروں کو پرانے کارخانوں میں ہی بھر دیا جاتا تھا، اور جب تک کارخانہ بنتا رہتا، ان کو بیکار نہیں رہنے دیا جاتا۔ چونکہ تجربہ کار، کارکنوں کے ساتھ ان ناموزوں اور ناتجربہ کار مزدوروں کو لگا دیا گیا تھا، اس لئے بے شمار حوادث بھی ہوئے، اور اسلحات کے کارخانہ کے ہزاروں مزدور ان حوادث کا شکار ہو گئے۔

اب جہاں تک مزدوروں اور اجرت کا سوال ہے، وہاں تجربہ کار، اور بے تجربہ کار مزدوروں کے مابین بہت زبردست تفریق ہے، اور تجربہ کاروں کو ناتجربہ کاروں کی محنت سے فائدہ ہوتا ہے، ایک تجربہ کار کارکن ۷۱ مارک فی ہفتہ پاتا ہے۔ (ایک مارک اشلنگ ۔پنس کے برابر ہے) لیکن ایک ناتجربہ کار مزدور جس کے ایک بیوی اور چار بچے ہیں اس حساب سے پاتا ہے۔

۵۶ گھنٹہ فی ہفتہ کی اجرت	۳۲ مارک
تخفیف	۴ مارک
آمد و رفت کا کرایہ	۳٫۶ مارک
مکان کا کرایہ	۴٫۵۰ مارک

اب صرف ۲۰ مارک بچ جاتے ہیں جس سے چھ آدمیوں کا گذارہ ہوتا ہے اسی میں سے غذا اور لباس دونوں چلایا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار میں جو تخفیف درج کی گئی ہے وہ برائے انشورنس ہے پارٹی کے چندے لیبر فرنٹ کے چندے، اور سرمائی امدادی فنڈ کے لیے لیے جاتے ہیں۔ جب سے نازیوں کے ہاتھوں میں حکومت آئی ہے، اس وقت سے مزدوروں کو ہٹلر کے زمانے کے قبل سے دوہری تخفیف ادا کرنی پڑ رہی ہے، ایک مزدور جس قدر اجرت پاتا ہے، اس کا نصف تخفیف کے نام پر اس سے وصول کر لیا جاتا ہے۔

مزدوریوں کی تخفیف کے لئے متعدد دیگر طریق بھی اختیار کئے گئے ہیں اسلحات کے کارخانوں میں دیگر کارخانوں سے زیادہ جاسوس بھرے ہوئے ہیں۔ اور کوئی اسلحہ کے کارخانہ کا مزدور ایسا نہیں ہے جس کی نگرانی نہ کی جاتی ہو، اور جسے ہر وقت تہدید و تنبیہ سے دوچار ہونے کا خوف نہ رہتا ہو، لیکن اس کے باوجود مخالف نازی جرمن اپنی جد و جہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں، جہاں مقاومت محض کا امکان ہے وہاں وہاں یہ جد و جہد جاری ہے، ہر کارکن کام کم کرنے میں اپنی حکمت عملیوں سے کام لیتا ہے، اور حتی الامکان کم سے کم محنت کرنے اور کم پیدا کرنے میں چالاکیوں سے کام لیتا ہے،

آج جرمنی میں ہزاروں اسلحات کے ایسے مزدور موجود ہیں جو ان حقوق کو نہیں بھولے ہیں جو ان سے چھین لے گئے ہیں اور ان کو محروم کر دیا گیا ہے، جس آزادی سے ان کو محروم کر دیا گیا ہے، اس کی لذت کو وہ فراموش نہیں کر گئے ہیں، اور ہٹلر کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ان کے امکان میں جو کچھ ہوگا، اس سے وہ دریغ نہیں کریں گے، اور حتی المقدور اپنی مساعی جاری رکھیں گے۔

MYSORE AND WAR



H. H. THE MAHARAJA OF MYSORE

ریاست میسور نے یورپ کی اس تہلکہ خیز جنگ میں حکومت برطانیہ کیلئے جو دست تعاون دراز کیا ہے وہ ہر لحاظ سے تحسین وآفرین کا مستحق ہے جنگی فنڈ کے سلسلہ میں لیڈی اسمٰعیل نے "سلور ٹیمبل فنڈ" کے نام سے جو اپیل عوام سے کی تھی اس کے نتائج حد درجہ حوصلہ افزا ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس وقت تک ایک ہزار ایک سو چونسٹھ روپے فنڈ میں جمع کئے جا چکے ہیں اور ابھی اس سے کہیں زیادہ کی توقع ہے۔ منتظمین ریاست کے اعلان پر ریاست کے ہر کونے میں سینماؤں، ڈرامیٹک اور ڈانس پارٹیوں کے منیجروں نے چیریٹی کھیلوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ جنگی فنڈ میں جمع کی جا رہی ہے۔ تاحال تین لاکھ بیس ہزار روپیہ ارسال کر دیا گیا ہے۔

ریاستی عوام موقعہ اور وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انتہائی فراخدلی اور جوش وخروش سے ان امور میں حصہ لے رہے ہیں صنعتی اداروں کی کوششیں بھی اسی نیک جذبہ کی مرہون منت ہیں کہ حکومت برطانیہ کے زیر سایہ پرورش پانے والے کروڑوں انسانوں کو نازی بھوتوں کی شیطانی گرفت سے محفوظ رکھا جائے، لاکھوں روپیہ کا جنگی سامان تیار کیا جا رہا ہے۔

سامان خوردنی کے لئے کاشتکاروں نے بھی ریاست کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ میسور کی مشہور "کافی" کی کاشت زوروں پر کی جا رہی ہے۔ حال ہی میں کافی تعداد میں "کافی" کے بنڈل ہندوستانی سپاہیوں کے پاس محاذ جنگ پر روانہ کئے جا چکے ہیں۔ دیگر اشیائے خوردنی بھی ملٹری فوڈ لیبارٹری کسولی کی زیر نگرانی مہیا کی جا رہی ہیں۔ گویا اس وقت ریاست کا ہر محکمہ اور ہر ادارہ اپنی ہر ممکن کوشش اس امر پر صرف کر رہا ہے کہ حکومت برطانیہ کی مشکلات میں ساتھ دے کر آمری اور قہرمانی طاقتوں سے دنیا کو چھٹکارا دلائے اور یہ کوششیں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک کہ جنگ کے نتائج حسب توقع برآمد نہ ہو جائیں۔

چنانچہ پچھلے دنوں میں جب آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں (ممبر وائسرائے ایگزیکٹو کونسل) مسٹر ایچ، ڈا (وائس چیرمین وار سپلائی بورڈ) میجر جنرل جی، جالی (ڈائرکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروس) اور دیگرا کابرین نے ریاست کا معائنہ فرمایا تھا تو انہوں نے اس بارے میں حد درجہ حوصلہ افزا بیانات اور مشورے دے کر ریاست کے منتظمین اور کارکنان کو مشکور فرمایا۔

بہرصورت ریاست میسور کے ہر فرد کے دل میں یہ احساس کروٹیں لے رہا ہے کہ دامے درمے قدمے جس طرح بھی ہو، اس اہم ضرورت کے وقت حکومت کا ساتھ دے اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ امداد واعانت کے سلسلہ میں ریاست میسور ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے ہرگز پیچھے نہیں رہی۔

A SHORT REPORT
OF
AN UNPRECEDENTED ACT
OF
MUNIFICENT CHARITY
OF
RAI BAHADUR SETH SUKHLALL KARNANI, C. B. E.

(FORM OUR OWN CORRESPONDENT)



For the information of the public I publish a short report of the unprecedented and unparalled act of philanthopy of Rai Bhadur Seth Sukhlall Karnani, C. B. E., who has made the best use of his money by saving thousands of his poor fellow country men from slow but sure death for want of food. From time to time the Vernacular, (Hindi and Urdu) Papers have published short accounts, still I venture to publish this final short report with a hope that the public will only be glad to go through it.

The town of Sirsa is in the district of Hissar in the Province of the Punjab. The Geographical position of the district is such that the average rainfall is rather scanty. The cultivation of the district mostly depends upon the rainfall. In 1937 there was not sufficient rainfall though in some places rain fell and cultivation was partially done, but it withered away for want of more rain later on, so the crop failled in the year and the poor hand-to-month people felt the pinch of scarcity. They expected sufficient shower next year, but by

the irony of fate there was no rainfall adequate for cultivation and there was no harvest at all and severe famine broke out. The poor people had to depend mostly on the sale of little ornaments, utensils and cattle. As there was drought even no grass grew, so more than half of the cattle perished for want of fodder. In the year, 1939, the same calamity visited the people. The situation reached its climax in the third year and the severity rose to its peak. The miseries of the people knew no bounds and can be better imagined than described. The distressed people had no food to keep their body and soul together nor they had sufficient clothing to protect themselves from the inclmancies of weather. In fact they were in tatters and it was difficult to preserve modesty.

Every one was looking towards the Heaven and was crying for Divine help. At last the plantive wails of the distressed hunger-stricken, ill-clothed people reached the ear of the Heavenly Father, and the report of the situation came to the knowledge of one of the most generous-hearted sons of the land, who carries on his bussiness in Calcutta, far off from the Punjab. The Supreme Being gave inspiration to this son of the Punjab Rai Bhadur Seth Sukhlal Karnani, C. B. E., and his most philanthopic heart was moved and like an angel from Heaven extended his helping hand and opened the door of his inexhaustible "ANNAPURNA BHANDAR" for the relief of the distressed on 1st September, 1939, and cooked sweetened rice and cooked vegetables began to be distributed amongst the famine-stricken people. The number of such people receiving relief rose from hundreds to thousands and in a short time the number exceeded even 4,000 to 5,000 daily. It was proclaimed by beat of drum that any person local or outsider irrespective of creed and colour, who wanted relief, would be welcomed and no such persons who would set his feet at Sirsa would pass night without food and would go unclothed.

Over a seer of such cooked food used to be distributed to each adult person and more than half a seer to each child above one year.

Rai Bahadur not only remained satified with giving food alone, but he at the same time, distributed clothings bales after bales.

EACH MALE RECEIVED :—

1. Dhuti............1.
2. Kurta............1.
3. Safa (Turban)...1.

EACH FEMALE RECEIVED :—

1. Lahanga.........1.
2. Kurta............1.
3. Urni..............1.

EACH CHILD RECEIVED :

1. Jangiya..........1.
2. Kurti.............1.
3. Topi...............1.

In the Winter, warm coats, blankets, Rezai filled with cotton and Bombay made Chadars were also given.

It so happened, that besides the inhabitants of the district, people from far off places and even from the Native States, thronged there, as there was similar famine in Rajputana, Bikaner, Jodhpur, Jasalmir, Jaypur, Udaipur and other places.

Accommodation for them was arranged for as far as possible.

To the women during the period of pueriperium special nutritious food (Halwa) and medical aid with medicines used to be provided for, for weeks.

Wheats and other uncooked foods used to have been sent secretly at night to the houses of the people who felt delicacy and hesitation in coming publicly for getting reliefs.

To the Temple ; Pathshalas, also articles of food used to be sent.

The Gowshalas also did not escape his attention. Grass was sent to certain Goshalas.

Jowars used to be scarttered for the peacocks, pigeons and other birds.

The excess cooked food, after distribution amongst the sufferers, used also to be given to the cows, bullocks, dogs, etc., though there wos separate arrangement for feeting the bullocks.

Coffin and wood for the funeral of the poor persons irrespective of caste or creed used to be supplied.

Tanks were excavated, wells and Tube-wells were sunk.

As far as it has been counted—the total number of people (male, female and children) that got relief within the period from 1st September, 1939 to 4th November, 1940, that is 14 months and 4 days (during which the Relief work was continued) was 14,66,952 but the actual number surely exceeded this figure.

Rai Bahadur was willing and prepared to further continue the relief work but as by the Grace of Providence there was adquate rainfall for cultivation and as the crops were ready, the camp was closed.

To supply daily cooked food to about 4000/5000 people, irrespective of nationality is not an easy job but the arrangement was so splendid that it went on smoothly, and no disease or pestilence broke out and there was general improvement in health. The sight was one, worth seeing, and many respectable gentlemen and representatives of Press visited the place and were amply satisfied with the arrangement.

May God grant a long life and further prosperity to Rai Bahadur and give him further inspiration to ameliorate the condition of the poor and the distressed.

It is fervently prayed that all other men of wealth and affluence be inspired by the Supreme Being to follow the footstep of Rai Bahadur for the relief of suffering humanity.

Rai Sahib Chandanmull Karnani the only son of Rai Bahadur who is a Presidency Magistrate in Calcutta and is a Member of

[illegible] Board of Improvement for Calcutta and [illegible] several other onerous offices, is a [illegible] gentleman with and has inherited all the virtues of his illustrious worthy father. He has been to the spot and made all necessary arrangements for this laudable work and opened the Relief Camp himself from 1st September, 1939.

The Punjab Government and His Highness the Maharaja of Bikanir have greatly appreciated this noble act and have conveyed their thanks to Rai Bahadur.

This is not the only instance of Rai Bahadur's noble deed of charity and public utility, but there have been enumerable glorious acts of munificience perpetuated by him that even Their Late Imperial Majesties King Edward VII, Queen Alexandra and also King George V were pleased to express Their appreciations.

Printed by S. Reshid at The Eastern Art Press, 12, Boli Dutt Street, and Illustration etc., by S. A. M. Golam Jilani, at The Model Litho & Printing Works, 66-1A, Baitakhana Road, Calcutta. Edited & Published by Inayet Hussain, 31, Lower Chitpore Road, Calcutta.


SUPER
SERVICE


Turab
صحت افزا مقامات، تیرتھ گاہوں اور دوسرے مشہور
مذہبی شہروں کو دیکھنے کیلئے ای آئی آر و ای بی آر میں سفر کیجئے
AST NDIAN AILWAY - EASTERN BENGAL RAILWAY